لیکن اسکے ساتھ ہی میرے دلمین شبہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ شاید مین نے اپنی
کتاب مین ایسے الفاظ اور فقرات مندرج کئے ہین۔ جنپر اب تین سال کے بعد کہ اس
عرصہ مین مجھکو اسلام سے زیادہ تر واقفیت اور محبت پیدا ہو گئی ہے۔ مجھکو
افسوس کرنا چاہیئے۔ بلاشبہ مین جانتا ہون۔ کہ اوس کتاب مین بعض ایسی
عبارتین موجود ہین۔ جب مین نے ان مضامین کو کسیقدر عاجلانہ طور پر لکھا تھا۔
اوسوقت میرے دلائل کا منطقی سلسلہ مجھکو ایک تیزرو اور بے چین گھوڑے
کی طرح ایک خطرناک زمین پر کھینچ لے گیا تھا۔ ایسی خطرناک زمین کہ اوسپر زیادہ
حزم و احتیاط کا آدمی امن و عافیت سے راہ طے کرنے کی امید نہ کرتا۔ بعض الفاظ
بالخصوص خلافت عثمانیہ کی نسبت مجھکو یاد آتے ہین۔ جنکو مین نے کسیقدر ناشایستگی
اور سختی کے ساتھ تحریر کیا ہے۔ اور مین اب تہ دل سے اونکو واپس لیتا ہون۔
کیونکہ اب مجھکو زیادہ تر امید اس بات کی پیدا ہو گئی ہے۔ کہ سلطان عبد الحمید اس گیارہوین
گھنٹہ یعنے ساعت آخر مین بھی شاید اوس مذہبی اصلاح کے جوش تحریک کی افسری
و پیشوائی پر۔ منتخب ہو سکتے ہین۔ کہ وہی ایک ذریعہ اونکی شہنشاہی کو اور اونکی خاص
حالت کو اسلام مین محفوظ رکھنے کا ہے۔ جب مین ان حالات کو یاد کرتا ہون۔ جن مین
عجیب عجیب امیدون اور جوش مسرت کے ساتھ مین نے بمقام قاہرہ اس کتاب کا پہلا
دیباچہ لکھا تھا۔ تو نہایت رنج والم مجھپر طاری ہو جاتا ہے۔ اوسوقت میرے چارون
طرف جو دنیا تھی۔ وہ زندہ دلی سے بھری ہوئی تھی۔ اور اسلام کی شام غم مبدل بہ صبح مسرت
ہوتی نظر آتی تھی۔ مین اس خیال مین دیباچہ لکھ رہا تھا۔ کہ مین مذہبی آزادی کی آب و ہوا مین سانس لیتا
ہون جسکا پتہ صدیون سے مسلمانون کے خیالات مین نہ ملتا تھا۔ اور یہ سمجھ رہا تھا کہ چند برسون مین
بلکہ شاید چند مہینون مین مین خود اپنی آنکھون سے دیکھ لونگا۔ کہ ازہر کی یونیورسٹی نے اپنی قدیمی
شوکت و عظمت پھر حاصل کر لی اور تمام دنیا کے لئے روز افزون ترقی کرنے والے علوم دینیہ کی
مرکز بنگئی۔ مگر افسوس! وہ سب امیدین خواب و خیال ہو گئین۔
افسوس! ہمکو بہت صبر کرنا پڑا اور بعوض متمتع ہونے کے انتظار کرنا پڑا۔ تاہم یہ بات بیوقوفی
کی ہوگی۔ کہ بوجہ مذکورہ ہم اخیر نتیجہ کی نسبت ناامید ہو جائین۔ اور بلاشبہ جو باتین بہروسہ کے
ساتھ مین نے اسوقت کہین تہین انمین سے ہرگز ہرگز اونکو نہین چھوڑتا۔ اب بھی مجھکو اسلام کی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ مسٹر ولفرڈ بلینٹ

ان مضامین سے جو (لنڈن کے پندرہ روزہ رسالہ) فورٹ نائٹلی ریویو کے لئے ۱۸۸۱ء کے موسم گرما و خزان (یعنی از مئی تا غایت اکتوبر) میں لکھے گئے تھے ایک زیادہ مستقل اور مستند تصنیف کی ابتدائی خاکوں اور تمہید کا کام لینا مقصود تھا اور خود اس تصنیف کی نسبت مجھے امید تھی کہ شائع کرنے سے پہلے میں اسکو فرصت کے وقت مکمل کرلوں گا اور اسے ایسی شکل میں تیار کروں گا جو اس اہم مضمون کی جسے میں نے پسند کیا ہے شان کے شایان اور لائق نکتہ چینوں کی نظر میں مقبول ہونیکے قابل ہوگی مگر واقعات اس تیزی سے ظہور میں آئے ہیں کہ اوس کی مطلقاً امید نہ تھی اور یہ امر میرے لئے ضروری ہوگیا کہ جس خیال کی توضیح وتشریح کیلئے یہ مضامین لکھے گئے تھے اسکی کامل اشاعت فی الفور کردی جائے۔ ٹیونس پر حملہ آور ہوتے ہی فرانسیسیوں[١] نے شمالی افریقہ میں اسلامی تحریکات کو توقع سے پیشتر پیدا کردیا ہے مصر[٢] قومی و مذہبی اصلاح کی کوشش عظیم کے لئے بیدار ہوگیا ہے اور دنیا کی تمام اطراف میں اسلام پولیٹیکل عناصر سے جنکی طاقت دن بدن بڑھتی چلی جارہی ہے متحرک ہوتا دکھائی دے رہا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میرے ہموطنوں کو تھوڑے ہی دنوں میں ہندوستان میں اس بات کا قطعی فیصلہ کرنا پڑیگا کہ آیا وہ اس مذہبی مستعدی

---

[١] ٹیونس و فرانس کے مضمون پر مصنف نے اصل کتاب میں کسیقدر مفصل بحث کی ہے اسلئے توضیح مطلب کے لئے ضروری حواشی اس موقعہ پر دئے گئے ہیں۔ مترجم

[٢] یہ واقعات کامل انگریزی قبضہ مصر سے پہلے کے ہیں۔ مگر یہی بیداری چند ماہ ہی کے عرصہ میں اس قبضہ کا باعث ہوئی کیونکہ جیسا کہ خود مسٹر بلنٹ اسی دیباچہ میں آگے جاکر لکھتا ہے مصر کے علماء و حامیان وطن (عرابی پاشا) وغیرہ نے یہ کوشش صرف اپنے زور بازو کی گھمنڈ پر سلطان المعظم کی کوئی اعتبار رکھے یا ان سے استمزاج کرنیکے بغیر کی تھی۔

حالت آیندہ پرویسا ہی اعلےٰ درجہ کا یقین اور بہروسہ ہے۔ جیسا کہ سنہ ۱۸۶۲ء کی فصل بہار مین تہا۔ اور اگرچہ لوگون کو نخل امید سے پہل پانے مین کچہہ تاخیر ہوگئی ہے۔ لیکن مین بیدل نہین ہون۔ گو سر دست ناکامی ہوئی ہے۔ لیکن ہمکو خدا پر بہروسہ اور یقین رکہنا چاہیئے۔ الحق یعلو ولایعلی۔ دلفرڈ اسکاون بلنٹ۔ کلکتہ یکم جنوری سنہ ۱۸۸۴ء

اب مجہے صرف یہ گذارش کرنا ہے۔ کہ کتاب کے آخر مین انہی صاحب کے ایک اور مضمون کا ترجمہ بہی بطور ضمیمہ ایزاد کردیا گیا ہے۔ جو آپنے ہندوستان کی سیاحت کے مشاہدات کی بنا پر یہان کے مسلمانون کی حالت اور انگریزی حکومت کی پالیسی پر لکھا تہا۔ اسکا مطالعہ بہی ناظرین دلچسپی سے خالی نپائینگے۔ مسٹر ولفرڈ نے ہندوستان مین کئی جگہہ لکچر بہی دیئے تہے۔ اونکی خواہش اور کوشش تہی۔ کہ لکہنو مین مسلمانون کا ایک عالیشان مدرسہ قائم ہو۔ وہ علیگڈہ کالج سے مطمئن نہ تہے۔ اونکی کوشش توکامیاب نہ ہوئی۔ مگر چند سال بعد ندوۃ العلما کی مساعی سے لکہنو مین ایک ویسے ہی کالج کی بنیاد ابتدائی درجونکی صورت مین قائم ہوجانے سے انکی تمنا کے پورا ہونے کے کچہہ آثار دکہائی دینے لگ گئے ہین۔ مسٹر بلنٹ کی نسبت یہ عام خیال ہے۔ کہ یمن مین ترکی حکومت کے برخلاف متواتر بغاوتون کے برپا ہوتے رہنے مین اونکی کوششون کا بہی بہت کچہ دخل ہے لیکن درحقیقت یہ خیال صحیح نہین مسٹر بلنٹ آزاد خیال اور آزادی پسند شخص ہین۔ اور چاہتے ہین۔ کہ ہر جگہہ رعایا کو معقول حقوق حاصل ہون۔ اور محض اسیوجہ سے وہ یمن کر ترکی عمال کی اسیطرح مذمت کرتے رہے ہین۔ جسطرح کہ ہندوستان و مصر کے انگریزی عمال کی کارروائیون پر بڑی دلیری اور سختی کے ساتہہ نکتہ چینیاں کرتے ہین۔ لیکن جسطرح وہ اپنی قوم اور حکومت کے دشمن نہین۔ بلکہ صرف ناصح ادیب ہین۔ اونکا وہی انداز ترکی حکومت کے متعلق ہے۔ پچہلے سال آپنے لارڈ کرومر اور انگریزی فوجی افسران مقیم مصر کے برخلاف ایسی سختی اور وضاحت کے ساتہہ ولایت کے اخبارات مین مضمون لکہے کہ اتنک اوس سی جو تہا حصہ سختی سے بہی کسی ترکی گورنر یا عامل کے طرز عمل پر جرح قدح نہین کی۔ وہ اصلاح کے حامی ہین۔ اور بس۔ چنانچہ گذشتہ تین سال سے یمن مین سلطان المعظم کی توجہ سامی سے حالت بالکل اطمینان دہ ہوجانے سے مسٹر مذکور کو یقینًا سچی خوشی حاصل ہوئی ہوگی۔ والسلام مع الاکرام۔ راقم خاکسار رنیدہ محمد انشاء اللہ اڈیٹر وطن لاہور

(از دفتر حمیدیہ ایجنسی لاہور مورخہ ۱۵ - فروری سنہ ۱۹۰۴ء)

طفیل ترکی مداخلت سے محفوظ ہوکر ازھر کے علماء دل و جان سے اصلاح کی خواہان جماعت کیساتھ شامل ہوگئے ہیں۔ اس واقعہ کو جسقدر اہم کہا جائے تھوڑا ہے۔ اور اگر جیسا کہ ہوجانا اب اغلب معلوم ہوتا ہے ایک آزاد مسلمان قوم وادی نیل میں آزاد خیال اسلامی حکومت بالاستقلال قایم کرے تو اسمیں کوئی شبہ نہیں کہ گویا کل اسلام کی پولٹیکل اور معاشرتی اصلاح کی بنیاد قایم ہوجاوے گی اور سب سے زیادہ ڈھارس بندھانیوالی علامت یہ ہی کہ مصر کے لیڈروں ۔
اور سرگروہوں نے خلافت کے مسئلہ کے متعلق نہایت اعتدال مرعی رکھا ہی۔ اس جماعت نے مخالفت کو نظر انداز کرکے فقط آزادی کو اپنا مدعا ٹھہرایا ہے۔ اور اس نے اسلام کی دیوار میں کوئی نیا رخنہ پیدا نہیں کیا نہ پیدا کرنیکا ارادہ رکھتی ہے (مولانا عبدالحمید خان برابر اب تک واقعی امیرالمومنین تسلیم کئے جاتے ہیں اور نسبتاً زیادہ جائز اور مستحق تر خلافت کا مکرر قیام اُس دن پر ملتوی کیا گیا ہی جبکہ عثمانیہ سلطنت (ابدھا اللہ الی انتہاء الدوران) کی اجل اسکا خاتمہ کردے مصریوں کی یہ روش نہایت سنجیدہ ہی اور انکو ایسا ہی کرنا چاہیئے بھی تھا۔ اختلاف مذہب کے جہاز کو جسکے پیچھے پہلے ہی ہزاروں دشمن لگے ہوئے ہیں کمزور کرنیکے سوا اور نتیجہ کارآمد ہوتا مصر یا عرب میں مخالف خلیفہ کی قبل از وقت نمود ہی خواہ یہ مدعی خلافت برتے حسب نسب اس عہدہ کا کیسا ہی مستحق اور جائز امیدوار کیوں نہ ہو اسلامی دنیا کو دو مخالف لشکروں میں تقسیم کردے اور اس طرح سے کل اسلام کو ضعف پہنچانے اور بدنام کرنیکا باعث ہوجاسے تاہم دیگر وجوہات سی سلطنت عثمانیہ کا خاتمہ بالخیر ہونے تک آزاد خیال جماعت کو نشو ونما کے لیئے کافی مہلت اور میدان میسر ہوگا۔ اور وہ اون تمام ممالک میں جہاں عربی زبان بولی جاتی ہے۔ اور اُن تمام قوموں میں جو جامع ازہر کو اپنے علوم و فنون کا مرکز سمجھتی ہیں اپنا اثر پھیلانے میں مشکل ناکامیاب رہ سکتی ہے اسی غرض کا حاصل ہوجانا نمایاں کامیابی ہے۔ اور پھر یہ کامیابی غالباً چند ہی برسوں کے صبر و تحمل سے نسبتاً زیادہ عام فتح و کامیابی کے ساتھ متبدل ہوسکتی ہی اسوقت اسمیں بہت تھوڑا شبہ ہوسکتا ہے کہ عبدالحمید (بخاک برروئے دشمنانش وابداللہ بالدین) کی وفات یا سلطنت سی اوسکی علیحدگی خلافت کے پھر قاہرہ میں قایم ہونے اور عربوں کے ہاتھ سے نکلی ہوئی یا گم کردہ مذہبی صدارت کو از سرنو باقاعدہ طور پر قائم کرنیکا پیش خیمہ ہوگی۔۔

سلہ تونس کی [illegible] تحت نہ ہو۔ مگر بیان بالخصوص ترکوں سے آزاد ہونا مراد ہے۔ مترجم

ثلہ مسٹر بلنٹ کا یہ پوشیدہ ایما ادب اثر نہیں رہا۔ امیرالمومنین کے حسن لیاقت و تدبر کو دیکھتے ہی اعدادین و ملت کی بیزاری و داخلی خرخشہ پیدا کرکے اوکو معزول کرا دینے کیلئے پس پردہ کوششیں شروع کردی گئی [illegible] ۱۹۰۲ [illegible] میں علی رؤس الاشہاد اس کا اظہار کردیا گیا کہ [illegible] جبراً کہ سلطان کو تخت سے علیحدہ کردیا جاوے۔ مگر ان گمراہوں کو اپنی پولیسی کی غلطی اور [illegible] خلافت کی قدرت و طاقت کا جلد ہی پورا علم ہوگیا اور اپنا سا منہ لیکر رہ گئے۔ مسٹر بلنٹ کو خصوصیت کیساتھ اس کی نسبت مسلمانوں اور اسلام کی ظاہر [illegible] کی [illegible] اور بعد [illegible] نہ لیے از [illegible] لکھتے وقت باوجود قرآن دانی کے دعوی کے یہ ارشاد ربانی یاد نہیں رہا یریدون لیطفؤا نور اللہ بافواہہم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون

کی موج کو جو مشرق کی طرف بڑہی چلی آرہی ہے اپنے قابو میں کرکے اوسکی راہنمائی کرینگے
یا اوس موج کے سامنے خود بیحس و حرکت رہکر اپنے آپکو اوسکی بہاؤ پر چہوڑ دین کہ جدہر وہ چاہے
اونکو لے جائے۔ میرے خیال میں کم از کم اس مسئلہ کی بڑی بڑی فروع سے جو ان کے پیش نظر
موجود رہے واقفیت حاصل کرنا بہت ضروری ہے موجودہ زمانہ کے دیگر ممالک کی تاریخ کے
بڑے واقعات سے اسلئے چشم پوشی کرنا کہ ہماری روزمرہ کی معاشرت کو اون سے کوئی قوی
تعلق نہیں ہے ایک بڑی قوم کی شان کے شایان طریق عمل نہیں ہے اور جبکہ انگلستان
ایسے ملک میں جہان معاملات ملکی کا سرانجام عام رائے کی راہبری پر منحصر ہے یہ روش
سخت مصیبت برپا کئے بغیر نہیں رہسکتی۔ اسے کبھی فراموش نہ کرنا چاہئے کہ موجودہ
سلطنت برطانیہ جو ایسا مجموعۂ اقوام ہے جسپر ایک دور دراز جزیرہ کی عام رائے حکومت
کر رہی ہے ایک ایسا تجربہ ہے جو تاریخ عالم میں بالکل نیا ہے اور سلطنت مذکور کا وجود اعلیٰ
درجہ کی بیدار مغزی اور لیاقت کا متقاضی ہے۔ اسکے ساتہہ ہی اس امر کو سر دست مد نظر
رکہنا لازمی ہے کہ کسی سلطنت پر آجتک زندہ حکمت عملی[1] کے بغیر حکومت نہین ہوسکی
بنابریں میں نے اس کتاب کو باین امید کہ شاید یہ قوم کو اوس کے انتخاب میں راہبری کرنیکا کام
دیسکے بلا توقف مزید اس نامکمل اور ادہوری صورت میں شائع کردینے کا ارادہ کرلیا۔ اور گو
مجہے بخوبی علم ہے کہ اسمیں بحث کو درست اور مکمل ہونیکے متعلق کئی نقص موجود ہیں تاہم مجہے
امید ہے کہ جو تصویر میں نے کہینچی ہے ناظرین اسکی عام صداقت کو مد نظر رکہہ کر اون نقصوں
سے درگذر کر جائیں گے ✥

ان مضامین میں سے آخری مضمون کو تحریر کرنیکے بعد میں مصر کو واپس چلا گیا اور یہاں پہنچکر مجہے
معلوم ہوا کہ جن خیالات کی نسبت مینے مجملاً پیشینگوئی کی تہی کہ جامع ازہر کے چند آزاد خیال علماء
ایسی آرزو رکہتے ہیں اون کے مطابق فی الواقع عملدرآمد شروع ہوگیا ہے اور اپنی پیشینگوئی کے
اسقدر جلد پورا ہو جانے سے مجہے بہت خوشی ہوئی۔ قاہرہ اب ترقی کنندہ اور آزاد خیال علماء کا گہر اور یہانکی
یونیورسٹی (بیت العلوم) اسلامی فقہ کا پہر دوبارہ مستقل اور قائم بالذات مرکز ہوگئی ہے۔ عربوں کی قومی تحریکات

[1] یعنی صرف ایک ہی حکمت عملی پر کاربند رہنے سے کبہی سلطنت نہیں قائم رہتی بلکہ ایسی حکمت عملی سے جسمیں
حسب اقتضائے وقت و ضرورت تغیر و تبدل ہوتا رہے اُس لحاظ سے اسے استعارۃً زندہ حکمت عملی کہا جاتا ہے کیونکہ
نشوونما اور تغیر و تبدل صرف جاندار میں ہوسکتا ہے مردہ یا بیحس چیزیں ان باتوں سے مستغنی ہوتی ہیں۔ مترجم

مستقبل اسلام

فصل اول

اسلامی دنیا کی مردم شماری سنج

اس حالت سکون میں جو انگلستان میں فریقانہ جھگڑوں کے عنقریب طوفان برپا ہونیکا پتہ دے رہی ہے
عام لوگوں کی توجہ کو اُن سوالات کے بسرعت پیدا ہوجانیکی طرف ہونا چاہیے جو گزشتہ برسوں سے ایشیا کے
مذہبی خیال کے لوگوں کو متحرک کر رہے ہیں اور جو جلد ہی انگلستان کے مدبرین کو بھی سخت مشکل پیچیدگی
میں یقیناً ڈالنے والے ہیں منعطف کرنا غالباً ناممکن ہوگا۔ یہ سوال ایسے ہیں کہ اگر اونکی طرف بروقت توجہ
نہ کیگئی تو بعد میں انکا سلجھانا اختیار سے بالکل باہر ہوجائیگا حالانکہ اسوقت ریاست اور سیاست حکمت عملی اونکو مطلع
اسلامی دنیا میں جو نئی زندگی پیدا ہو رہی ہے وہ فی الواقع اس قابل ملحوظ رہا۔ تاہم یہ امر بغور دیکھے
یہ ماننا مشکل ہے کہ اُن لوگوں نے جو بڑے بڑے منصب زیادہ تر ایشیا کے معاملات کے ذمہ وار ہیں جن معاملات
پر کامل غور و فکر نہ کیا ہوگا۔ مگر اس بات کا مجھے علم نہیں ہے کہ آیا یہ مسئلہ اپنی اصلی شکل میں ابتک انگریز
قوم کے روبرو پیش کیا گیا ہے یا یہ اعتماد کیا جاسکتا ہے کہ آیا موجودہ مجلس وزراء نے اسکے متعلق کوئی
پختہ پالیسی قائم کرلی ہوئی ہے؟ جہاں تک مجلس وزراء کا تعلق ہے میری رائے میں مشتبہ حال اسکے برعکس
معلوم ہوتی ہے اور غالباً اس نے کوئی مستقل حکمت عملی نہیں سوچ رکھی کیونکہ ہم انگریز
اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ ہمارے مدبر ایسی حکمت عملیوں کے اختیار کرنے سے جن پر ہمارے دشمن محض
دقیانوسی خیالی ہونیکا الزام لگا سکیں اپنا پہلو بہت بچائے رکھنا چاہتے ہیں۔ علاوہ بریں یہ بھی بالکل
قرین قیاس ہے کہ اس مسئلہ کی عظمت و وسعت سے بھی ڈر کر جسکا حل کرنا اسلام کی حالت آئندہ
پر غور کرتے وقت ضروری ہوجاتا ہے انہوں نے اسکو حسب معمول یہ کہہ کر خارج از بحث کردیا ہو

مسلمانوں سے بھی معافی مانگنا مجھپر واجب ہے اون کے ممالک میں اجنبی اور مسافر ہونیکے باوجود میں نے اونکی خانگی رنج و آلام کی وضاحت کرنیکی جرأت کی ہے اور وقتاً فوقتاً اُن کے مذہب کی بابت بھی (حالانکہ میرے ہاتھ اُن کے نزدیک نجس و ناپاک ہیں چھوا ہے (یعنے اُن کے مذہب کے متعلق بھی بحث کی ہے) مگر میری نیت اول سے آخر تک نیک اور پاک و صاف رہی ہے۔ یہ تو ظاہر کر بتانے کی کیا ضرورت تھی۔ مترجم) اور مجھے کامل یقین ہے کہ وہ اُس ہمدردی کے طفیل جو میری ایک ایک سطر سے اُن کے ساتھ ظاہر ہو رہی ہے مجھے معاف کر دینے سے دریغ نہیں کرینگے جینے عنقریب زمانہ آئندہ میں اُن پر سخت ترین پولٹیکل تباہیاں وارد ہونیکی پیشینگوئی کی ہے کیونکہ میرے خیال میں روحانی نشو و نما کیلئے وہ ضروری مرحلہ ہیں۔ مگر باینہمہ مجھکو اسلام پر نہ فقط اوسکے روحانی بہتری کے انتظام بلکہ دنیاوی امور میں بھی اسکی برتری اور کارآمدگی پر پورا بھروسہ ہے۔ یہ عرب قوم کا تحفہ اور ورثہ مسلمانوں کی شائستہ ترین اور مہذب ترین ضروریات کو پورا کرنیکی قابلیت رکھتا ہے اور مجھکو یقین ہے کہ وہ وقت آنیوالا ہے جبکہ وہ پھر مالک ملک و دیار اور صاحب اقتدار و اختیار ہو جائیں گے گو یہ امر آئندہ سے تعلق رکھتا ہی۔ درنحالا اُنکی موجودہ حالت کے متعلق بخیال خود حق الامر بیان کر دینے سے میں اپنے زعم میں اُنکی بہت بڑی خدمت کر رہا ہوں۔ اُنکی دنیاوی سلطنت کے دن ایکطرح سے مطلقاً گذر چکے ہیں البتہ معاشرتی آزادی اُنکے لئے سلطنت سے بہتر ہے اگر زمانہ انکے لئے ابھی موجود ہے مسلمان اگر شائستہ اصلاح یافتہ اور باہم متفق ہو جائیں تو اونکو اپنے ابتدائی مساکن یعنی عرب مصر اور شمالی افریقہ میں اپنے ملکی اقتدار کی تباہی کا کوئی اندیشہ نہیں رکھنا چاہیئے اور بھلے دن پھر نہ تک ملک اونکو دار الاسلام کا کام دینے کیلئے کافی ہیں اگر میں اونکی اس آزادی کے قیام و سلامتی میں کسیطرح کارآمد ہو سکوں تو اون کو یقین رکھنا چاہیئے کہ میں اپنے امکان بھر دریغ نہیں کروں گا اور اپنے ان پہلے مضامین کی اشاعت سے بڑھکر کسی اور قابل ترین اور شائستہ طریق سے اپنی صداقت کو ثابت کر دکھاؤنگا۔ مقام قاہرہ - ۱۵ جنوری ۱۸۸۲ء ولفرڈ بلنٹ

فہرست مضامین

لہ صاحب ممدوح نے ترکوں کے برخلاف اہل یمن کو برانگیختہ کرنے اور پھر اونکو حصول آزادی کیلئے مستعد رہنے اور مدد دینے سے اپنی صداقت کو بیشک کئی دفعہ ثابت کر دیا۔ خدا اونکو جزائے خیر دے۔ کیونکہ گو عرب طرابلس کے بیچارے عرب ابھی تک ظالم ترکوں کی محکومی میں گرفتار ہیں۔ مگر صاحب ممدوح نے تو اپنی طرف سے کوئی کوشش باقی نہیں رکھی تھی البتہ مصر و شمالی افریقہ وغیرہ کو اون کا مشکور رہنا چاہیئے کہ گو وہ کامل آزاد نہیں ہیں مگر انگلستان اور دیگر فرانس کے قابض ہیں ہے گو کچھ بے اصول و ظالم ترکوں کی غلامی اور حکومت سے شائستہ و مہذب ترین یورپین اقوام کی محض مشفقانہ نگرانی و ہمسایانہ نا صحکاری - ۱۲

حج کے موسم میں جدہ ایک عظیم دار السلطنت کا معلوم قصبہ ہو جاتا ہے۔ اور اوسوقت اگر کوئی یورپین اجنبی وہان موجود ہو تو اُسے بھی محسوس ہو جاتا ہے کہ اب میں ایسے مقام پر نہیں ہون جہان کے باشندے کے خیالات پست ہون اور جہان مقامی دلچسپی کی باتون کے سوائے اور کوئی تذکرہ نہ ہوتا ہو۔ عرف جس پالیٹکس پر وہ بحث مباحثہ ہوتا ہوا سنیگا وہ مقامی نہیں ہوگا۔ بلکہ کل دنیا کے معاملات کے متعلق ہوگا۔ جس مذہب کی وہ تعمیل ہوتی ہوئی دیکھے گا۔ وہ اس اسلام سے زیادہ وسیع ہوگا جس کے دیکھنے کا وہ ٹرکی یا ہندوستان میں عادی ہو رہا تھا۔ ان ہر ایک قوم و زبان اور ہر ایک فرقہ کے لوگ اُسے ملینگے مثلاً ہندوستانی ایرانی۔ مور (باشندگان مراکو و الجزائر)۔ علاقہ دریائے نائیگر واقع مغربی افریقہ کے حبشی، جاوا کے ملائی۔ ترکستان کے تاتاری۔ صحرائے اعظم کے سنوسی۔ علاقہ عمان اور زنجبار کے عرب حبشی اور دور دراز چین کے مسلمان جو شکل و شباہت اور لباس میں اس آسمانی بادشاہت[۱] کی دیگر رعایا سے تمیز نہیں ہو سکتے وہان موجود پائے جائینگے۔ ان لوگون کو جدہ کے بازار و گلیوں میں پھرتا ہوا دیکھکر انسان کے خیالات یکلخت اسلام کی نسبت بہت وسیع ہو جاتے ہیں۔ اور مسٹر ہرلی بروون[۲] کا اس کی تصدیق خود بخود ہو جاتی ہے کہ "اسلامی دنیا بیشک اوس سے بہت بڑی ہے جتنی کہ ماہران جغرافیہ نے بیان کی ہے"۔ جدہ کی مستقل آبادی بھی اسلام کا عالم صغیر ہے۔ اسمیں ہر ایک قوم کے لوگ جو آسمان کے تلے آباد ہیں شامل ہیں۔ اصلی سکنائے ملک یعنی عربون کے علاوہ جنکی زبان اور طرز خیالات وو سومین بھی پھیل گئے ہیں۔ ان بیشمار مختلف الاقوام حاجیون کی اولاد جو مقدس مقامات میں رہائش پذیر ہو کر وہیں فوت ہو گئے آباد ہے۔ یہ لوگ ایک یا دو پشتون تک اپنی قومیت اور اپنے اصل وطنون اور ابنائے وطن سے کسی قدر تعلق قائم رکھتے ہیں۔ اور اس طرح سے جدہ میں دنیا کے تمام واقعات کی خبرین مسلسل پہنچتی رہتی ہیں۔ اور بازار میں اسلامی دنیا کے ہر ایک گوشہ کی مفصل خبرون کا چرچا رہتا ہے۔ اسمیں مطلقاً مبالغہ نہیں کہ موجودہ اسلام کے متعلق جسقدر جدہ میں ایک ہفتہ کے اندر سیکھا جا سکتا ہے اسقدر کسی اور جگہ میں ایک برس میں بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہان کے لوگ کلیةً ایک روحانی مسائل اور معاملات پر بحث مباحثہ کرتے ہیں۔ وہ آب وہوا اور صحبت کی تاثیر سے یورپین ممالک کے عیسائی تائب و تصلیین کے لئے بھی جو یہاں مامور ہیں پیشینگوئیان کرنا معمولی بات ہو گئی ہے جو حجازی دیگر ممالک کے مسلمانون کی نسبت مذہبی معاملات پر بحث کرنے سے کم شرم کرتے ہیں۔ مذہب گویا اون کے سرمایہ تجارت کی ایک جزو ہے۔

[۱] چینی اپنی سلطنت کو آسمانی بادشاہت اور اپنے شہنشاہ کو آسمانی نژاد سمجھتے ہیں۔ مترجم)

[۲] ایک اعلیٰ پایہ کا انگریز طبیب اور فلاسفر [illegible] میں اوس نے مشہور آفاق کتاب طبی فرائض کی شائع کی اور چار رسال بعد کتاب "عوام کی غلطیاں" مشتہر کی۔ [illegible] میں مقام لندن پیدا ہوا اور [illegible] میں بمقام نارِچ فوت ہوا۔

کہ یہ سوال عالی پالٹیکس (ایسی تدابیر سلطنت جو محض خیالی ہی نہ ہوں بلکہ جن کا وقوع میں آنا قرین قیاس
اور جو عمل میں لائے جانیکی قابلیت رکھتی ہوں) کے دائرہ سے باہر ہے"۔ یہ بہانہ خوب سہل ہے۔ اور
جو وزیر یا منصب اقتدار اہم مسائل کے تصفیہ کی ذمہ داری یا تکلیف سے بچنا چاہتے ہیں۔ وہ اکثر اس
فقرہ کو استعمال کرکے اپنی خلاصی کرالیتے ہیں۔ لیکن وزراء و مدبرین خواہ لاکھہ کنارہ کشی کریں یا لاعلمی ظاہر
کریں اسمیں کوئی کلام نہیں کہ بیداری مسلمانان عالم کا مسئلہ ایک نئی اور نہایت اہم صورت میں موجود ہو
جس نے یہ پایا کہ جسے چند برسوں میں مغربی ایشیا کی مسلمان آبادی سے اکثر ملنے کا اتفاق ہوا ہوگا وہ اسکی
خوب تصدیق کردیگا۔ یہ آسانی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ انقلابات عظیمہ عنقریب وقوع میں آنیوالے ہیں۔
یہ انقلاب زیادہ تر ان تغیرات کے مشابہ ہیں جو چار سو برس ہوئے (۱۴۰۰ء) یعنی جبکہ یورپ کے عیسائی ممالک جنہیں ابتدا نکلکر
ترقی کے میدان میں بالاستقلال داخل ہوئے مترجم، عیسائی دنیا میں واقع ہوتے تھے۔ اور یہ بھی بالبداہت
ظاہر ہے کہ اگر انگلستان اور چند برسوں کے لیے بھی ایشیائی ترقی کے مارکٹ سے باہر ہونیکی موجودہ حیثیت کو
قائم رکھنا چاہتا ہے۔ تو اسے لازمی طور پر نئی حکمت عملی اختیار کرنی پڑے گی۔[1]

میں گذشتہ موسم سرما کے اوائل میں بھی یہ جدہ گیا اور پھر بعد ازاں مصر اور شام میں کئی ماہ تک صرف
مسلمانوں کی صحبت میں رہا کہ ان مقامات پر مجھے اور جگہ کی نسبت بیداری مسلمانان اسلام کی بابت
کے متعلق زیادہ درست اطلاع اور واقفیت بہم پہنچ سکیگی۔ میں نے سوچا کہ جدہ جو کہ مکہ معظمہ کا بندرگاہ اور
اسلامی دنیا کے اس مشہور مرکز سے صرف چالیس میل کے فاصلہ پر ہے۔ کل مسلمانان عالم کی سرسری کیفیت
معائینہ کرنے کے لیے جیسی کہ میری خواہش ہے سب سے عمدہ مقام ہوگا۔ میرا یہ خیال درست ثابت ہوا۔ مجھے
یہ بات بغداد و قاہرہ یا قسطنطنیہ میں کبھی حاصل نہ ہوتی۔ کیونکہ وہ گو بڑے بڑے شہر ہیں مگر تمدنی مسلمانوں
کا مجمع ہیں اور ساتھ ہی آبادی اس قدر محدود ہے کہ کل کو آسانی سے سرسری نگاہ سے دیکھا جائے

---

[1] افسوس مصنف نے اس فقرہ کو مبہم لکھا ہے۔ وضاحت نہیں کی کہ وہ نئی پالیسی کیا ہونی چاہیے لیکن اس میں
کلام نہیں کہ گورنمنٹ انگلشیہ نے پالیسی نئی طرز اختیار کرلی اور سلطنت عثمانیہ کی مخالفت کی دیرینہ پالیسی کو
چھوڑ دیا اور غالباً مسٹر بلنٹ ہی کی مخالفانہ پالیسی کے متقاضی تھے کیونکہ انہوں نے جہاں تک مترجم کو علم ہے اس نئی
پالیسی کی کبھی مخالفت نہیں کی۔ بہرحال خواہ گورنمنٹ مسٹر بلنٹ کے مشورہ پر کاربند ہوئی اور خواہ مسٹر موصوف نے
گورنمنٹ کا منصوبہ پالیسی سمجھ کے خیالات ظاہر کیے ۱۹۱۲ء لغایت ۱۹۱۳ء کے واقعات نے مسٹر بلنٹ کی خواہشوں کو اچھی طرح سے ظاہر کردیا
اور اگر اسی پر عمل کیا جاتا رہا تو مسٹر بلنٹ کی اصلاح یا خلافت کے لئے خطرات عدیدہ پیدا کرنیکا موجب ہوتی رہیگی۔ مترجم

متعلق جو امیدیں میرے دل میں تھیں وہ پوری ہوگئیں اور جن امور میں چاہتا تھا مجھے واقفیت حاصل ہوگئی صرف واقفیت ہی نہیں بلکہ توقع سے بڑھ کر کچھ اور بھی حاصل ہوگیا جس فضا میں مجھے بوسیدگی کے سوا اور کچھ نہ پانیکی امید تھی وہاں میں نے تازگی خیال اور دنیا کے بالکل نئے سمندر پائے۔[1] میں اسلام کی صحت اور مستعدانہ صحت موجودہ انیسویں صدی میں اسکی یعنی مسلمانوں کی آمال عقل امیدوں اور اندیشوں اور سب سے بڑھ کر اسکی فی الواقع اخلاقی طاقت کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ یہ درست ہے کہ میں مسلمانوں کو ایسا مردہ نہ سمجھتا تھا کہ اون کی تباہی و نکبت پر تمسخر اڑانے کیلئے جدہ گیا تھا تاہم میں اونکو ایسا مضبوط پانے کی بھی امید نہیں رکھتا تھا کہ مجھے (ان سے عیسائیوں کی سلامتی کیلئے) دست بدعا ہونا پڑیگا۔ الغرض میں اہالی جدہ کو اس معرکہ عظیم میں جو میرے خیال میں اسلام کی مقلد اور مصلح جماعت میں عنقریب واقع ہونیوالا ہے اور جس سے مفید نتیجہ مترتب ہونگے مجھے کچھ امید نہیں ایسے شوق و شغف کیساتھ شریک ہونے کا خواہاں چھوڑ کر وہاں سے رخصت ہوا کہ مجھے کبھی اسکی نسبت ایسا خیال تک نہیں ہو سکتا تھا۔ اب میں اسپر بحث کرنا چاہتا ہوں کہ وہ نتیجہ غالباً کیا ہوگا +

مگر میرے خیال میں اس سے پہلے اسلامی دنیا کے واقعی عناصر و اجزاء کا مجمل بیان بے محل نہ ہوگا جن عناصر سے اسلام مرکب ہے۔ ان کا علم ہونے پر ہی ہم آئندہ کیلئے کچھ درستی کے ساتھ قیاس کر سکتے ہیں اور ان عناصر کی نسبت جیسی کہ چاہیئے (ہمارے ملک میں) عام واقفیت نہیں پائی جاتی۔ یورپین اجنبی جو اس حالت کو جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں اس مذہبی دنیا کی وسعت کو دیکھ کر جس کے مرکز میں وہ کھڑا ہوا ہے بے اختیار حیرت زدہ رہ جاتا ہے۔ اہالی یورپ کی نگاہ میں اسلام محض عثمانیہ سلطنت کی حدود سے گھرا ہوا معلوم ہوتا ہے اور اون کے زعم میں ان سے باہر اسلام کا وجود بالکل ضعیف ہے۔ یا مطلقاً ہی نہیں۔ چونکہ ہم کو اپنے سامنے صرف ترک کھڑے دکھائی دیتے ہیں جہاں تک وہ بایزید یلدرم کے زمانہ سے تنے ہوئے کھڑے ہیں۔ اور نیز عوام الناس کے روزمرہ میں ابتک ترک مسلم کا مرادف ہے۔ ہم فی الفور اسکی نسبت

[1] ۔ دوسرے لفظوں میں اسکا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ میں تو مسلمان کو مردہ سمجھے ہوئے تھا۔ یہاں نہ صرف انکو زندہ بلکہ صحت ور پایا مجھے خیال تھا کہ اب عیسائیت کے عین عروج یعنی اس انیسویں صدی میں کہ جبکہ چاروں طرف عالم میں مسیح کا نقارہ بج رہا ہے کیا مسلمانوں میں ایسی سکت ہو سکتی ہے کہ اون کو ایسی امیدیں اپنی بہتری کی اور ایسے اندیشے اپنی بربادی کے متعلق ہوں۔ ہی بیہودہ لوگوں کی امیدوں کی طرح باطل خیالی نہ ہوں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اونکو اس پولیٹیکل ادبار کے زمانہ میں مجھے کبھی امید نہ تھی کہ اخلاقی جرأت و طاقت کا ان میں نام و نشان تک رہ گیا ہوگا۔ مگر خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم۔ (مترجم)

اور وہ سوداگری کے مال کی طرح اجنبیون کے سامنے اوسکی نمائش کرنے کے عادی ہیں۔ فرق صرف اسقدر ہے کہ یورپین لوگون کے سامنے وہ ذرا اسیقدر تجارت آمیز طرز میں یہ نمائش کرتے ہیں کیونکہ یہان اکثر دوسرے مقامات کیطرح اونکو یورپین لوگون کی خوشامد کی احتیاج نہین ہوتی ہے نمائش انکی طبیعت ثانی ہوگئی ہے۔ ایک اور اہم امر یہ ہے کہ مزید بران اہالی جدہ جو بالعموم تجارت پیشہ ہیں مذہبی مسائل کا صرف عملی پہلو لیتے ہیں۔ وہ ہر ایک چیز کو اعتقادی نگاہ کی بجائے سیاسی (پولیٹیکل) اور تمدنی پہلو سے دیکھتے ہیں۔ اور اگر اون میں کبھی تعصبانہ جوش بھی پیدا ہوتا ہے تو اوسکا باعث صرف وہی موجب ہوتے ہیں جنہوں نے ایک دفعہ باشندگان قصبہ افی سس[1] کو اپنے اصنام و معابد کی پرستش کی حفاظت وحمایت پر کمربستہ کر دیا تھا۔

قسطنطنیہ اور قاہرہ کے سوائے دوسرے شہرون میں تمام علما جنسے کوئی اجنبی واقفیت حاصل کر سکتا ہو زیادہ تر اعتقادی مسائل میں جو زمانہ موجودہ میں دلچسپ نہیں ہو سکتے مشغول پائے جائینگے۔ انکا مشغلہ قرآن شریف کی تفسیر تعبیر کی پرانی دلائل ہیں جو عرصہ مدید سے اسلامی مدارس کی تعلیم کی لب لباب چلی آتی ہیں۔ مگر یہان (جدہ میں) انکے بھی عملی پہلو اور صرف اس تعلق پر جو وہ موجودہ ساخت کی پولیٹیکل وضع سے رکھتی ہیں بحث ہوتی ہے۔ جدہ آنیکے فوائد مجھپر جلدی واضح ہوگئے اور میں نے سوالات پوچھنے اور لوگوں کی گفتگو سننے کا کوئی مناسب موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ مجھے یہ دعوی نہیں کہ میں دیگر سمجھدار متجسسان احوال سے زیادہ عقلمند یا کوئی خاص قابلیت رکھتا ہون تاہم جو معلومات میں نے حاصل کی وہ میرے خیال میں نہایت ہی بیش قیمت ہیں۔ اور یہ واقفیت بعد ازان مجھے اون مسلمان بزرگون اور دوستون سے بھی روشناس کرانیکا باعث ہوئی جن سے میں شمال (شام) و روم میں ملاقی ہوا۔ قصہ مختصر جدہ کی

---

[1] زمانہ قدیم میں سمرنا سے ۳۵ میل کے فاصلہ پر مشہور شہر تھا جس کے اب کھنڈرات باقی ہیں۔ اس شہر کے موقع پر اب ایاسلوق اور چند دیگر قصبات آباد ہیں۔ جنہیں حضرت مسیح نے سات کلیسا قائم کئے تھے۔ ان میں سے ایک یہ تھا۔ دیوی ڈیانا کی پرستش کے لئے جو معبد اس جگہ تیار کیا گیا تھا وہ زمانہ قدیم کے عجائبات میں شمار ہوتا ہے۔ وہ ۴۲۵ فیٹ لمبا اور ۲۲۰ فٹ چوڑا تھا چھت ۱۲۷ ستونوں پر جو ساٹھ ساٹھ فٹ بلند تھے اور مختلف بادشاہوں نے انکو تیار کرایا تھا کھڑی تھی۔ اس کی ہر سو پر نہایت عجیب نقش و نگار کا کام تھا۔ [illegible] ۲۲۰ برس میں ختم ہوئی تھی معبد میں انتہا دولت جمع تھی۔ معبد میں دیوی کی پرستش نہایت متانت کے ساتھ جسمیں تزئین رہا کرتی تھی اور اکی عبادت تھی۔ اسکو جسوقت اسکندر پیدا ہوا ایک شخص نے شہرت دوام حاصل کرنیکی غرض سے جلا دیا مگر باشندوں نے جلدی پہلے سے زیادہ تجمل و شان سے اوسکو تعمیر کر دیا۔ معبد کے کھنڈرات میں [illegible] ایک انگریز نے دریافت کیا۔ مسٹر [illegible] وکر رہے ہیں۔ مؤلف اندلس کے

انکی تعداد کا مقابلہ یورپین قونصلین متعینہ جدہ کے کاغذات سے کر لیا گیا ہے بنابرین انکی نسبت قیاس ہو سکتا ہے کہ وہ تا بہ امکان درست ہیں۔ باقی رہی ان حاجیوں کی تعداد جو خشکی کے راستوں سے آتے ہیں سو وہ کسیقدر تو میرے ذاتی مشاہدہ پر مبنی ہے جو میں نے تین برس ہوئے کیے تھے۔ اور کسی قدر ان اعداد و شمار پر جو مجھے قاہرہ اور دمشق میں دستیاب ہوئے مختلف اسلامی ممالک کی آبادیوں کے لئے مجھے یورپین ذرائع واقفیت سے مدد لینی پڑی ہے اس بارہ میں ظاہر ہے مجھے جدہ میں کوئی واقفیت نہیں مل سکتی تھی یہ اعداد یورپین رسالوں اور جغرافیوں سے لئے گئے ہیں۔ اور جہاں کہیں ممکن تھا میں نے ان لوگوں سے جو ان ممالک سے واقف ہیں استصواب کر کے ان اعداد کو درست یا ترمیم کر لیا ہے۔ اور اسطرح بخیال خود میں مسلمانوں کی مجموعی تعداد کا تخمینًا درست اندازہ لگانے اور ناظرین کو اسلامی آبادی کا حتی الامکان درست شمار بتانے کے قابل ہو گیا ہوں مجھے یہ دعوےٰ نہیں کہ پیش کردہ اعداد بالکل ٹھیک ہیں۔ لیکن اگر درست تعداد معلوم بھی ہو جاوے تو اس سے میری بحث کو چنداں بڑی مدد نہیں پہونچ سکتی ہے

وہ جدول حسب ذیل ہے (یا نقشہ جو مترجم نے اپنی طرف سے ایزاد کیا ہے)

نقشہ سنہ ۱۸۸۰ء کے حاجیان مکہ معظمہ کا

قومیت حاجیوں کی	جسقدر سمندر کے راستہ آئے	جسقدر خشکی کے راستہ آئے	اس قوم کی کل آبادی	قوم مذکور کی موجودہ (۱۹۰۸ء) آبادی
عثمانی رعایا بمعہ حاجیان شام و عراق (جنہیں عرب خاص و مصر کے حاجی شامل نہیں)	۵۰۰۰	۱۰۰۰	۲۲،۰۰۰،۰۰۰	۲۵،۰۰۰،۰۰۰
مصری	۵۰۰۰	۱۰۰۰	۵،۰۰۰،۰۰۰	۳،۰۰۰،۰۰۰
مغربی یعنی عربی بولنے والے باشندگان طرابلس ٹیونس۔ الجزائر و مراکو جو بلحاظ ملک مغربی کہلاتے ہیں اس لئے تخصیص (مشکل ہے)	۶۰۰۰	۰	۱۸،۰۰۰،۰۰۰	۴،۰۰۰،۰۰۰
یمنی عرب	۳۰۰۰	۰	۲،۵۰۰،۰۰۰	۲،۵۰۰،۰۰۰
عمان و حضرموت کے عرب	۳۰۰۰	۰	۳،۰۰۰،۰۰۰	۴،۰۰۰،۰۰۰
نجد عسیر و حسا کے عرب جو زیادہ تر بدوی ہیں	۰	۵۰۰۰	۴،۰۰۰،۰۰۰	۵،۰۰۰،۰۰۰
حجاز کے عرب جن میں شریف مکہ کی رعایا بھی ہیں	۰	۲۲۰۰۰	۲،۰۰۰،۰۰۰	۳،۵۰۰،۰۰۰

کا تھا مگر وہ اب نہ صرف بیشمار قوموں بلکہ فرقوں میں بھی منقسم ہیں تاہم کل مسلمان بعض بنیادی عقائد پر یکساں معتقد ہیں اور سب مکہ کے حج کو فرض سمجھتے ہیں - وہاں وہ اسلام کی مشترکہ زمین پر کھڑے ہوتے ہیں اور اسی لیے شاید بانیٔ اسلام نے حج کو اس قدر اہم قرار دیا ہے ؁

تمام مسلمانوں میں جو بڑے بڑے عقائد مشترک ہیں وہ حسب ذیل ہیں :-

(۱) ایک سچے خدا پر جو تمام اشیاء کا خالق اور قادر مطلق ہے ایمان لانا -

(۲) سزا و جزا کے عالم ثانی پر ایمان -

(۳) وحی ربانی پر جو سب سے پہلے آدم علیہ السلام اور پھر مختلف اوقات و ازمنہ میں **نوح - ابراہیم موسیٰ عیسیٰ** اور سب سے آخر کامل طور پر **محمد** صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ایمان لانا - یہ وحی فقط اعتقادی معاملات ہی کے نہیں بلکہ عملی معاملات کے بھی متعلق ہے - ایسے امور سیاسیہ و وضع قوانین اور نیز اخلاق و علوم کے متعلق کل بنی نوع انسان کیلئے طرز معاشرت کا ایسا قاعدہ سکھاتی کہ جو سب سے اعلیٰ ہے جو سکے دوسرے

(۴) **قرآن** کو خدا کا خاص کلام ماننا اور رسول کریم اور اونکے اصحاب نے الہام ربانی کے ذریعہ سے جو کچھ اسکی تعبیر کی ہے اور جو کہ احادیث کے ذریعہ سے اب تک محفوظ ہے اُس پر ایمان لانا معنت ارکان عربی زبان میں یہ ہے قُلْ اِنِّیْ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَمَلٰئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی

ان سب کا خلاصہ کلمہ توحید لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے جسمیں کل فرقوں کا بالاشتراک ایمان ہے اسی طرح باقی چار اہم فرائض نماز - روزہ - زکوٰۃ اور حج پر جو احکام قرآنی کے رو سے فرض قرار دیئے گئے ہیں سب مسلمان بلا استثنا ایمان رکھتے ہیں - ان کو چھوڑکر باقی کئی مسائل پر جو اعتقاد و عمل دونوں سے تعلق رکھتے ہیں مختلف فرقوں میں بہت اختلاف موجود ہے جو بعض صورتوں میں اتنا بڑا ہے کہ اسکی وجہ سے یہ فرقے ایکدوسرے سے مختلف ہی نہیں بلکہ ایکدوسرے کے مخالف ہو رہے ہیں مگر یہ مغایرت ایسی نہیں کہ عیسائیوں کے مختلف فرقوں کی طرح انمیں بھی قطعاً کبھی صلح و صفائی نہ ہو سکے - ہر ایک فرقہ دوسروں کو اسلام کے دائرہ میں داخل سمجھتا ہے وہ بعض اوقات ایکدوسرے کی مسجد میں نماز ادا کر لیتے ہیں اور حج کے موقعہ پر سب ایکہی مسجد میں سجود ہوتے ہیں اور کل مراسم حج یکساں طور پر ادا کرتے ہیں برخلاف اسکے ایک فرقہ کا عیسائی دوسرے فرقہ کے گرجہ میں نماز پڑھنا کفر سمجھتا ہے علاوہ بریں ما سوا وہابیوں کے جو دوسرے مسلمانوں کو بت پرست اور پرستش اصنام کا الزام دیتے ہیں کل اسلامی فرقے ایکدوسرے کی غلطیوں کو بالکل ہی مستوجب لعنت و نفرین تصور نہیں کرتے - اسلام کے چار بڑے فرقوں کی مردم شماری تخمیناً حسب ذیل قیاس کی جاسکتی ہے ؁

جبشیان سوڈان	٣٠٠٠	٠	١٠٠٬٠٠٠٬٠٠٠	٩٠٬٠٠٠٬٠٠٠ سوڈان کی کل مسلمان آبادی
جبشیان زنجبار	١٠٠٠	٠	١٨٬٠٠٠٬٠٠٠ تخمیناً	١٨٬٠٠٠٬٠٠٠
مالاباری دراس امید سے جنوبی افریقیا	١٥٠	٠٠	٠٠	١٠٠٬٠٠٠
ایرانی	٦٠٠٠٠	٢٥٠٠	٨٬٥٠٠٬٠٠٠	٩٬٥٠٠٬٠٠٠
ہندی رعیت سرکار انگریزی	١٥٠٠٠	٠	۴٠٬٠٠٠٬٠٠٠	٧٠٬٠٠٠٬٠٠٠
ملائی ازیادہ تر سکنائے جاوا و ڈچ کے رعایا لوگ ہوتے ہیں	١٢٠٠٠	٠	٣٠٬٠٠٠٬٠٠٠	۴٠٬٠٠٠٬٠٠٠
چینی	١٠٠	٠	١٥٬٠٠٠٬٠٠٠	٧٠٬٠٠٠٬٠٠٠
ریاست ہائے ترکستان کے مغل رجو عثمانی حاجیوں میں شمار کر لیئے گئے ہیں	٠	٠	۴٠٬٠٠٠٬٠٠٠	٦٠٬٠٠٠٬٠٠٠
لازی چرکس تاتاری وغیرہ (روسی رعایا) یہ بھی عثمانی حاجیوں میں شمار کر لیئے گئے ہیں	٠	٠	٥٠٬٠٠٠٬٠٠٠	٦٠٬٠٠٠٬٠٠٠
آزاد افغانستان مع بلوچستان کے حاجی جو ہندی و ایرانی حاجیوں میں شمار کئے گئے ہیں	٠٠	٠	٣٠٬٠٠٠٬٠٠٠	٥٠٬٠٠٠٬٠٠٠
کل حاجی جو عرفات میں موجود تھے		٩٣٢٥٠ کل آبادی مسلمانوں کی	١٧٠٬٠٠٠٬٠٠٠	٣٢٧٬٠٠٠٬٠٠٠

باین لحاظ کہ یہ اعداد جو تخمیناً دیئے گئے ہیں اسلام کے سرسری معائنہ میں کارآمد ہو سکیں انکی تشریح کرنی ضروری ہے میں انکی توضیح تقریباً اوسی ترتیب سے کرونگا جس ترتیب سے کہ وہ دیئے گئے ہیں۔ مگر مزید سہولیت کے لئے اونکو مختلف فرقوں کے ذیل میں جمع کئے دیتا ہوں مختلف فرقوں کے ذکر سے ناظرین حیران نہ ہو جائیں۔ انکو یاد رہے کہ گو اسلام کا اصل مدعا اپنے پیروؤں کو مذہباً و سیاستاً ایک جماعت بنانے

نوٹ ممالک مندرجہ بالا کے علاوہ آسٹریلیا۔ انگلستان فرانس۔ امریکہ الغرض دنیا کا کوئی ایسا ملک نہیں ہو گا جہاں مسلمانوں کی وجود نہ پایا جاتا ہو مگر بعض ممالک کے مسلمانوں کی تعداد اوسی سلطنت کی مسلمان رعایا میں شامل کر دی گئی ہے جیسے بنگالی انگریزی رعایا میں اسکے علاوہ جو ممالک ہیں انکی آبادی ایسی قلیل ہے کہ اسکی عدم شمولیت سے کل میزان میں چنداں فرق نہیں آتا +

۱۔ سنت جماعت یعنی پکے مسلمان جو اُس روش پر چلے آتے ہیں جس روش پر پیغمبر صلعم نے اسلام کو چھوڑا .. .. ۱۴۵,۰۰۰,۰۰۰[سلہ]

۲۔ شیعان علی ۱۵,۰۰۰,۰۰۰

۳۔ عبادیہ ۷,۰۰۰,۰۰۰

۴۔ وہابیہ ۸,۰۰۰,۰۰۰

ان اعداد سے صاف ظاہر ہے کہ سُنّی سب فرقوں میں زبردست ہیں۔ اُنکو دیگر فرقوں سے وہی نسبت ہے جو عیسائیوں کے رومن کیتھولک فرقہ کو دیگر نوپیدا شدہ عیسوی فرقوں سے ہے۔ انکا دعوی ہے کہ صرف ہماری ہی جماعت ایسی ہے جو ابتدائی مسلمانوں کے قدم بقدم چلی آئی ہے اور مذہبی و ملکی معاملات کے متعلقہ مجموعہ روایت و درایت کی جو زندہ مذہب کی علامت ہے مسلسل مالک رہی ہے۔ متذکرہ بالا عقاید کے علاوہ سینوں کا اعتقاد ہے کہ پیغمبر اور اون کے اصحاب کے بعد بھی اجتہاد کے دیگر جائز وجوہ مذہب موجود ہیں جو کچھ کم اختیار نہیں رکھتے ہیں۔ ہر چہار خلفاء راشدین کے اقوال جو پہلی صدی ہجری میں جمع کیے گئے تھے۔ اُن کے نزدیک الہامی اور ناقابل خطا ہیں۔ اسلام کے چار فقیہان اعظم یعنے امام ابو حنیفہ رح۔ امام مالک امام شافعی۔ امام احمد حنبل رضی اللہ تعالٰی عنہم کے رسالوں کو بھی جو فقہ پر لکھے گئے۔ وہ ایک حد تک الہامی ہی تصور کرتے ہیں۔ ان کے بعد وہ زمانہ موجودہ تک کے ممتاز علماء کے فتاوی کو جن میں قدرۃً وہ خیر القرون سے بعید ہوتے جائیں انکے فیصلے کم اقتدار کے ہوتے جاتے ہیں۔ واجب الطاعت سمجھتے ہیں۔ ان ذریعہ سے حاصل شدہ تعلیم و تلقین کے مجموعہ کو شریعت زیر کرسٹ شریعت یعنی فقہ کہتے ہیں کہا جاتا ہے اور وہ اسلام کا اصل قانون ہے اسکی مخالفت کرنا ناجائز ہے اور سنت جماعت کے امام ایک طرح سے وہی منزلت رکھتے ہیں جو ہمارے عیسائی مذہب کے پاپا اور قسیس رکھتے ہیں۔ سینوں کا یہ بھی اعتقاد ہے کہ وہ صرف مذہبی جماعت ہی نہیں بلکہ پولٹیکل جماعت بھی ہیں۔ اور کہ اون کے درمیان حضرت سرور کائنات کے دنیاوی اختیار اولایت الامر کا قایم مقام خلیفہ یعنی پیغمبر خدا کے جانشین کی ذات میں ہر وقت موجود ہونا ضروری ہے۔ گو زمانہ گزشتہ کے درمیت

سلہ۔ مسٹر بلنٹ کی بیان کردہ تعداد سے حسب قدر زیادہ آبادی مسلمانوں کی میں نے تحریر کی ہے۔ وہ تقریباً ساری کی ساری سنت جماعت والوں کے ساتھ شامل کر دینی چاہیئے۔ کیونکہ جن ممالک ر چین۔ افریقہ۔ جاوا) کے مسلمانوں کی آبادی میں زیادتہ پیشم شامل ہو گئی ہے۔ وہاں عقیدہ سنت جماعت کے سوا اور کسی عقیدہ کا نام ونشان تک نہیں پایا جاتا ... [illegible] ... کم نہیں۔ دیگر فرقوں کی آبادی میں ... [illegible]

[illegible] ... پانچویں حصہ ... [illegible]

کرکے اونکو ایک طرح سے مباح کر دیا ہوا ہے۔ یہ فی الحقیقت ترکون کے تمام قدار زمرہ کا مذہب ہے اور اس میں اون لوگون کا حصہ کثیر داخل ہے۔ جو آجکل قسطنطنیہ (یعنی سلطان المعظم) کی بار بدار شدہ روحانی پیشوائی اور خلافت کے معاون کے موید معاون ہیں۔

پس ظاہر ہے کہ جن لوگون کو جدول متذکرہ بالا میں عثمانیون کے ذیل میں بتایا گیا ہے وہ تقریباً سارے اس مذہب کے پابند ہیں۔ مگر اس سے یہ قیاس نہ کر لیا جاے کہ وہ سارے کے سارے ۱/۲ ۹ ہزار حاجی ترک ہیں۔ یا دو کروڑ بیس لاکھ ساری آبادی جسمیں سے وہ آئے کل ہم ترکی قوم ہے۔ اصلی عثمانیہ ترک تو اب شاذ و نادر حج کو آتے ہیں۔ اور یورپین و ایشیائی ٹرکی میں کل ترکی آبادی بمشکل چالیس لاکھ ہوگی۔ اون کے حج میں شامل نہونیکی معقول وجہ یہ ہے کہ ٹرکی میں تمام مضبوط و صحیح الجثہ نوجوان باقی کل پیشیون سے چھٹکر فوج میں داخل کر لیے جاتے ہیں۔ اور حج زیادہ تر ایسے ہی آدمیون کا کام ہے اور اونہی کی تعداد سب سے زیادہ ہوتی ہے چنانچہ ایسے جو قلیل تعداد سے ترک حج کو آتے ہیں وہ سوا کے معدودے چند سب کے سب سلطان کی وردی پہنے ہوے ہوتے ہیں۔ یعنی عساکر عثمانیہ کے سپاہی یا فوجی افسر ہوتے ہیں۔ سپاہیوں کے بعد دیگر ممالک سے جس طبقہ کے زیادہ لوگ آتے ہیں وہ متمول تجار کی جماعت ہے اور ترکون میں متمول تجار تقریباً مفقود کا حکم رکھتے ہیں۔ باقی رہے ملکی عہدہ دار اور صرف اونہی کی جماعت ٹرکی میں آسودہ حال ہے۔ اونکو دنیاوی دھندوں سے نہ فرصت اور نہ شوق ہی ہے۔ علاوہ بریں یہ لوگ اب ایسے مہذب ہو گئے ہیں کہ وہ حج کی واقعی تکالیف کو بخوشی برداشت نہیں کر سکتے کیونکہ گو دخانی جہاز رانی نے بحیرہ قلزم کے بحری سفر کو بہت ہی آسان بنا دیا ہے۔ تاہم حج کا سفر کرنا ابھی کنارے وارد جدہ میں اترنے کے بعد ابتک ہی نقشہ پیش نظر ہوتا ہے جو کہ سو برس گذرے تھا۔ مگر ترکون کی اب وہ کیفیت نہیں رہی (یورپین تہذیب کی ہمسایگت سے)

بقیہ حاشیہ - علما صرف شریعت کے احکام بتا سکتے ہیں۔ بنا بریں اون پر یا اونکے مذہب پر کوئی الزام عاید نہیں ہو سکتا۔ گو ایسا بھی بعض اوقات ہوا ہے۔ کہ علما اور نامدار اشخاص مثلاً امام ابو یوسف شاگرد رشید و امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ) نے بادشاہان وقت کی خوشنودی کے لیے احکام کی ایسی توضیح کی ہے۔ یا اونکو ایسی منطقیانہ حجتین بتائی ہیں کہ اس طرح سے انہیں ایک غیر مباح امر کو مباح قرار دے لینے کی گنجایش مل گئی ہے۔ مگر ایک تو ایسا بہت کم ہوا ہے۔ دوم وہی پہلی دلیل اون کو بری الذمہ کر دیتی ہے۔ کیونکہ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو بادشاہ لوگ خصوصاً ایسے شہنشاہ یا خلفا جن کی طاقت زبردست تھی۔ لیکن بہرحال انکی مطلق پروا نہ کر کے اپنی منشا کو علانیہ خلاف ورزی کر کے پورا کر لیتے۔ مولف

مصنفین اون کو غلطی سے علیحدہ علیحدہ فرقے قرار دیتے ہیں کیونکہ انکی تعلیم ایکدوسرے سے ایسی زیادہ مغایر نہیں ہے اور انمیں صرف اسیقدر فرق ہے جتنا کہ عیسائی کلیساء انگلشیہ کی ادنیٰ و اعلیٰ و وسیع الخیال جماعتوں میں عجب مشابہت پائی جاتی ہے اسلام کے تین مشہور مذاہب حنفی۔ شافعی و مالکی ہیں چوتھا مذہب[1] حنبلی ہی عموماً ان پر ازدیاد کیا جاتا ہے۔ مگر اس کے پیرو فی زمانا اسقدر قلیل التعداد ہیں کہ اس کا ذکر کرنا فضول ہے ان میں سے ہر ایک کی توضیح کے لئے چند الفاظ کافی ہیں +

حنفی مذہب کو مسلمانون کے اعلیٰ طبقون کا مذہب کہا جا سکتا ہے۔ اگر اسلام کی نسبت یہ کہا جا سکتا ہو کہ عیسائیوں کی طرح اسمیں بھی چرچ (کلیسا) و سٹیٹ (سلطنت) یعنی محکمہ عبادت و ادارہ سلطنت ہیں تو وہ گویا شاہی مذہب رہا ہے۔ عثمانیہ قوم بلا استثنا شمالی ممالک پر حکمران ہے اور جس کے رشتہ دارون نے وسطی اور جنوبی ایشیا میں سلطنتیں قایم کی تھیں اس مذہب کی پیرو ہے اسی طرح دنیا کے اکثر حصص کے اعلیٰ طبقہ اور سرکاری جماعت کے اشخاص جنہیں مصر۔ طرابلس الغرب و ٹونس کے نائبان سلطنت اور ان کے درباری اور نیز ہندوستان کے اکثر مسلمان والیان ریاست کے دربار شامل ہیں اسی مذہب کے پابند ہیں اور غالباً یہ اسی امر کا نتیجہ ہے کہ یہ مذہب باقی سب مذاہب سے زیادہ کنسرویٹو (استبدادیہ۔ مقلد۔ یا موید اصول قدیمہ) ہے۔ یہاں کنسرویٹو سے اسکے اصلی معنے یعنی اشیاء کو اونکی حالت پر چھوڑنا جبکہ وہ موجود ہین۔ مراد ہے نہ یہ کہ چونکہ مذہب مذکور سب سے زیادہ کنسرویٹو تھا اسلیئے حکام و والیان ریاست نے اوسے پسند کیا۔ اس مذہب کے علما ہمیشہ اسپر بڑے زور سے مصر رہے ہیں کہ اجتہاد کا دروازہ قطعاً مسدود ہو گیا ہے۔ دینی قانون کے موجودہ مجموعہ پر کوئی نئی بات ایزاد کی یا اوس سے نکالی نہیں جا سکتی اور کوئی ایسا مجتہد یا امام اب نہیں ہو سکتا ہے جو موجودہ زمانہ کی ضرورت کے مطابق قانون مذکور کی ترمیم کرنیکا اختیار رکھتا ہو۔ مگر اسکے ساتھ ہی حنفی مذہب گو قولاً لکیر کا فقیر ہے مگر عملاً اوس نے بہت سی باتون کو روا کر رکھا ہے اسکی اخلاقی تعلیم کی نسبت علم خیالی ہی اور میری رائے میں وہ ٹھیک بھی ہے کہ اسے مذہب مذکور کے اعلیٰ حامیون کے حسب حال رکھا گیا ہے اسکے مخالفین اسپر الزام لگاتے ہیں کہ اس نے اخلاقی برائیوں سے جو ترکون[2] میں عام مروج ہیں یعنی استعمال مخرب۔ بے اندازہ کنیزکون کا رکھنا اور دیگر بدترین خرابیوں سے اغماض

---

[1] حنبلی مذہب کا وجود صرف مدینہ اور نجد قسیم (واقع وسط عرب) میں پایا جاتا ہے۔ مصنف

[2] مسٹر بلنٹ صاحب کا یہ بیان ایکطرح سے بالکل ٹھیک ہے۔ مگر دو ایک باتوں میں انسے غلطی ہو گئی ہے۔ یہ اخلاقی برائیاں نہ صرف ترکوں کی سرکاری جماعت میں بلکہ ہر ایک ملک و قوم و مذہب کی ایسی جماعت میں ہر زمانہ میں پائی جاتی رہی ہیں اور چونکہ مذہبی احکام کی تعمیل کرانا والیان امراء و طبقہ حکام کے ہاتھ میں ہوتا ہے جب انہیں کا چلن درست نہ ہو تو تعمیل کسطرح ہو سکے

حصول علم کے لئے بہتر ذریعہ سمجھ کر وہاں چلے جاتے ہیں۔ ٹرکی خاص میں بہ وقت بمشکل چند ایک گنتی کے نامور فقیہ ہیں اور آزاد خیال و صاحب رائے تو ان سے بھی تھوڑے ہیں۔

مصری حاجیوں کی تعداد روز افزوں ترقی پر ہے۔ قاہرہ کے باشندوں کو عربی بولنے والے ہونے کی وجہ سے شمالی قصبات کے باشندوں کی نسبت حرمین میں بہت زیادہ سہولتیں ملتی ہیں۔ اور وہ وہاں کے رہنے والوں سے فوراً گھل مل سکتے ہیں۔ ان کے ملک اور حجاز کے رسم رسوم اور آب و ہوا میں چنداں تفاوت نہیں۔ علاوہ بریں قاہرہ کا پولیٹیکل اسباب سے ملکی تعلق قسطنطنیہ کی نسبت مکہ معظمہ سے بہت پرانا چلا آتا ہے۔ سلاطین مصر نے بارہویں صدی سے حفاظت و خدمت حرمین شریفین کا اہتمام اپنے ذمہ لیا۔ اور جب عثمانیوں نے مصر کو ۱۵۱۷ء میں فتح کر لیا تو پھر بھی عثمانیہ خلیفہ نے عرب پر اپنے مصری نائب السلطنت کے توسط سے اقتدار رکھا۔ یہ کیفیت برابر ۱۸۴۰ء تک رہی اور صرف نہر سویز[1] کے جاری ہونے کے وقت سے براہ راست قسطنطنیہ سے اس ملک کا انتظام کرنے کی فی الواقع کوشش کی گئی مگر تاہنوز مصر کے والی کو سلطان کے دوش بدوش ہر برس مکہ معظمہ کو محمل[2] اور غلاف کعبہ بھیجنے کا خاص امتیاز اور عزت حاصل ہے۔

مزید براں قاہرہ کی جامع ازہر[3] عربی بولنے والی قوموں کی بڑی یونیورسٹی (بیت العلوم) ہے اور وہاں کے علما تمام دیگر ممالک کے علماء سے بلند ترین شہرت رکھتے ہیں۔ بنا بریں مصری اقتدار کی نسبت تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وہ ان قوتوں اور عناصر میں جو اسلامی رائے کے قائم کرنے والے ہیں۔ ایک زبردست عنصر ہے۔ یہ درست ہے کہ سابق خدیو[4] نے اپنے ملحدانہ طرز عمل اور اہالی یورپ کو ساتھ بے اندازہ میل ملاپ اور تعلق پیدا کر لینے سے اس اقتدار کو بہت کچھ کم کر دیا تھا اور اسکے عہد میں مصری حاجیوں کی

---

[1] یہ نہر ۱۷ نومبر ۱۸۶۹ء میں جاری ہوئی تھی۔ مولف۔

[2] امیر المومنین ہر برس کعبہ اور مرقد نبوی کیلئے نہایت بیش قیمت غلاف قافلہ حجاج کے ہمراہ نہایت تزک و احتشام کیساتھ قسطنطنیہ سے روانہ کرتے ہیں اور چونکہ اونٹ پر لادے جاتے ہیں اسلئے اس قافلہ کو محمل شریف کہا جاتا ہے پہلے یہ قافلہ براہ خشکی اور اب براہ سمندر بیروت ہوتا ہوا دمشق کی راستہ حرمین کو جاتا ہے۔ جس وقت سلیم اول نے مصر کو فتح کیا تھا تو اس نے بدستور سابق خزانہ مصر سے نقد روپیہ اور غلہ ہر سال مکہ معظمہ کو بھیجا جاتے رہنے کا حکم دیکر محمل کی روانگی کی بھی اجازت دی یہ غلاف امیر المومنین کے بھیجے غلاف سے کم قیمت ہوتا ہے۔ شریف مکہ و دیگر وظیفہ خواران حجاز کیلئے سلطان المعظم بھی ہر سال جیب خاص خزانہ عامرہ اور اوقاف سے زر خطیر روانہ کرتے ہیں۔ مترجم

[3] جامع ازہر اور اسکی یونیورسٹی کی درست اور کسی قدر مفصل حالات مولانا شبلی نعمانی صاحب نے اپنے سفرنامہ روم و شام و مصر مطبوعہ ۱۸۹۴ء میں تحریر فرمائی ہیں جو ناظرین کی آگاہی کیلئے بیان درج کر دی جاتی ہیں۔ جامع ازہر [illegible] قدیم تعلیم [illegible]

[4] جنٹ صاحب کی مراد اسمٰعیل مرحوم خدیو حال کے دادا سے ہے۔ مگر میں خدیو حال کے باپ توفیق کو بھی اسکے ساتھ شامل کرتا ہوں۔ م

اونکی طرز معاشرت اور ذاتی آرام کے خیالات مین بہت فرق آگیا ہی - اونکی طرز پوشاک بالکل بدل گئی ہی
اور دیگر یورپین یا مہذب اقوام کی طرح) وہ آرام کے عادی ہو گئی ہین یہانتک کہ اگر وہ حاجیونکی خلاف شرع پوشاک
کے جس سے انسان ایکطرح برہنہ ہوتا ہے پہننے اور منطقہ حارہ کی دھوپ مین ننگے سر کوہ عرفات کو پیدل
جانے سے بچنا چاہتے ہون تو کوئی تعجب کا مقام نہین - ان باتون کے سوا مدینہ منورہ پہونچنے کیلیے تین
سو میل لمبا خشکی کا سفر کرنا پڑتا ہی - اور حج سے فارغ ہونے کے بعد جہازونکی انتظار مین اکثر کئی دن بلکہ بعض
اوقات ہفتون تک حجاز کی بندرگاہون مین جنکی آب و ہوا صحت کو مضر ہوتی ہے ٹھیرنا پڑتا ہی اور بعض کیلیے
یہ شدید ترین تکلیف ہے - مزید بران ترکی عہدہ دار بالعموم اب مذہبی فرائض کے تارک ہو گئے ہین
کہ ترک حج کیلیے بھی کوئی عذر ڈھونڈ لینا اون کیلیے مشکل نہین - قصہ مختصر وہ فی زماننا اول تو مطلقاً
نہین ورنہ بہت ہی کم حج کو جاتے ہین - عثمانیہ حاجیون مین عموماً - شامی - البانوی - چرکس - لازی
اور روس و ریاست ہای ترکستان کے تاتاری - الغرض باقی کل قومون کے آدمی ہوتے ہین مگر اصل
ترک بہت کم اور جو ہوتے ہین وہ بھی علم و فضل یا زہد و اتقا مین کوئی ایسے بہت ممتاز نہین ہوتے
قسطنطنیہ کی جامع مسجد ایا صوفیا کا مدرسہ جو کبھی دینی تعلیم و تدریس کیلیے مشہور آفاق تھا اب اپنی شہرت
کھو چکا ہی اور وہان کے علماء علم و ہنر کے شوق کو چھوڑ کر زیادہ تر حکام و دربار کی نوازش و عنایت کی حصول
کی پیچھے لگ رہتے ہین - اوسکی حالت ایسی ردی ہو گئی ہی کہ اکثر مسجد اور شائق علم طلبہ بخارا بلکہ ایران کی اماموں کو

۱ سلطان عبد المجید اور سلطان عبد العزیز مرحوم کے زمانہ مین ممکن بلکہ اغلب ہے کہ ایسا ہی ہو گیا ہو چونکہ بمصداق
الناس علی دین ملوکہم رعایا بالخصوص اول لشکر سلطان کے طریق عمل سے متاثر ہوئی بغیر نہ رہی ہو گی مگر خداوند کریم کا
شکر ہی کہ ہمارے موجودہ خلیفۃ المسلمین عبد الحمید ثانی کے ظل حمایت مین جو دین و ملت کا سچا حامی اور مضبوط بازو
اب حالت اس کیفیت کے بالکل برعکس ہے اور نہ صرف سرکاری طبقون اور آستانہ علیہ مین و نیز ملک کے ہر حصہ مین
سبحانی کی پر جوشی اور اوصاف حمیدہ کا اثر دور دراز مقامات بعیدہ مین بھی پھیلکر اپنا نورانی جلوہ دکھانے لگ گیا ہی حضرت
ممدوح کو شرعی احکام کی پابندی کا بیحد خیال ہے جسکا ذکر اکثر مقامات پر ہونا ہیگا - مولف

لازی قوم [illegible] ہی - اور انکا علاقہ لازستان کہلاتا ہی - یہ بہت بہادر اور جوشیلے مسلمان ہوتے ہین [illegible]
[illegible] روس [illegible] لازی شریک [illegible] ہوئی تھی کہ [illegible] مین ایک [illegible]
[illegible] لوگون کی بہادری [illegible] بالعموم
[illegible] روسیون کو [illegible] لازی [illegible]
مہاجرت [illegible] قبول کر لیا مگر روسیون کی محکومی گوارا نہ کی -

تعداد بہت ہی تھوڑی رہگئی تھی۔ لیکن محمد توفیق نے جو گو آزاد خیال ہے مگر سچا مسلمان ہے۔ مگر معظم میں اپنے ملک کے اقتدار کو بہت کچھ پھر قایم کر دیا۔ اور یہ بعید از قیاس نہیں ہے کہ زمانہ استقبال میں جبکہ مصر کی تمدنی دولت و تمول میں نمایاں اضافہ ہو گیا ہو گا وہ اسلام کے پولیٹکس (ملکی معاملات) میں بہ مقدار زائد حصہ لینے کے قابل ہو جائیگا۔ مگر اس پر آگے چل کر میں مفصل بحث کرونگا ٭

جامع ازہر میں تینوں مذاہب حنفیہ۔ شافعیہ و مالکیہ کی تعلیم دیجاتی ہے اور مصری اپنے اپنے طبقہ کے سبب حال ان تینوں کے پابند ہیں خدیو اور حکمران جماعت جو عثمانی الاصل ہیں اور نیز چرکس ملیئوں کی اولاد حنفی ہیں۔ قاہرہ کے سربرآوردہ و تجار اور عام باشندے شافعی ہیں۔ ڈیلٹا کے فلاحین اور دریا نیل کی مغربی جانب کے قبایل افریقہ کی مسلمان آبادی کے حصہ کثیر کیطرح مالکی ہیں ۔

جامع ازہر کی یونیورسٹی کے شیوخ (پروفیسروں) کی تعداد کچھ اوپر پانچسو ہے۔ جنکی مذہب وار تفصیل حسب ذیل ہے۔ شافعی دوسو۔ مالکی دوسو۔ حنفی ایکسو۔ حنبلی پانچ۔ ہر ایک طبقہ میں ایک ایک شیخ الشیخ ہے۔ جس کو اسی کی جماعت کے علما یا شیوخ منتخب کرتے ہیں۔ اور اس کا فتویٰ اپنے مذہب کے

٭ بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹ — بیان کرنیکے لئے جامع ازہر کے حالات بیان کرنے کافی ہیں۔ یہ وہی جامع ہے جسکی نسبت کہا جاتا ہے کہ کل دنیا میں اس سے قدیم کوئی یونیورسٹی نہیں ہے۔ یہ ایک جامع مسجد ہے۔ اور قاہرہ میں سب سے پہلے مسجد جو تعمیر ہوئی وہ یہی ہے۔ فاطمئین مصر میں سے خلیفۃ المعز لدین اللہ کے ایک غلام نے جو سسلی کا رہنے والا تھا اور اپنی قابلیت خداداد سے دولت فاطمیہ کا دست و بازو بن گیا تھا ۳۵۹ ہجری میں اس مسجد کی بنیاد ڈالی اور ۳۶۱ ہجری میں انجام کو پہنچی ۳۷۸ ہجری میں خلیفہ عزیز باللہ نے مسجد سے متصل طالب علموں کے لئے کچھ مکانات بنوائے اور ۳۵ طالب علموں کے لئے وظیفہ مقرر کیا۔ حاکم بامر اللہ نے ۴۰۰ ہجری میں مسجد کی عمارت میں تجدید کی اور اسکے مصارف کیلئے ۱۰۷۶ دینار منافع سالانہ کی جائداد وقف کی ۷۶۱ ہجری میں امیر طواشی نے یتیموں کیلئے ایک خاص مکتب قایم کیا اور اسکے ساتھ عام طلباء مسجد کے لئے بہت سی جائدادیں وقف کیں۔ [illegible]

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹ — اس شخص نے اسلام کو مدد دینے کی بجائے اپنے باپ جیسے بدر جاہ اور [illegible] جانشینوں کے یہ کتاب لکھی تھی اسوقت سے تخت مصر پر بیٹھے تین برس ہوچکے تھے اور اس عرصہ میں اگر مصریوں کے مذہبی یا ملکی خیالات میں کچھ ترقی ہوئی تو وہ محض قوم کی عقلی کوششوں کا نتیجہ تھا جیسا کہ خود مسٹر [illegible] ذیل کے حاشیہ [illegible] ان کو [illegible] صورت میں شائع ہونے [illegible] اضافہ کیا گیا تسلیم کرتے ہیں۔ وہ حاشیہ یہ ہے مضمون [illegible] ۱۸۸۲ء کے واقعات سے پہلے لکھا گیا تھا۔ جن واقعات نے اسلامی [illegible] کی رہبری [illegible] کے ہاتھ سے چھین لیا ہے۔ مگر مصر میں آزادی خیال کو نئی تحریک ہوئی اور [illegible] لگا دی ہے۔

مالکیوں کو فوق الفطرت باتوں پر سچے دل سے ایمان ہے۔ علیمانہ خواب دیکھنا اور کرامات مشاہدہ کرنا اُن کی
روز مرہ کی بات ہے۔ افریقہ کے عرب اپنے خاص عربستانی بھائیوں کے برخلاف نماز روزہ کے اتنے
بہ صحت پابند ہیں اور ایام حج میں اُن سے بڑھکر دیندار اور مرتاض مسلمانوں کی کوئی جماعت نہیں
دیکھی جاتی۔ الجزائر اور مراکو میں متمول نوجوان کے لئے مسجد تعمیر کرانا ایسی ہی معمولی بات ہے جیسا کہ اُس کا
گھوڑوں کا ایک بڑا اصطبل رکھنا۔ ایسا کرنے سے دنیا میں اُس کی وجاہت قائم ہوجاتی ہے اور باثمار ہونا
لوازمات زندگی میں داخل سمجھا جاتا ہے۔ اخلاق کے متعلق جہاں قرآنی احکام سخت ہیں وہاں وہ (مالکی) بھی
سخت ہیں۔ اور جہاں قرآن میں نرمی کی گئی ہے وہاں وہ بھی نرم ہیں۔ شراب اُنکے نزدیک حرام مطلق ہے
بلکہ اکثر گوشت و تمباکو کے بھی تارک ہوجاتے ہیں۔ الغرض مالکی مذہب فی الجملہ قابل عزت شخص ہوتا ہے۔
اور اُسکی عزت بھی کیجاتی ہے مگر مسلمانوں میں جو اصلاحیں یہ مذہب رائج کرنا چاہتا ہے وہ ایسی
پُرانی قسم کی ہیں کہ جمہور اسلام نہ انھیں قبول کر سکتا ہے۔ اور نہ وہ موجودہ زمانہ کی اشد ضروریات کے
حسب حال ہیں۔ تاہم یہ قرین قیاس ہے کہ اگر بیداریِ اسلام نے جنگ مقدس (جہاد) کی صورت
اختیار کی تو افریقہ کی قوموں میں سب سے بڑھکر اُسمیں حصّہ لینے والی پائی جائینگی۔ طرابلس۔ ٹیونس۔ الجیریا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳) بلکہ اُن بدّوؤں کو توپوں کا مقابلہ کرنا بھی سکھا دیا جن سے پہلے اُنکی روح کانپتی تھی۔ سنہ ۱۸۳۴ء میں
فرانس نے معاہدہ کر کے اُسے امیر معسکر اور شاہ اوران تسلیم کیا۔ اور اندرون ملک کی تجارت کے محاصل کا ٹھیکہ بھی اُسی کو دیدیا۔
اس معاہدے سے باشندگان الجیریا کی نگاہوں میں اُسکی وقعت اور بڑھ گئی۔ وہ اپنے سردار کو لازمی طور پر قابل ترین امیر
سمجھنے لگ گئے۔ اُس نے دشمنوں سے بزور شمشیر اپنی حکومت کو تسلیم کرالیا۔ مگر شومی بخت سے اُسکی کامیابی اُسکے چند سرداروں اور
رفقا کو نہ بھائی اور اُنھوں نے بغاوت کر دی۔ جسکو امیر موصوف نے فوراً فرو کر دیا۔ اور پندرہ برس تک وہ اپنے صوبہ
کی حدود کو فرانسیسیوں کے غصب سے محفوظ رکھے رہا۔ اور اُن سے مقابلہ کرتا رہا۔ آخر سنہ ۱۸۴۷ء میں اُس نے اس شرط پر کہ اُسے
اسکندریہ یا عکّہ شام کی بندرگاہ پہنچا دیا جائے۔ مجبوراً اپنے آپ کو بطور اسیر جنگ فرانسیسی جرنل لاموری سیر کے
حوالہ کر دیا۔ مگر [illegible] گورنمنٹ فرانس نے خلاف وعدہ کے امیر مرحوم کو ٹولون اور [illegible] کے ایک قلعہ میں نظربند کر دیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴) جو اُن طلبا کو جیب خرچ کے طور پر دیجاتی ہے معمولی کھانا خود [illegible] سے ملتا ہے لیکن چونکہ صرف
روٹیاں ملتی ہیں۔ اسلئے سالن کا اہتمام اُن کو خود کرنا پڑتا ہے۔ بہت سے طلبہ جنکو چار چار پانچ پانچ روٹیاں ملتی ہیں۔
[illegible] روٹیاں [illegible] دیکر [illegible] سالن لیتے ہیں اور اسطرح اُنکے جیب خرچ پر [illegible] بار نہیں پڑتا۔ [illegible]
[illegible] طلبا کا ایک گروہ چار چار [illegible] کے سامنے [illegible] دو دو روپیہ صف باندھکر کھڑا ہوجاتا
[illegible] روٹیاں [illegible] شروع ہوتی ہیں ایک گروہ کے بعد دوسرا گروہ آتا ہے۔ اور یہ سلسلہ کئی گھنٹہ تک قائم رہتا ہے۔

اگو ظاہری ہو یا سچا) ہر ایک جگہ بالکیوں میں پایا جاتا ہے۔ (مشہور زمانہ اور درویش صفت سرفراز) عبدالقادر
انکا سچا نمونہ ہے۔ اور انہیں درویش اور متقی لوگ جو باپ دادا سے ایسے چلے آتے ہیں بکثرت پائے جاتے ہیں۔

سلہ یہ نامور الجیریا کے صوبہ اوران (ہادران) کے قبیلہ بنی ہاشم کے سردار کا تیسرا فرزند تھا ۱۸۰۸ء میں قصبہ معسکر کے
قریب پیدا ہوا وہ ہوش سنبھالتے ہی بہت نیک نفس اور زہد و اتقا کی وجہ سے بہت بارسوخ ہوگیا۔ الجزائر کئی سو برس
تک ترکوں کے ماتحت رہنے کے بعد خرش اگلی ریاست سے خود مختار ہوگیا تھا۔ وہاں کے باشندوں نے جو عرب ترک قلولی
(ترک باپ اور موریا عیسائی کنیز ملن کی اولاد) - (عرب باپ اور دیسی عورتوں کی اولاد) یہودی حبشیان سیاہ فام افریقہ اور
قبائل (اصلی متوطن) ہیں۔ ہجری سولہویں صدی سے بحیرۂ روم و اوقیانوس میں تجارتی جہازوں کو لوٹنے کا کام اختیار
کر رکھا تھا انیسویں صدی کے شروع میں انکی تاخت و تاراج کی کوئی حد نہ رہ گئی اور بخولا چونکہ دول یورپ کی بحری طاقت
بہت ترقی پذیر ہو گئی تھی ان سے اب تحمل نہ ہو سکا اور الجیریا کو فتح کرنے کا کام فرانس کے سپرد کیا گیا سلطان روم ملک کا
بے نام مالک رہ گیا تھا۔ اسکی کوئی پروا نہ کی گئی اور نہ اسمیں اسوقت مقابلہ کی طاقت تھی۔ انگلستان و روس و
فرانس ۱۸۲۷ء میں یونانیوں کی بغاوت کے موقعہ پر کل مصری اور ترکی بیڑہ کو بمقام نوارینو بے ایمانی سے تباہ کر چکے
تھے جب یہ طاقتیں یونان کو آزادی دلا چکیں تو فرانس نے الجیریا پر فوج کشی کر دی۔ وہاں اسوقت طوائف
الملوکی برپا تھی۔ فرانس نے ساحلی علاقہ پر قابض ہو کر قدم آگے بڑھانا شروع کر دیا مگر اس جید زمانہ محب وطن نے جس
بہادری اور ثابت قدمی سے کئی برسوں تک اسکا مقابلہ کیا وہ اسکے نام کو قیامت تک زندہ رکھیگی اسکے زمانہ
طفلی کے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔ لیکن اکیس برس کی عمر میں وہ نہ فقط علم و فضل کی وجہ سے عام مشہور ہو گیا تھا
بلکہ اس عمر میں دو حج کر آنے سے اسکی عزت و بزرگی قوم کے دلوں میں بیٹھ گئی تھی ۱۸۳۲ء میں اہالی جزائر نے اسکو
اپنا امیر منتخب کیا۔ جسپر اُسنے جہاد کا اعلان کر کے مسلمانوں کو کفار کے مقابلہ کیلئے جمع ہونے کا حکم دیا ۱۸۳۳ء میں ہزارہا
مجاہد اسکے پاس جمع ہو گئے اور اُس نے اوران پر حملہ کر دیا۔ مگر متواتر حملوں میں نقصان عظیم کیا تاہم پیچھے ہٹا دیا جاتا
رہا۔ ان شکستوں کے باوجود مورخ لکھتے ہیں کہ وہ فایدہ میں رہا۔ کیونکہ ان معرکوں سے نہ فقط اسکی بہادری اور لیاقت کی دھاک بندھ گئی ۴

* بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰ - جا بجا مدرسین درس دے رہے تھے اور ہر ایک ایک کے گرد بیس تیس چالیس چالیس کا مجمع تھا۔ یہ طلبہ بیس
چالیس سے کم نہ تھے اور چونکہ پاس پاس بیٹھے تھے اسلئے اسقدر شور و غل تھا کہ کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ مجھکو خیال ہوا کہ
آج کوئی خاص دن ہے اور اسوجہ سے کثرت سے طلبا جمع ہوگئے ہیں لیکن دو چار روز میں معلوم ہوا کہ یہ معمولی حالت ہے
مجھکو خیال ہوا کہ اس ہنگامہ میں جمعیت خاطر ایک طرف مدرسین کی آواز بھی طالب علم کے کان تک پہنچتی ہے
یا نہیں جن جن ملکوں مثلاً شام۔ مغرب۔ جزیرہ۔ عراق۔ بخارا۔ خراسان۔ افغانستان۔ ہندوستان۔ وغیرہ
کے طالب علموں کے لئے رواق بنے ہیں وہاں کے لوگ ہمیشہ سوداگروں کے ذریعہ سے سالانہ کچھ رقم بھیجتے ہیں۔

اور مراکو میں جہاں کشن بھر آزاد قومیں آباد ہیں جو اب بھی یورپ کو معرض بلا میں ڈال سکتی ہیں۔ جسکا بین
ثبوت یہ ہے کہ پچاس سالہ حکومت کے باوجود فرانسیسی بدوان صحرائے افریقہ کو رام نہیں کر سکے۔

یہ درست معلوم کرنا کہ ان ریاستوں میں سے ہر ایک سے کس قدر حاجی مکہ کو جاتے ہیں مشکل امر ہے۔ مگر
یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سب سے کم الجزائر سے جاتے ہیں۔ اسکی وجہ وہ رکاوٹیں ہیں جو فرانسیسی گورنمنٹ نے پیدا
کر رکھی ہیں۔ اسکی حکمت عملی یہ ہے کہ اپنے اس صوبہ کو باقی کل دنیائے اسلام سے علیحدہ و بیگانہ کر دیا جائے
الجزائری کو حصول اجازت روانگی جدہ سے پہلے ایکہزار فرینک (۴۰ پونڈ یا تخمیناً چھ سو روپیہ) حاکم
ضلع کو (اس امر کے ثبوت میں) دکھانے پڑتے ہیں کہ اسکے پاس زاد راہ موجود ہے۔ اسکے علاوہ اور
بھی کئی ایک فضول اور بیہودہ ضابطے اس سے پورے کرائے جاتے ہیں۔ بایں ہمہ گو الجزائری حاجیوں کی تعداد

سلہ اس مضمون پر میں تاریخ خاندان عثمانیہ کے مختلف مقامات پر بحث کر چکا ہوں مگر یہاں مسٹر بلنٹ کی کلام کی تائید میں ایک
تازہ واقعہ درج کر دینا مناسب خیال کرتا ہوں۔ ناظرین سے یہ پوشیدہ نہیں ہے کہ آجکل کے زمانہ میں نری جسمانی طاقت یا
حیوانی شجاعت کارزار میں کسی کام آمد نہیں۔ موجودہ زمانہ کے اسلحہ شرربار نہ رکھنے یا اگر ہوں تو ان کے استعمال سے
ناواقف ہونیکی صورت میں دس ہزار رستم و اسفندیار بھی چند توپ و قواعد دان سپاہیوں کی پلٹن کے سامنے ہیچ ہیں۔ یہی
وجہ تھی جب طرابلس الغرب کے غیور عربوں نے ۱۸۹۷ء کی محاربہ روم و یونان کے موقعہ پر جبکہ ممالک محروسہ عثمانیہ کا ہر ایک
ذی ہوش عیسائیوں کی دستبرد سے خلافت عظمیٰ کی حمایت و حفاظت کیلئے مستعد ہو رہا تھا اس ضرورت کا احساس کیا تو انھوں نے
ہزاکسلنسی گورنر جنرل طرابلس کی معرفت امیر المومنین کی خدمت میں عرضداشت ارسال کی کہ ہم لوگوں کو ہتھیار
عطا کئے جاویں۔ اور ہمکو فوجی قواعد سکھانے کیلئے چند فوجی افسر بھیجے جاویں۔ امیر المومنین نے انکی مخلصانہ درخواست کو

سلہ ملاحظہ حاشیہ صفحہ ۲۰۔ چار برس کی قید کے بعد ۱۸۵۲ء میں لوئیس نپولین نے اسے اس شرط پر رہا کر دیا کہ وہ الجزائر کو کبھی
واپس نہ جاوے اور فرانسیسیوں کے برخلاف پھر کبھی سازش نہ کرے۔ اس نے یہ شرط منظور کر لی اور پیچھے جدہ کو اپنا مسکن بنایا۔ ۱۸۶۰ء میں جب
دمشق میں عیسائیوں کو خاک میں ملا دیا تھا اور وہ بچ رہے تو تقریباً کل فرانسیسی جو وہاں مقیم تھے تو کل دنیا کو امید تھی کہ عبدالقادر الجزائر کو جاکر
تو یہ بات حاشیہ ۳ طالب علموں کے ہاتھوں میں کوئی تولیہ یا رومال نہیں ہوتا جسطرح بھیک منگے جو کچھ ملتا ہے ہاتھ پھیلا کر لے لیتے
ہیں ان طالب علموں کا بھی یہی حال ہے۔

تعداد مدرسین

مدرسین کی تعداد چالیس سے زیادہ ہے۔ مدرس اول جو شیخ الازہر کہلاتا ہے۔ اور جسکی تنخواہ چھ سات سو یا ہزار سے
کم نہیں ہوتی نہایت معزز سمجھا جاتا ہے۔ یہانتک کہ خود حکومت اسکا پاس کرتی ہے۔ اس مدرسہ کا مجموعی خرچ دو
لاکھ روپئے سالانہ سے کم نہیں ۱۸۹۶ء میں علاوہ اس رقم کے سررشتہ تعلیم سے دو لاکھ سالانہ کی رقم
امداد منظور ہوئی۔

کچھ معمولی اور باقی مانده بالکل جاہل مطلق ہوتے۔ وہ تقریباً کل تعلیم کی یکساں سطح پر ہوتے ہیں جدہ میں
میری ایک عرب نوجوان سے ملاقات ہوگئی وہ مغربی افریقہ کے ا فرانسیسی مقبوضہ سینیگال کے علاقہ
شنقاط سے آیا تھا۔ اور نیگرو ہونیکے باوجود عالم اور تبحر حیثیت میں ایسا تھا کہ میں نے کبھی [illegible]
میں ایک سے زیادہ مرتبہ مذہبی احکام اور علم ادب کی مسائل کے متعلق دیگر اشخاص نے اس سے استفسار
کیا وہ فصیح عربی بولتا تھا۔ اور میں ایک بدو کو ایسا عالم فاضل پاکر متحیر ہوگیا مگر اس نے مجھے بتلا دیا کہ اس کا ایسا
ہونا کوئی نادر بات نہیں۔ جنوبی مراکو کے اکثر بدو قرآن شریف پڑھ سکتے ہیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ یہ لوگ
مسئلہ پر جمہور سنت جماعت سے اختلاف رکھتے ہیں تو ان کو مسلمانوں کے زمرہ میں موجودہ وقت سے زیادہ
عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ۔ اختلاف مذکورہ یہ ہے کہ وہ موجودہ خلافت کو تسلیم نہیں کرتے بنابریں جو سنی
عثمانیہ خلافت کو تسلیم کرتے ہیں وہ ان کے مخالف ہیں۔ مگر باقی تمام مسائل پر ...... پکے سنی ہیں۔

مور اور نیگرو میں صرف ایک درجہ کا فرق ہے اور یہ ایک درجہ کا فرق صرف اعلیٰ اور ادنیٰ نسل کا
فرق ہے سوڈان سے مراکو کا مذہبی اور پولیٹیکل تعلق نہایت گہرا اور مستحکم ہے بنابریں شمالی افریقہ کے ان
صوبوں کا جو سپانیہ کے ساحل کے مقابل ہیں خواہ کیا انجام ہو (یعنی خواہ وہ یورپین سلطنتوں
یا اکیلے سپانیہ کی محکومیت چلے جائیں) اسمیں کوئی شک نہیں ہو سکتا کہ مور لوگوں کا طریق مذہبی وسط افریقہ میں
ہمیشہ تک قائم رہیگا۔ یہ علاقہ اشاعت اسلام کیلئے بہترین میدان ہے۔ اور سوڈان میں اسلام کے پھیل جانیکا بہترین

[1] جیسا کہ میں کئی دفعہ بتا چکا ہوں خداوند کریم کے فضل و کرم سے اب یہ کیفیت نہیں رہ گئی۔ اسکے متعلق
میں تاریخ خاندان عثمانیہ میں بالتفصیل تحریر کر چکا ہوں۔ یہ لوگ تو پھر بھی سنت والجماعت ہیں اسوقت
امامیہ مذہب کی پیرو بھی (خواہ مصلحت وقت اور پولیٹیکل ضرورت ہی کو مدنظر رکھکر ایسا کرتے ہوں)
جو خلافت کے سرے سے قائل ہی نہ تھے۔ محبوبنا و مولانا سلطان الاعظم و خلیفہ اعظم عبدالحمید خان
ثانی الغازی کو بلا تصنع کمال خوشی و مستعدی سے امیر المومنین اور خلیفۃ المسلمین تسلیم
کر رہے ہیں۔ اس کی تصدیق خاص ایران کے مشہور و معروف سرکاری و نیم سرکاری اخبارات
اطلاع (جو طہران میں چھپتا ہے) اور ناصری (جو تبریز میں شائع ہوتا ہے) اور غیر ممالک اور ہندوستان کے
دار الخلافہ کلکتہ کے کثیر الاشاعت فارسی امامیہ اخبار نامدار حبل المتین کے مضامین پڑھنے سے بخوبی ہو سکتی ہے۔ مترجم

[2] نیگرو کے لفظی معنے سیاہ فام ہیں یعنے سیاہ فام قدیم باشندگان افریقہ۔ عربی میں انکو
حبشی کہا جاتا ہے۔ مگر حبشی کو صرف باشندہ حبش کے محدود معنوں میں نہیں لینا چاہئے۔
مترجم

ہندی مسلمان تمام دیگر مسلمانوں سے متمول ہیں۔ ہندوستانی مسلمان کو عرب کی آب وہوا سے
شمالی ممالک کے مسلمانوں کی نسبت کم خطرہ ہے (کیونکہ ہند کے اکثر حصص بھی عرب سے کچھ
کم گرم نہیں) بنابریں صاحب استطاعت ہندی عمر میں کم از کم ایک مرتبہ حج کرنے میں بمشکل
فروگذاشت کرتے ہیں۔ انگریزی گورنمنٹ (حکومت) نہ تو حج کی مزاحمت کرتی ہے۔ اور نہ
اس کی ترغیب و تحریص دلاتی ہے۔ البتہ گزشتہ چند برسوں سے ہندی حاجیوں کے اغراض
و آسائش کی طرف سے جو انگریزی رعایا ہیں قابل ملامت اور مجرمانہ غفلت کی مرتکب ہو رہی ہے
یہ بیان شاید مبالغہ آمیز ہو۔ مگر جدہ میں بیٹھے ہر ایک کی عملی التوا نہیں رہ پائی ہے اور کئی تازہ
واقعات سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ انگریزی گورنمنٹ اس معاملہ کی طرف ذرا زیادہ توجہ کرے تو وہ قرین
مصلحت ہوگا۔ برس سے زیادہ ہوا۔ ایک انگریزی کپتان کے اپنے جہاز کو جس پر حاجی سوار تھے بحر قلزم
میں چھوڑ جانے کی جو ناگوار داستان ہمارے اخبارات میں مشتہر ہوئی تھی وہ مجھے افسوس ہے کہ بالکل
درست تھی۔ مجھے اسکی نہ صرف تصدیق ہوگئی ہے۔ بلکہ اسکے متعلق ایسے دیگر کوائف معلوم ہوئے
ہیں جو کپتان کے الزامات کو اور زیادہ سنگین بناتے ہیں۔ کپتان نے یکایک خوفزدہ ہو کر بغیر کسی
معقول وجہ کے جہاز کو اس کی قسمت پر چھوڑ دیا تھا۔ (وہ خود کشتی پر سوار ہو کر جہاز سے چلدیا)
اور اگر ایک اور نوجوان جو اسکا بھتیجا تھا اور جسے بھی کپتان مذکور نے جہاز چھوڑ دینے کا حکم دیا۔
مگر اسکی انسانیت اور رحمدلی نے گوارا نہ کیا۔ بہادری اور جوانمردی نہ دکھاتا تو جہاز کے تباہ
ہو جانے میں کوئی شک نہ تھا۔ میں جدہ ہی میں تھا جب اہالی جدہ کو یہ خبر پہنچی کہ باوجود ایسے
سنگین جرم کے انگریزی عدالت نے اس انگریز کپتان کو صرف دو برس کیلئے اسکا سرٹیفکیٹ
(کپتانی جہاز) ضبط کئے جانے کی سزا دی ہے۔ اس بیجا رعایت سے ہمیں بہت برا اثر پڑا اور ہم کو سخت رنج پہنچا۔ علاوہ

ل فی زمانہ کوئی شخص بغیر اس امر کے سارٹیفکیٹ کے کہ وہ فن جہاز رانی کے متعلق کل امور سے واقف ہے
تجارتی یا مسافروں کے جہاز کا کپتان یا اور کوئی ادنےٰ عہدہ دار نہیں ہو سکتا۔ جنگی جہازوں کے افسروں کیلئے
خاص سرکاری جنگی بحری کالج اور دیگر جہازوں کے عہدہ داروں کی تعلیم و تربیت کیلئے تجارتی بحری کالج تقریباً
ہر ایک مہذب ممالک میں موجود ہیں سارٹیفکیٹ کی دوامی یا عارضی ضبطی بعینہ اسی طرح کی سمجھنی چاہئے جسطرح یہاں کی ہائیکورٹ
یا چیف کورٹ وکلاء و مختاران اور ڈسٹرکٹ جج عرضی نویسوں کی لائسنس کسی پیشہ ورانہ بدچلنی یا پیشہ کے اپنا
کچھ مدت کیلئے چھین کر انکو اتنے عرصہ کیلئے اپنے پیشہ کے التزام سے معطل کر دیتے ہیں۔ علاوہ النہائی معاملات
بحری مجرم کپتانوں اور ملاحوں کو حسب نوعیت جرم موت کی سزا تک دے سکتی ہیں۔ مترجم

فرقوں کے معتقدین کی نسبت اس قسم کے خیالات زیادہ کثرت کیساتھ پائے جاتے ہیں ۔
شافعیوں میں اخلاقی اصلاح کے خیالات بھی موجود ہیں ۔ وہ دوسروں کی نسبت زیادہ
علانیہ اپنا یہ عندیہ ظاہر کرتے ہیں کہ خاندان عثمان (نقل کفر کفر نباشد) اپنی زناکاریوں، وحشیانہ
خصایل اور ناانصافیوں کی وجہ سے اسلام کی بربادی کا باعث ہوا ہے ۔ اس بارہ میں اُن کے
خیالات عرب رسم و رواج پر مبنی ہیں، کیونکہ افریقہ سے ماسوا دیگر ممالک کے عرب[1] عموماً اسی مذہب
کے پابند ہیں ۔ یہ مذہب عیاش و بے لگام دولتمندوں کا مذہب ہونے کی بجائے نیک بخت
و متقی بزرگوں کا مذہب ہے ۔ اس مذہب والوں کا سلوک یہودیوں اور عیسائیوں سے نسبتاً
بہت نرم ہے ۔ ان کا بیان ہے کہ ہم اور یہ لوگ ایک ہی خدائے واحد کی پرستش کرتے
ہیں احکام ربانی کو جو زمانہ سلف میں اُن پر نازل کئے گئے مانتے ہیں اور واجب و ناواجب میں
جو طبعی فرق ہے اسے تسلیم کرتے ہیں ۔ یہ بیان میں شاید کچھ مبالغہ کر دیا ہو لیکن اسکا کچھ
حصہ تو یقیناً موجود ہے ۔ اور یہ خیال اُنکی طبیعتوں میں دن بدن زیادہ راسخ ہوتا جاتا ہے ۔
شافعی مذہب کا مرکز گو قاہرہ ہے جہاں کے شیخ الاسلام ہمیشہ سے اسی جماعت میں ہوتے
رہے ہیں ۔ مگر ایشیا کے اُن حصص میں بھی جہاں اسلام عرب داخلین کے ذریعہ پھیلا ہے
اسکی طاقت دوسرے مذاہب سے زبردست ہے ۔ ہندوستان اور بالخصوص حیدرآباد دکن
اور احاطہ بمبئی میں جہاں عرب آبادی زیادہ ہے جمہور شافعی المذہب ہیں ۔ حنفی المذہب زیادہ تر
یا تو وہ بڑے لوگ ہیں جو مغل فاتحین اور اُنکے متعلقین کی اولاد ہیں یا اکثر وہ علما ہیں جو بخارا کے
حنفیہ مدارس میں دینی تعلیم کی تکمیل کرنے کے عادی ہیں ۔ موجودہ صدی میں ہندوستان
کے طبقہ غربا میں وہابیہ عقاید بھی بہت کچھ راسخ ہوگئے ہیں اور چند گذشتہ برسوں سے ایک
جدید ترکی عقیدہ[2] بھی ان جماعتوں میں کسی قدر کامیابی کے ساتھ رواج پا رہا ہے ۔
مگر اسکا ذکر آگے چلکر کیا جاویگا ۔ ہندوستانی حاجی کل دیگر ممالک کے حاجیوں سے زیادہ ہوتے
ہیں ۔ انکے ملک کی آبادی بھی تمام دیگر آبادیوں سے جو ہماری فہرست میں درج ہیں زیادہ ہے علاوہ بریں

---

[1] شمالی افریقہ کے اکثر حصوں کے اور بعض حصص جنوبی عرب ۔ جزائر ملایا اور سیلون کے مسلمان زیادہ تر شافعی المذہب ہیں ۔ احاطہ بمبئی کے بوہرے بھی (جنکا ایک حصہ اسمٰعیلیہ ہے) بالعموم اس مذہب کے معتقد ہیں ۔ دیکھو کتاب حضرت سرور کائنات کی سوانح عمری اور تعلیم مصنفہ آنریبل سید امیر علی صفحہ ۱۹ ۔ مترجم

[2] غالباً شہنشاہ سلاطین کو جائز و برحق خلیفہ ماننے کے عقیدہ سے مراد ہے ۔ مترجم

جیسا کہ میں پہلے بیان کرچکا ہوں ہندوستان میں برٹش گورنمنٹ بوجہ سخت غفلت کے تمام باتوں کو اتفاق پر چھوڑ دیتی ہے باایں ہمہ بلحاظ حاجیوں کی تعداد کے ہندوستان کا اول نمبر ہے اور اگر تمام امور کو مدنظر رکھا جاوے تو اسلامی ممالک میں سے یہ نہایت اہم ملک ہے جب مغلیہ سلطنت ترقی کے معراج پر پہنچی ہوئی تھی تو یہ کسی اسلامی سلطنت سے کم نہ تھی اور گو پولیٹیکل لحاظ سے سلطنت مغلیہ کا چراغ گل ہوگیا ہے خود مذہب اسلام میں کسی طرح کا تنزل واقع نہیں ہوا اور موجودہ زمانہ میں کسی اور ملک کی نسبت ہندوستان کا مکہ سے زیادہ تعلق ہے اور وہاں بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ آیندہ یہ مسلمانوں کا ملک ہوگا بیشک یہ کہنا نامناسب نہیں کہ کسی اور چیز کی نسبت ہندوستان میں جو واقعات ہونگے وہ موجودہ اور آئندہ نسل کے مسلمانوں کی قسمت پر زیادہ اثر ڈالینگے۔

اہل ملایا جنکو گو اسلامی دنیا میں بہت اعلےٰ درجہ حاصل نہیں بوجہ اپنی تعداد و تجارت کی رونق کے یورپین مشاہدہ کرنے والوں کی آنکھوں میں اس امر سے کہ ان کی تعداد کثیر ڈچ رعایا ہے اہم ہیں۔ اگر تاریخ سے زمانہ مستقبل کے متعلق کوئی سبق حاصل ہوسکتا ہے متحدہ سالوں میں ہالینڈ اور اس کی نوآبادیات سلطنت جرمنی سے متحد ہوجاینگی میں اس امر پر مفصل بحث نہیں کرنا چاہتا مگر اتنا جتا دیتا ہوں کہ اسپر بہت توجہ دینی مناسب ہے فی الحال مالائی مسلمان مقدس مقامات کے حاجیوں سے علیحدہ رہتے ہیں ان کے ہاں علم الٰہیات کا کوئی مشہور امام نہیں نہ ہی وہ کسی خاص فرقہ کے پیرو ہیں جب وہ حج کرنے جاتے ہیں تو حد سے زیادہ کفایت شعاری کی وجہ سے لوگ ان کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں مگر مستقبل میں وہ ایک ضروری عنصر ہیں اور ان کی وقعت کا اندازہ لگانے میں اعتدال سے زیادہ کمی یا بیشی دونوں ممکن ہیں پہلے پہل ان کو اہل عرب نے مشرف بہ اسلام کیا تھا بلکہ وہ ایک حد تک عرب کی نسل سے ہیں اور جہاں تک میں تحقیق کرسکا ہوں وہ امام شافعی کے اصولوں کے معتقد ہیں اور وہ تنگ خیال نہیں جدہ کے ڈچ قونصل کا قول ہے کہ ان کی تعداد تین کروڑ ہے اور وہ جاوا اور مجمع الجزائر ملایا کے دیگر جزائر میں بہت جلد بڑھ رہے ہیں۔

چینی مسلمانوں کی نسبت رائے ظاہر کرنا بھی آسان بات نہیں میں نے اس قسم کے بعض لوگ بازاروں میں دیکھے اور ان کے متعلق تحقیق کی لیکن مجھکو اطمینان بخش معلومات حاصل نہ ہوسے ان کا زیادہ سے زیادہ اندازہ دو کروڑ اور کم سے کم پچاس

قرآن یا اصحاب نبی کی تحریری شہادت کے رو سے جائز نہیں سُنیوں سے ان کا ایک اور ضروری مسئلہ میں بھی اختلاف ہے ان کا یہ اعتقاد ہے کہ خدا تعالےٰ کی بارہ صفات بارہ اماموں کی شکل میں مجسم ہو کر نازل ہوئیں اور ان میں سے آخری امام حضرت مہدی علیہ السلام ہونگے۔ اس قسم کے مسائل کے فقیہی شیعہ بالخصوص معتقد ہیں اور متشرع شیعہ انکی زیادہ وقعت نہیں کرتے مگر یہ آخری امور مذہب شیعہ کے ضروری اجزا نہیں بلکہ فروعات ہیں ان کے رواج کی وجہ یہ ہے کہ اہل فارس بالطبع وہمی اور زود اعتقاد ہوتے ہیں جن میں شیعہ مذہب کا ہمیشہ زور رہا ہے۔

ایک شیعہ نے جو یورپ کے حالات سے بخوبی واقف ہے میرے پاس بیان کیا تھا کہ شیعان علی کا مذہب سکاٹ لینڈ کے پریسبٹرین چرچ سے مشابہ ہے یعنے وہ کسی دنیاوی یا دینی سردار کو تسلیم نہیں کرتے اور ان کی ہر ایک جماعت کو علیحدہ اختیار حاصل ہے فارس میں کوئی شیخ الاسلام یا مفتی اعظم نہیں اور شاہ فارس امام یا خلیفہ ہونے کا دعوےٰ نہیں کرتا ہر ایک شیعہ عالم جس نے کربلا یا اصفہان میں فضیلت کی پگڑی حاصل کی ہو وہ شرعی مسائل کے متعلق فتوےٰ یا راے دے سکتا ہے اور وعظ کہنے یا مسجد میں نماز با جماعت کرانے میں اسکے اختیار کا صرف یہی ثبوت ہے کہ وہ لوگوں کو تالیف قلوب کرنے کی طاقت رکھتا ہو یہ عجیب بات ہے کہ یہ فرقہ جسکی ابتدا خلافت کا موروثی حق تسلیم کرنے سے ہوئی اب کسی امر میں موروثی حق کو تسلیم کرنا نہیں چاہتا۔ میرے خیال میں اصولاً شیعہ اب بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ امام اور خلیفہ ہر زمانے میں موجود رہتا ہے مگر وہ کسی خاص شخص کو خلیفہ تسلیم نہیں کرتے اور مہدی یا رہبر کے آنے تک وہ اس عہدہ کو خالی خیال کرتے ہیں اور مہدی کی نسبت ان کا یہ اعتقاد ہے کہ وہ مذہب اسلام کو از سر نو متحد اور اس کی عظمت اور رونق کو بحال کریگا یہ خیال ایسا قوی ہو گیا ہے کہ گو شاہ ایران فارس کا مطلق العنان حاکم ہے ایرانی اس کو غاصب خیال کرتے ہیں اور وہ خود بھی اس امر کو عجیب طریقے سے تسلیم کرتا ہے تمام مسلمانوں کا یہ اعتقاد ہے کہ اگر کسی دوسرے آدمی کے گھر میں اسکی اجازت کے بغیر عبادت کی جاوے تو اس کا کچھ اجر نہیں ملتا چونکہ شاہ ایران بھی یہ تسلیم کرتا ہے کہ اسکے محل اصل میں مہدی کی ملکیت ہیں وہ کسی عالم یا مجتہد سے جو منصوص مہدی کا نائب خیال کیا جاتا ہے ان کو

لاکھ ہے مگر یہ یقینی امر ہے کہ ان کی تعداد[1] بہت زیادہ ہے سنتے ہیں کہ وہ دوسری صدی ہجری میں اس سلطنت میں قیام پذیر ہوئے اور ان کے مشنری (اور غالباً عرب نسل سے تھے) وہ تمام ملک چین میں جابجا پائے جاتے ہیں مگر زیادہ تر اندرونی حصے میں وہ اپنے مذہبی اصول اور رسومات کے پورے پورے پابند ہیں وہ ایک متحد اور معزز جماعت ہیں بلکہ وہ دوسروں سے اپنی عزت کرا لیتے ہیں چینی لوگ ان کو "ہوی سی" یا "دوجنم" کہتے ہیں اور وہ سلطنت چین کے نہایت اعلیٰ عہدوں پر مامور ہیں مگر یہ صاف ظاہر ہے کہ ان کا موجودہ زندہ اسلام سے بہت کم تعلق ہے کیونکہ پچھلے متعدد سالوں سے ہی ان میں سے خال خال نے حج کیا ہے چونکہ یہ بات یقینی طور پر معلوم نہیں کہ وہ مذہب اسلام کے کون سے فرقہ میں ہیں لیکن ان کو سنی اور شافعی مسلمانوں میں شامل کرتا ہوں غالباً وہ اسلامی دنیا سے اسی طرح الگ تھلگ ہیں جیسا ابی سینیا کا گرجا عیسائی ممالک سے علیحدہ ہے مگر ممکن ہے کہ کسی زمانے میں وہ بھی اثر ڈال سکیں کیونکہ چینی مردہ قوم نہیں ہے صرف خواب خرگوش میں مدہوش ہے کھٹکھٹھ مذہب اسلام کی فہرست میں چینی مسلمانوں کا نام سب سے آخیر شامل کیا گیا ہے۔

اب صرف چند فرقوں کا ذکر باقی ہے ان میں سے نہایت اہم شیعہ یا حضرت علی کا فرقہ ہے اس فرقہ کی ابتدا پیغمبر علیہ السلام کی وفات سے ہوئی جب بقول شیعوں کے علی کی حق تلفی کر کے ابوبکر کو خلیفہ منتخب کیا گیا میں اس تنازع کے متعلق دونوں گروہوں کی دلائل کو دوہرانا نہیں چاہتا صرف یہ کہدینا کافی سمجھتا ہوں کہ یہ تنازع اب تک موجود ہے گو یہ مدت سے شیعہ اور سنیوں کے اختلاف کا واحد باعث نہیں رہا۔

شیعہ کی ابتدا محض پولیٹیکل تفرقہ سے ہوئی مگر اب یہ فرقہ بالکل جدا ہو گیا اور قدیم اسلام سے بہت دور نکل گیا ہے سنیوں سے ان کا بہت بھاری اختلاف مندرجہ ذیل امور میں ہے اوّل وہ خلافت اور ہر طرح کے مذہبی اقتدار کو تسلیم نہیں کرتے۔ دوم وہ مذہبی معاملات میں علما کے آزادانہ اجتہاد کو تسلیم کرتے ہیں۔ سوم۔ وہ اپنے توہمات کے معتقد ہیں جو

[1] چینیوں نے یونان اور کاشغر میں مسلمانوں کی بغاوتوں کو نہایت سختی سے فرو کیا۔ اسکی وجہ سے اسلامی آبادی عارضی طور پر بہت کم ہو گئی ہے۔ لیکن یہ یقینی امر ہے کہ وہ سلطنت چین میں مستقل طور پر ترقی کر رہے ہیں۔

امر کا ثبوت یہ ہے کہ وہ اماموں کی نہایت عزت و تعظیم کرتے ہیں اور ان کے معجزوں کو برحق سمجھتے ہیں اخلاقی پہلو سے بھی ان میں افراط و تفریط پائی جاتی ہے یعنے سخت رہبانیت اور شرمناک عیاشی۔ اسلام کا کوئی فرقہ ایسا نہیں جو شیعوں کی نسبت حج کے فرض کو زیادہ خلوص دلی سے۔ یا نماز وضو اور دیگر رسوم کو جو ان کے ہاں مقرر ہیں۔ زیادہ پابندی سے ادا کرتا ہو مگر طرہ یہ کہ ایرانی حاجی جو پیدل مکہ کو جاتے ہیں۔ وہاں جا کر بھی شراب پینے سے تامل نہیں کرتے اور ایرانی اخلاقی تنزل ہر جگہ ضرب المثل ہو گیا ہے۔

ان تمام حالات کو مدنظر رکھکر کہہ سکتے ہیں کہ شیعہ فرقہ سے امید و بیم دونوں ہو سکتے ہیں مگر ان کی آیندہ قسمت سے خاص اسلام کو بعید تعلق ہے ان کی مردم شماری غالباً ایک کروڑ پچاس لاکھ سے متجاوز نہیں اور اس میں بڑھنے کا کوئی میلان نہیں پایا جاتا فارس سے باہر دس لاکھ شیعہ اعراق عرب میں متعدد شام اور افغانستان میں اور زیادہ سے زیادہ پچاس لاکھ ہندوستان میں ہیں ان کی ایک چھوٹی جماعت مدینہ کے قرب وجوار میں اب تک پائی جاتی ہے جہاں ان کو اسلام کے ایک رکن کے طور پر تسلیم نہیں کیا جاتا گو ان سے مذہبی سرد بازاری کی جاتی ہے اور مغرب کے اکثر بڑے بڑے شہروں میں بھی متعدد شیعہ پائے جاتے ہیں۔ مگر شیعان علی ہر ایک مقام میں باقی ماندہ اسلام سے علیحدہ بلکہ تقریباً اس کے مخالف رہتے ہیں مگر یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ گذشتہ پچاس سال سے شیعہ اور سنیوں کا مذہبی عناد محسوس طور پر کم ہو رہا ہے۔

اسلام کا دوسرا نہایت اہم نیا فرقہ عبادیہ ہے بعض کا یہ خیال ہے کہ یہ فرقہ خوارج کی شاخ ہے جو سید علی کے زمانہ میں خلافت سے علیحدہ ہو گیا اور عراق میں سخت جبر و تعدی سہنے کے بعد آخر عمان میں پناہ گزین ہوا ان کے موجودہ مسائل خواہ کچھ ہوں ابتدا میں وہ شیعوں کی طرح پولٹیکل وجوہات سے اسلام کے دیگر فرقوں کے مخالف ہو گئے ان کا یہ اعتقاد تھا کہ جب تک کوئی مسلمان ملحد نہ ہو وہ امام منتخب ہو سکتا ہے اور الحاد یا بدچلنی کی بنا پر معزول کیا جا سکتا ہے بلکہ ان کا یہ خیال ہے کہ امام کی اشد ضرورت نہیں ہے فی الحال صرف وہ عمان اور زنگبار میں پائے جاتے ہیں جہاں ان کی تعداد چالیس لاکھ بیان کی جاتی ہے گذشتہ صدی تک

اجارے یا کرایہ پر لیتا ہے۔ اور اس کا خیال ہے کہ جب تک یہ رسم ادا نہ کی جاوے۔ اس کو نماز یا عبادت کا کوئی اجر یا روحانی فایدہ حاصل نہ ہوگا۔

پس جب شیعہ مذہب کے اصول اس قسم کے ہیں اور ان میں منطقیانہ استدلال کا بھی میلان ہے تو ان میں اختلاف کا ہونا ایک لازمی امر ہے اعلے تعلیم یافتہ شیعہ وحدانیت کا وعظ کہتے ہیں مگر بعض عوام پر اثر ڈالنے کے خیال سے معجزات اور توہمات کے مبالغہ آمیز فسانے بیان کرتے ہیں اور سنی ان کی ہمیشہ تضحیک کرتے ہیں مگر شیعہ کے چند قابل تعظیم اعتقادات بھی ہیں ازانجملہ فارس میں یہ عام خیال پایا جاتا ہے کہ اسلام کی اصلاح عنقریب ہوگی اور ان کو توقع ہے کہ کسی وقت اور کسی حصہ دنیا سے ایک نیا رہبر ضرور آئیگا۔ چنانچہ بعض لوگ ملہم اور من جانب اللہ ہونے کا دعوے کرتے ہیں۔ ایم۔ ڈی۔ گوبی نیو نے اپنی کتاب مذاہب ایشیا میں بابیوں کی تاریخ بخوبی بیان کی ہے اور فارس میں اسی قسم کے واقعات اکثر پیش آتے رہتے ہیں۔

جدہ میں میری ایک اعلے تعلیم یافتہ ایرانی جنٹلمین سے ملاقات ہوئی اس نے بیان کیا کہ میں نے بچپن میں غالباً بمقام تبریز ایک مذہبی اعجوبہ دیکھا تھا ایک شخص نے پیغمبری کا دعوے کیا اور شاہ کی گورنمنٹ نے اسکے واسطے موت کی سزا کا حکم دیا اس شخص کو مع اس کے دو رفیقوں کے ایک صلیب سے باندھ دیا گیا جس پر وہ کئی گھنٹوں تک آویزاں رہا بعد ازاں شاہی فوج کے سپاہیوں نے اسکی طرف بندوقیں داغنی شروع کیں پیغمبر کے دونوں رفیق پہلی ہی باڑھ سے مر گئے مگر خود اسکا بال تک بھی بیکا نہ ہوا اور تعجب یہ ہے کہ گولیوں کے لگنے سے وہ رسیاں جن سے وہ جکڑا ہوا تھا ٹوٹ گئیں اور وہ پاؤں کے بل زمین پر آپڑا ایک ایرانی جنٹلمین نے ایک دفعہ میرے سے کہا تھا تم عیسائی لوگ یہ کہتے ہو کہ عیسےٰ خدا کا بیٹا تھا اور اسکو عجیب خیال کرتے ہو مگر ہمارے ہاں یہ معمولی بات ہے میرے اس قول کو باور کرو کہ ہمارے تقریباً ہر ایک گاؤں میں خدا کے بیٹے پائے جاتے ہیں

پس شیعہ کے اعتقاد میں افراط و تفریط پائی جاتی ہے یعنی مسلمانوں میں کوئی فرقہ بھی ایسا نہیں جو اہل فارس کی طرح یورپ کی سطحی دہریت کو تسلیم کرنے میں زیادہ مستعد ہو اور ان کی نسبت اسلام کا کوئی زیادہ سرگرم اور سچا معتقد بھی نہیں اس

بجائے کفر کا زور ہوتا جاتا ہے سیاسی اور مذہبی پہلو سے اسلامی دنیا خواب خرگوش میں مدہوش تھی جب یہ اچانک بیدار ہوگئی اور ایک نوجوان دیو کی طرح جو سو کر تازہ دم ہو گیا ہو مذہب اسلام پھر عرب میں نمودار ہوا عبدالوہاب نے وعظ تلقین سے اصلاح شروع کی کٹ ملاؤں کا یہ مقولہ تھا کہ مذہبی امور میں تحقیق کا دروازہ بند ہوگیا ہے۔ عبدالوہاب نے اس قول کی تردید کی وہ خود مجتہد بنا اور ایک نئے فرقہ کی بنا ڈالی جو حنفی مالکی اور شافعی فرقوں سے بالکل علیحدہ و جدا تھا اور اس کا نام فرقہ موحدین رکھا یہ نام اب تک بھی وہابیوں کو مرغوب ہے اس نے رسول اللہ کے اصحاب کی احادیث کے سوا تمام کی بالکل تردید کی اور کہا کہ پہلے چار خلفا کے سوا کسی کو شرعاً خلیفہ منتخب ہونے کا حق حاصل نہیں تحریری قانون صرف قرآن شریف میں ہے اور اسلام اسی طرح پاک صاف ہونا چاہئے جیسا کہ یہ پہلے دس سالوں میں تھا اس لئے پولٹیکل لحاظ سے اسلام کو نجد میں اسی طرح قائم کیا جیسا کہ مدینہ میں اسکی بنا ڈالی گئی تھی اور وہ اس کو کل عرب بلکہ دنیا بھر میں پھیلانا چاہتا تھا میرے خیال میں مسلمانوں کو اب یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ عبدالوہاب کامل کامیابی کے کسقدر قریب پہنچ گیا تھا۔

اٹھارہویں صدی کے اختتام سے پیشتر ابن سعود کے سرداروں نے جو موحد اسلام کے حامی تھے تمام شمالی عرب پر دریائے فرات تک اپنا تسلط بٹھا لیا۔ اور ۱۸۰۸ء میں وہ مکہ اور مدینہ پر قابض ہوگئے۔ اس اثنا میں وہابی مسائل کو جا بجا روز افزوں ترقی ہو رہی تھی۔ ہندوستان کے تمام مسلمان اس فرقہ میں عنقریب شامل ہوا چاہتے تھے۔ اور مصر۔ شمالی افریقہ بلکہ ٹرکی میں بہت سے مسلمان در پردہ اس کے مسائل کے معتقد ہوگئے تھے۔ مگر عام اصلاح کی تجویز اور اسکی پوری تکمیل میں دو وجوہات مانع ہوئیں۔

اوّل اصلاح سے مروج اصولوں کو بالکل نیست و نابود کرنا مرکوز تھا اسمیں یہ مدنظر نہ رکھا گیا تھا کہ موجودہ زمانے میں خیالات کہاں تک ترقی کر گئے ہیں اور جب عرب سے باہر اصلاح کی کوشش کی گئی تو ایسی مشکلات پیش آئیں جن کو صرف پولٹیکل فتح مذہبی کامیابی ہی مغلوب کر سکتی تھی دنیا کو شمشیر کے زور سے (عرب بنانا ناممکن تھا تاہم ایسا کرنے کا ارادہ کیا گیا تھا دوسری غلطی یہ ہوئی کہ جزئیات اور فروعی امور پر بہت زور دیا جاتا

ان کے ہاں اس شخص کو امامت کا عہدہ دیا جاتا تھا جو اس کے لائق ہو بکر ابوسعید
کے خاندان کے جانشین ہونے پر امامت اسی کے خاندان میں موروثی ہو گئی
سُنیوں سے وہ بالکل میل جول نہیں رکھتے مگر مجھے یہ معلوم نہیں ہوا کہ انکے مسائل کیا
عام مسلمانوں کے واسطے بالخصوص مضر ہیں ان کے اختلافات محض فروعی ہیں وہ عمر کے
بعد خلافت کو تسلیم نہیں کرتے اور سُنی مذہب کی بے شمار فضول احادیث کو نہیں مانتے

ان سے مشابہ مگر علیحدہ یمن کے زیدیہ مسلمان ہیں وہ بھی غالباً خوارج کی نسل سے
ہیں لیکن چونکہ زیدیہ اپنے الحاد کو چھپاتے ہیں اور حج کے موقع پر اپنے آپ کو سُنی
بیان کرتے ہیں مجھے ان کے زیادہ حالات معلوم نہ ہو سکے دس سال گذرے کہ وہ صنعا
کے اماموں کے ماتحت آزاد تھے اور یہ بھی یقینی امر ہے کہ وہ خلافت کو تسلیم نہیں کرتے
ترکوں کے عرب کو فتح کرنے سے پیشتر ان اماموں کا حجاز میں پورا پورا اقتدار تھا
اور بغداد کی خلافت کے نابود ہونے پر انھوں نے حامی الحرمین کا لقب اختیار کیا مگر اب
ترک صنعا پر قابض ہیں اور امام کا عہدہ موقوف ہو گیا ہے زیدیہ فرقہ کے پیروؤں
کی تعداد بیس لاکھ سے زیادہ نہ ہو گی اور زمانہ مستقبل میں انکی وقعت کی یہ وجوہات
قرار دیجا سکتی ہیں کہ جغرافیہ کے لحاظ سے وہ مکہ معظمہ کے قریب ہیں اور آزادی
رائے اور اصلاح اخلاق کے موید ہیں مگر زیدیہ یا عبادیہ کے اپنے ملکوں سے باہر
پیرو نہیں ہیں۔

وہابیوں کا زیادہ تفصیلی ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ گو پہلے کی نسبت انکی
تعداد اور پولیٹیکل وقعت کم ہے۔ انکی اصلاحی تحریک کا جوش اب تک باقی ہے۔ اور
زمانہ حال کے محمدی خیالات پر اسکا بڑا زبردست اثر پڑ رہا ہے۔ میں نے عرب
میں اسکے مدوجزر اور نجد میں اس کے تنزل کے تاریخی حالات کسی اور مقام پر
بیان کئے ہیں۔ مگر یہاں ان کا مختصر ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

گذشتہ صدی کے ابتدائی نصف حصہ میں مذہبی امور کی طرف سے اسلامی ممالک
میں عیسائی ممالک کی طرح غفلت پائی جاتی تھی مسلمانوں کو اپنے ایمان اخلاق اور مذہبی
رسومات کے ادا کرنے کا کچھ خیال نہ تھا اور یورپ کے لوگ سمجھتے تھے کہ جو مذہب
مکہ سے شبعی شان وشوکت کے ساتھ نکلا تھا اب وہ کہولت کو پہنچ گیا ہے اور اس کی

نہیں ہوئی مگر اصلاح کی واقعی خواہش پیدا ہو گئی ہے اسلام اب سویا ہوا نہیں اور اگر کوئی اور مگر زیادہ دانا عبدالوہاب الحاد کی بجائے اسلام کے ٹھیٹھ فرقہ میں نمودار ہو تو اس کو ضرور کامیابی ہوگی۔

فی الحال وہابیوں کے فرقہ کو تنزل ہو رہا ہے ہندوستان میں اور جہاں تک میرا خیال ہے جنوبی ایشیا کے دیگر حصوں میں اُن کے واعظ یا پیشوا کے ہمراہ ان کی بہت تعظیم و تکریم ہوتی ہے لیکن خود ان کے وطن مالوف عرب میں ان کا جوش سرد پڑ گیا ہے اور وہ زیادہ آزاد خیال ہو گئے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ عربوں کے دماغ میں آزاد خیالی کی ہی زیادہ صلاحیت ہے ابن سعود کے خاندان کو نجد میں اول درجہ کی وقعت حاصل نہیں اور ابن رشید جو ان کا جانشین ہوا ہے گو برائے نام وہابی ہے مگر وہابیوں کی طرح متعصب نہیں فی الحقیقت وہ ایک ہر دل عزیز اور قومی لیڈر ہے اور مذہبی امور سے زیادہ دلچسپی نہیں لیتا اور گو قسطنطنیہ میں اس کو مفسد بلوہ کہتے ہیں زیادہ تر اہل سنی اس کو اپنا معاون خیال کرتے ہیں غالباً وہ اصلی خاندان قریش کے کسی خلیفہ کی اطاعت سے انکار نہ کریگا لیکن اس امر پر ہم اس باب میں بحث کرنا نہیں چاہتے۔

وہابیوں کو شامل کرنے کے بعد اسلام کی مردم شماری ختم ہو جاتی ہے میرا خیال ہے کہ اس تخمینہ سے ہم کو یہ بات خاص صحت سے معلوم ہو گئی ہے کہ محمدی دنیا میں کون کون سی قوتیں ہیں اور گو ان کا تخمینہ لگانا دلچسپ کام نہیں مگر میرے خیال میں غیر مفید نہ ہوگا اس کے بغیر موجودہ اسلام کے سوال کو صاف صاف طور پر معلوم یا اس کا حل کرنا ناممکن ہوگا۔ مگر ہمارے پاس اس سے زیادہ دلچسپ مصالح بھی ہے۔ اور آئندہ باب میں ناظرین کے سامنے خلافت کا ضروری مسئلہ پیش کرونگا اور یہ بیان کرونگا کہ خاندان عثمان کو محمدی دنیا سے کیا تعلق ہے۔

دوسرا باب

موجودہ زمانے میں خلافت کا سوال

۱۵۱۵ء مطابق ۹۲۱ ہجری کے قریب سلیم عثمانی ترکوں کا بادشاہ اور قسطنطنیہ کا شہنشاہ ہے

تھا۔ بجائیکہ پیغمبر عربی کی دوراندیشی تھے اس سے اجتناب کیا جاسکتا تھا۔ جو سرگرمی کے ساتھ دوراندیشی کو ہمیشہ مدنظر رکھتے تھے۔ عبدالوہاب میناروں اور مقبروں کو بدعت سمجھتا تھا کیونکہ اسلام کے ابتداء میں دونوں کا نام و نشان نہ تھا لیں ہر ایک مقام میں مسجدوں کے مینار گرا دیئے گئے اور جب اسکے پیروؤں نے حجاز کے مقدس مقامات پر قبضہ کر لیا تو اولیا کے مقبرے جن کی صدیوں سے زیارت اور حرمت ہوتی چلی آتی تھی مسمار کر دیئے گئے بلکہ مدینہ میں نبیؐ کے روضہ مبارک کو منہدم کر کے اس کی تمام نقدی نکال کر ابن سعود کے سپاہیوں میں تقسیم کی گئی اس سے تمام مسلمان ناراض ہوگئے اور وہابیوں کا اقبال کم ہونے لگا اب مسلمان ان کو پہلی سی عزت و ادب کی نگاہ سے نہ دیکھتے تھے۔ اور ان کو پھر اخلاقی اور تمدنی مصلحوں کا منصب نصیب نہ ہوا۔ پولیٹیکل پہلو سے بھی یہ امر ان کی تباہی کا باعث ہوا بیرونی اسلامی دنیا ان کو وحشی اور مرتد و ملحد خیال کرنے لگی مسلمان مکہ میں جانے سے ڈرتے تھے حاجیوں کی اسقدر قلت ہوگئی کہ اہل حجاز ہراساں ہوگئے ان کی آمدنی کا ذریعہ منقطع ہوگیا اور معلوم ہوتا تھا کہ اب ان کو ایک کوڑی وصول نہ ہوگی اس حالت میں انھوں نے قسطنطنیہ میں مرافعہ کیا اور سلطان کو یہ ترغیب دی کہ بدستور سابق مقدس مقامات کی سرپرستی اختیار کرے مابعد کے واقعات کو تمام دنیا جانتی ہے صلح پیرس کے بعد سلطان محمود نے محمد علی کو مکہ اور مدینہ کے وہابی ملحدوں سے چھڑانے پر مامور کیا اور انہی مناسب وقت کے بعد ان کو چھوڑا لیا نجد میں جنگ ہوتا رہا وہابیوں کا پایہ تخت درعیہ تاخت و تاراج ہوگیا اور خود ابن سعود قید ہو کر قسطنطنیہ میں مسجد ایا صوفیا کے سامنے قتل کیا گیا اس طرح اسلامی اصلاح کی تحریک شاید ایک اور صدی تک ملتوی ہوگئی۔

مگر عبدالوہاب نے جو تخم ریزی کی تھی وہ بالکل بے ثمر نہیں رہی بطور ایک پولیٹیکل اصلاح کے وہابیت کو ناکامی ہوئی ہے مگر اصلاح کا جوش باقی ہے بلکہ یہ کہ سکتے ہیں کہ اسلام میں فی زمانہ بیچینی اور امید کے جو آثار پائے جاتے ہیں وہ اس تحریک کا بالواسطہ نتیجہ تھے جس طرح یورپ میں لوتھر کی اصلاح کو عیسائی گرجا کے تبدیل کرنے میں ناکامی ہوئی۔ مگر اس سے واقعی اصلاح ہوگئی اسی طرح وہابیت سے گو مسلمانوں میں خود اصلاح پیدا

المختصر تاریخی لحاظ سے موجودہ خلافت کی بنا اس طرح ہوئی ہے اور اب سلیم کی اولاد میں سے
سلطان عبد الحمید نے وہ لقب اختیار کئے ہیں جو اوپر بیان ہو چکے ہیں اس وقت جب سلطان
سلیم کی وفات کو قریباً چار سو برس گزر چکے ہیں اور ہمارے پاس اس کے زمانہ کی مفصل
تاریخ موجود نہیں سلیم کے مذہبی و عماری کے اثر کا صرف قیاسی اندازہ لگایا جاسکتا ہے پہلی
اس کو دوست اور دشمن سب غاصب خیال کرتے ہونگے کیونکہ اس سے پیشتر کسی شخص
نے جو خاندان قریش کا رکن اور بدیں وجہ پیغمبر عربی کا رشتہ دار نہ تھا اس کے روحانی وارث
ہونے کا ہرگز دعوے نہ کیا تھا بلکہ تمام ازمنہ میں مذہب کے ایمہ اور ان کے پیروؤں کا
یہ مقولہ تھا کہ خلافت کے واسطے خاندان قریش کی اولاد میں سے ہونا پہلی شرط ہے لیکن یہ
کرسکتے ہیں کہ عثمانی شہنشاہ کی اس غاصبانہ کارروائی کو اس کی ممالکت کے باشندوں
اور بیرونی جہال نے تائید کی نظر سے دیکھا ہوگا۔
سلیم اسلام کا ایک بارعب بادشاہ تھا اور شمال میں اس کی شان و شوکت اور فتح و نصرت
سے سب کی آنکھیں چندھیا گئی تھیں مسلمان اسکو اور اس کے خاندان کو اپنے پولٹیکل اقبال
کے دوبارہ رونق دینے والے اور عیسائیوں کے برخلاف اپنے مذہب کے حامی سمجھتے ہونگے
اور یقینیوں نے اسکے واسطے مقررہ قاعدے سے تجاوز کرنے میں اپنے مذہب کی آیندہ
بہبودی خیال کی ہوگی۔ سلیم اس سے پیشتر ہی اسلام کے ایک حصہ کثیر کا دنیاوی
آقا تھا۔ اس طرح اس سے یہ توقع بھی کیجا سکتی تھی کہ وہ روحانی بادشاہت کو بحال
کردیگا۔ علاوہ بریں سولھویں صدی کے مسلمان لقب خلیفہ سے مانوس نہ تھے۔ اور سلطان
کا لقب جو سلیم اس سے پیشتر اختیار کرچکا تھا۔ جہاں تک ان کو معلوم تھا۔ نہایت
اعلےٰ دنیاوی اختیار پر دلالت کرتا تھا۔
ان دنوں میں اگر خلافت کی موجودگی کو تسلیم بھی کرلیا جاے۔ تو بھی سلطانی منصب کی
نسبت اسکا رعب و داب کم تھا۔ اور بغداد کے تباہ ہونے کے زمانہ سے دونوں گڈمڈ
ہوگئے۔ اور اب تک بھی انمیں تمیز نہیں کیجاتی۔ اور لوگ خلافت کا عام استعمال نہیں کرتے
اس طرح دمشق قاہرہ اور مدینہ کے نئے سلطان کے واسطے مشکل نہ تھا کہ اپنے آپ کو عوام
کالانعام کے سامنے نہ صرف خلفائی مقبوضات بلکہ خلیفہ کے لقب اور روحانی منصب کا وارث
ثابت کرے۔ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے پہل زمانہ مابعد کی طرح عثمان سلیم کے پردادا اور عثمانی خلیفہ

زمانہ میں اسلام کا نہایت زبردست بادشاہ تھا اور اپنی حکومت کے مزید استحکام کے واسطے
اس کو یہ خیال آیا کہ اپنی ذات سے خلافت کی شان و شوکت کو دوبارہ رونق دے وہ کئی
وجوہات سے بحیثیت مسلمانوں کا حامی ہونے کا دعوے کر سکتا تھا اول وہ اس محمد ثانی کا پوتا
تھا جس نے مشرق کی رومی سلطنت کو ملیامیٹ کر دیا تھا اور دوسرے وہ ابھی ابھی شاہ
فارس شیعان علی کے سردار کے برخلاف کامیاب محاربہ سے فارغ ہوا تھا سُنی ممالک میں صرف
سلطان الہند یا مغل اعظم سلطان الغرب یا شہنشاہ مراکش اور مصر کا مملوک سلطان جو اسوقت
اپنے جبروت کی وجہ سے سلطان مشہور تھا۔ اسکے رقیب تھے۔

سلیم نے ان میں سے پہلے دو کا اس وجہ سے کہ وہ اسلام کے ممالک بعیدہ کے حکمران تھے۔
کچھ خیال نہ کیا۔ لیکن اس نے مصر پر چڑھائی کی سنہ ۱۵۱۶ء میں اسکے سرحدی صوبہ شام پر حملہ
کیا اور سنہ ۱۵۱۷ء میں وہ قاہرہ میں داخل ہوا اس نے مملوک فرمانروا قانصو الغوری کو قید
کر لیا اور علانیہ اس کا سر قلم کروا دیا بعض مورخوں کا قول ہے کہ اس کو قانصو کا سر ایک
سپاہی نے جس نے اس کو میدان کارزار میں اپنے گھوڑے سے زمین پر گرنے کے بعد (کیونکہ
سلطان ایک بوڑھا آدمی تھا) قتل کیا تھا۔ لا کر دیا تھا۔ بعد ازاں خاندان عباس کی
اولاد میں سے ایک شخص نے جس کا نام متوکل ابن عمر الحاکم تھا جو قاہرہ میں برائے نام خلیفہ
تھا اس کو اپنے حقوق دیدیئے اور اس مشکوک بنا پر سلیم نے یہ طویل نام اور لقب اختیار کیا
سلطان السلاطین و حاکم الحاکمین مالک البحرین وحامی البرین خلیفہ رسول اللہ امیر المومنین
وسلطان وخان اس نام اور لقب کے معانی عربی خوان ناظرین کو ترجمہ کرنے کے بغیر معلوم
ہو سکتے ہیں اور اردو خوان بھی قیاساً معلوم کر سکینگے صرف یہ بتا دینا کافی ہے کہ البحرین سے
بحیرہ روم اور بحیرہ قلزم اور البرین سے حجاز اور شام یعنے اسلام کے مقدس مقامات مراد
ہیں کہتے ہیں کہ سب سے اول سنہ ۱۵۱۹ء میں حلب کی مسجد ذکریا میں گیا۔ تو اول ہی اول اپنا نام
خطبہ میں سنکر خوش ہوا۔

میں یہ نہیں کہ سکتا کہ یہ تاریخیں بالکل صحیح ہیں۔ ترکی مورخ سلیم کی وفات سنہ ۹۲۶ ہجری میں
بتاتے ہیں جو سنہ ۱۵۲۰ء کے مطابق ہے۔ مجھے اس میں بھی شک ہے کہ آیا سلیم نے خادم الحرمین کے سوا کوئی
اور لقب اختیار کیا تھا گو اس کے جانشین حامی کہلاتے ہیں۔ مکہ معظمہ میں سلیم کی ذات سے
پانچ سال بعد عثمانیہ خلافت تسلیم کی گئی۔

وضعدار بادشاہ تھا اور ایک حد تک تسلیم ہوتا تھا یہ زمانہ صرف تیس سال تک رہا اور اس میں صرف چار بڑے بڑے خلیفہ ہوئے یعنے ابوبکر۔ عمر۔ عثمان۔ اور علی اور جب مسلمان ان کا ذکر کرتے ہیں تو ان کو سیدنا کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔

دوسرا دور جو قریباً چھ سو سال تک رہا عربی حکومت کا زمانہ تھا۔ اس میں خلافت نے سوروثی دنیاوی بادشاہت کی شکل اختیار کی۔ اس کے رہبر نہ تو نہ ولی اور نہ شرع کے عالم ہوتے تھے اور وہ اپنے سابق خلیفوں سے بالکل مختلف تھے ان کی ابتدا معاویہ ابن امیہ بانی خاندان امیہ سے ہوئی اور عباسیوں کے آخری سلطان مستعصم باللہ پر خاتمہ ہوا۔

تیسرا دور زمانہ ہے جس میں دنیاوی خلافت بے سر رہی اس اثنا میں قریباً تین سو سال تک خلیفہ نے شاہی حقوق استعمال نہیں کئے اور وہ قاہرہ میں صرف بطور ایک روحانی سردار یا جیسا کہ آجکل کہنا زیادہ مناسب ہوگا بطور شیخ الاسلام سکونت پذیر رہا خلیفہ اسلام کا دنیاوی اختیار جسکی نسبت اس زمانہ میں بھی اصولاً یہ فرض کیا گیا تھا کہ وہ اس زمانہ میں بھی بلاتوقف جاری رہا اس وقت مصر کے مملوک سلطانوں اور دیگر مسلمان بادشاہوں کو حاصل تھا۔

آخری زمانہ عثمانی خلافت کا دور ہے۔

چونکہ خلافت کے متعلق تمام موجودہ دلائل میں نہایت ابتدائی زمانہ کی مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ اسکے رواج و حقیقت اور نیز خود اسلام کی پولیٹکل بنا پر غور کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ محمدی علما اور تنقید والوں کا قول ہے کہ رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے بطور ایک باغی کے ہجرت نہ کی تھی۔ جبکہ اس زمانہ میں جب انھوں نے پیغمبری کا دعوے کیا ہوا تھا۔ وہ حجاز کے ایک نہایت شریف خاندان میں جو تمام عربی خاندانوں کا سرتاج خیال کیا جاتا تھا پیدا ہوئے۔ اور ان کے دادا مکہ کے سردار تھے۔ پس ہجرت کے زمانہ میں انھوں نے اپنے اصحاب کی ایک آزاد جماعت بنالی اور خود اس کے سردار بن گئے۔ اس بارہ میں انھوں نے عرب کے قدیم دستور کی تقلید کی تھی۔ جہاں اصلی قبیلہ سے بہت سی شاخیں ہمیشہ جدا ہو کر اپنے خاندان کے کسی رکن کے زیر سایہ نیا قبیلہ بنا لیتی ہیں۔ پس اسلام ابتدا سے ہی ایک پولیٹکل اور مذہبی جماعت تھی پس محمد پیغمبر کی حیثیت میں اپنے پیروؤں کو دستور بتاتا تھا نیز بادشاہ اور حکمران کی حیثیت میں

ثالث کے نام کی اتفاقی تطابق سے بھی فائدہ اٹھایا گیا تھا۔ عوام اس نام سے پہلے ہی مانوس تھے۔ اس کو سنکر ان کو اطمینان ہو گیا۔ کیونکہ نام ہی میں سب کچھ سمجھا جاتا ہے۔ مگر علما کو قائل کرنے کے واسطے اس سے زیادہ صحیح دلائل کی ضرورت تھی۔ اور فقیہوں میں اس امر پر بڑے زور شور سے مباحثے ہوتے رہے کہ آیا عثمانیوں کو رسول اللہ کی روحانی جانشینی کا حق حاصل ہے۔ معتبر احادیث سے پایا جاتا ہے کہ جو شخص خاندان قریش میں سے نہ ہو۔ اسکو روحانی جانشینی کا کوئی شرعی حق حاصل نہیں۔ کیونکہ خود محمدؐ نے مرۃ بعد اخریٰ یہ جتا دیا تھا کہ اسکے اختیارات کا وارث صرف اسکا قبیلہ ہو سکتا ہے۔ اور ممکن نہیں کہ کوئی خاص عربی عالم اس قسم کے معین خیالات سے تجاوز کرنے کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھے مگر حنفی علما نے جو عثمانی دعوے کے بڑے بڑے حامیوں کے ریپریزنٹیٹو ہیں۔ اسکے شرعی طور پر جائز ثابت کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ اور خاندان و قومیت کی ایک بڑی بھاری رکاوٹ کے باوجود اپنے اور بنی عثمان کے واسطے معقول دلائل پیدا کئیں۔ جن کو عثمانیوں کے مخالف امیدواروں کی عدم موجودگی میں سُنی علما کی تعداد اکثیر نے تسلیم کر لیا ہے۔

مگر اس مشکل کا عملی طور پر فریقین کی باہمی مصالحت سے فیصلہ ہو گیا اور علما کے سوا سب کو یہ تنازع مدت سے فراموش ہو گیا تھا حتی کہ موجودہ قرن میں ایک پولیٹکل غرض سے اس کی دلائل کو پھر علےالاعلان اشتہار پیش کیا گیا۔ اس بارہ میں حنفیوں کی دلائل دلچسپ ہیں اور میں نے ان کو معلوم کرنے اور سمجھنے کی تکلیف گوارا کی ہے لیکن پیشتر اس کے کہ ان کو تفصیل وار بیان کیا جائے یہ بہتر ہوگا کہ قدیم زمانہ کی خلافت کی تاریخ اور اس حالت جس کا سلسلہ اختتام پا گیا مختصر طور پر ذکر کیا جائے۔

مستشرع مسلمان مصنف بیان کرتے ہیں کہ خلیفہ کے منصب میں چار جداگانہ تغیر واقع ہوئے ہیں اور اس کی تاریخ کے چار جداگانہ زمانے ہیں لفظ خلیفہ ایک عربی مصدر خلف سے جسکے لغوی معنے پیچھے چھوڑ جانا ہے اخذ کیا گیا ہے۔ پس خلیفہ کے معنے پیچھے چھوڑا ہوا اور شرع میں اس سے مراد پیغمبر کا جانشین اور اس کے دنیاوی اور دینی اختیار کا وارث مراد ہے۔

پہلے زمانہ میں خلافت ایک خالص مذہبی عہدہ تھی جب خلیفہ یا محمد کا جانشین دلی

کرنے والوں کو حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس شخص کو جو اپنے انتخاب کو ثابت کر سکے پس ووٹ
یا رائے دینے کا کوئی باقاعدہ طریقہ نہیں بلکہ بزرگ یہ معلوم کر کے کہ متوفی کے رشتہ داروں
میں سے کسی شخص کے سب سے زیادہ پیرو ہیں اسکے ہاتھ پر بیعت کی رسم ادا کر کے
اس کو سردار تسلیم کر لیتے ہیں پھر وہ اُن کا شیخ ہو جاتا ہے بعض اوقات رقیب سرداروں
کے مویدوں کی تعداد مساوی بھی ہوتی ہے اس صورت میں قبیلہ کے دو فریق ہو جاتے
ہیں جنمیں سے ایک ایک سردار کا اور دوسرا دوسرے کا حامی ہوتا ہے تاوقتیکہ
ایک سردار اپنا حق نہ چھوڑ دے ورنہ تنازعہ کا تلوار سے فیصلہ کیا جاتا ہے
خلافت کے پہلے انتخابات میں عربی قبائل کے طریقہ جانشینی کے تمام لوازمات
پائے جاتے ہیں۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ محمد صلعم نے فی الحقیقت وفات پا چکے ہیں اسلام
کے بزرگوں اور بڑے بڑے آدمیوں کی ایک جماعت عمر ابن الخطاب کے مکان میں
خود بخود جمع ہوئی جو کسی خاص عامہ حاکم کو تسلیم نہ کرتی تھی مفتی اس مجلس کو اہل
الحل و العقد کے نام سے تعبیر کرتے ہیں کیونکہ اس کے اراکین نے جانشینی کے پیچیدہ
سوال کو حل کرنے کا فرض اپنے ذمہ لیا مجلس کو ایک واقعی نازک امر کا فیصلہ کرنا تھا
ایسا امر جو عرب میں تمام زمانوں میں خانہ جنگی کا باعث رہا ہے رسول اللہ کوئی
بیٹا نہ چھوڑ گئے تھے لیکن ان کے ایک سے زیادہ قریبی رشتہ دار تھے فی بداں
اسوقت اسلام کی نئی قوم میں اندرونی تفرقہ کا اندیشہ تھا اور اسکے مذہبی اور
ملکی عنصر ایک دوسرے سے دست بگریباں ہونے کو تھے دو سب سے بڑے امیدوار
علی ابن ابو طالب اور ابو بکر تھے سابق الذکر پیغمبر کا داماد اور چچا زاد بھائی اور
موخر الذکر محمد صلعم کا خسر تھا علی ملکی اور ابو بکر مذہبی فریق کو ظاہر کرتا تھا چونکہ مدینہ میں
موخر الذکر فریق کو غلبہ حاصل تھا ابو بکر کو منتخب کیا گیا وہ زیادہ زبردست فریق کا نائب
تسلیم کیا گیا اور سرداروں نے اسکے ہاتھ پر بیعت کی اور خانہ جنگی علی کے دیانتداری
سے اس فیصلہ کو منظور کرنے سے رک گئی۔
اکثر سُنی علما اس قسم کی جانشینی کو مستند تسلیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پیغمبر کا منشا یہی تھا
اس کے بعد تین انتخاب ضروری امور میں پہلے سے مختلف نہ تھے البتہ یہ بیان کیا گیا
ہے کہ ابو بکر نے عمر کو اپنا نہایت لائق جانشین قرار دیا تھا اور اسطرح اہل العقد کو

وہ ان کے واسطے قانون وضع کرتا تھا وہ ان کا امام بھی تھا جس حیثیت میں وہ نماز باجماعت پڑھاتا تھا اور وہ ان کا امیر اور قاضی یعنے بادشاہ اور مجسٹریٹ بھی تھا اس طرح اعلےٰ دنیاوی اور دینی اختیار متحد ہو گئے اور اسلام شروع سے ہی ایک قوم اور مذہب دونوں تھا۔ جب تک محمد زندہ رہا اس حالت پر کسی نے اعتراض نہ کیا مگر اس کی وفات پر مشکلات پیش آئیں اس بات پر بہت سی بحث ہوتی رہی کہ اس واقع کے متعلق پیغمبر کے کیا ارادے تھے ابتدا میں علی کا فرقہ کہتا تھا کہ پیغمبر نے اپنے داماد کو اپنا وارث مقرر کیا ہوا تھا اور بعض کی یہ رائے تھی کہ ابوبکر نامزد کیا گیا تھا لیکن اب سنیوں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ کسی خاص شخص کو تعیناتہ نہ کیا گیا تھا اور جانشین کا فیصلہ انتخاب پر چھوڑا گیا تھا۔ بہرکیف محمد کی وفات پر اسکے پیروؤں نے انتخاب سے کام لیا جس کی جزئیات اس عربی دستور کے جس پر قانون قرآن زیادہ تر مبنی ہے بالکل مطابق تھیں۔

جب کسی عربی قبیلہ میں شیخ کا انتقال ہوتا ہے قبیلہ کے بزرگ اسکے بڑے بڑے خاندانوں اور شاخوں کے سردار اپنے کسی معتبر کے خیمہ میں جمع ہوتے ہیں اور ایک حلقہ میں بیٹھ کر متوفی کی جانشینی کے مضمون پر بحث کرتے ہیں اصولاً ان میں سے کوئی شخص جانشین منتخب ہو سکتا ہے کیونکہ قبیلہ خواہ کتنا ہی بڑا ہو وہ ایک بہت بڑا کنبہ ہے جو ایک مشترکہ بزرگ کی اولاد سے ہوتا ہے اور گو کسی بیرونی شخص کو اعلےٰ حکومت نہیں دیجا سکتی قبیلے میں سے کوئی شخص متمکن ہو سکتا ہے لیکن عملی طور پر یہ انتخاب متعدد شخصوں تک محدود ہوتا ہے عرب النسل اور خاصکر منتخب نسل کی بہت تعظیم و تکریم کرتے ہیں اس وجہ سے وہ بہ استثناءِ خاص صورتوں کے اپنے حاکموں کے خاندان کو تبدیل کرنا نہیں چاہتے اگر متوفی بالغ اور لائق بیٹا چھوڑ مرے تو وہ بحث مباحثے کے بغیر شیخ تسلیم کیا جاتا ہے اگر بیٹا موجود نہ ہو چچا بھتیجا یا چچازاد بھائی منتخب کیا جاتا ہے جب کوئی اشد ضرورت ہو مثلاً عام خطرہ یا ذکور وارثوں کی عدم موجودگی ہیں اجنبی خاندان کے رکن بھی اعلےٰ اختیار حاصل کرنے کی امید کر سکتے ہیں مزید برآں انتخاب کا کوئی یکساں کلیہ قانون نہیں ہے قبیلہ کی جماعت حق عطا کرنے کا دعوےٰ نہیں کرتی بلکہ صرف اس کی تصدیق کرتی ہے کیونکہ حق منتخب

یہ ایک بہت لائق اور خوش خلق شخص تھا اور وہ شریف النسل عربوں کی طرح اپنے اخلاق حمیدہ کو پولیٹکل
مقاصد میں مفید بنا سکتا تھا وہ چند سالوں سے شام کا گورنر تھا اور وہاں علی کی نسبت جن کے رتبہ
والقا کا شہرہ تھا زیادہ مشہور تھا اور اگرچہ اب تک شام اسلامی حکومت کا نام نہاد صدر مقام نہ
تھا مگر اصلی پایہ تخت یہی تھا لیکن معاویہ نے علی کے مدینہ میں منتخب کئے جانے کو جائز تسلیم نہ کیا
اور دمشق میں اہل العقد کے ایک مخالف فریق کو اپنا موید دیکھ کر تنازعہ کا تلوار سے فیصلہ کرنا
چاہا جس سے کہ عربی دستور کے موافق تمام دعویداروں کے آخری حق کا فیصلہ ہو سکتا ہے۔

مذہبی مصنف اتفاق رائے سے معاویہ کو اس کی بغاوت کی وجہ سے ملزم قرار دیتے ہیں اور گو وہ
اس کو علی کا جائز جانشین تسلیم کرتے ہیں اس کو چار سابق خلیفوں سے بالکل مختلف نظر سے دیکھتے ہیں
ان کا خیال ہے کہ معاویہ کی ذات میں پیغمبر کی وہ پیشینگوئی پوری ہو گئی کہ تیس سال تک اسلام
کے فرمانروا امام اور بعد ازاں ہمیشہ بادشاہ ہوں گے بیشک معاویہ مابعد کے مسلمان شہنشاہوں
کا نمونہ تھا اپنے مذہبی قانون کے رو سے سلطنت کا اعلیٰ افسر مذہب کا اعلیٰ افسر بھی ہے لیکن
معاویہ نے بذات خود مذہبی عہدہ کے فرائض انجام دینے ترک کر دیئے اپنے سابق خلفا کے خلاف
اس نے اس قسم کے فرائض کو دوسروں کے تفویض کر دیا وہ نہ ہی جماعت کراتا تھا نہ ہی وعظ
کہتا تھا اور نہ ہی ابوبکر اور باقی خلفا کی طرح وہ اسلام میں نہایت برگزیدہ اور فاضل شخص
خیال کیا جاتا تھا مزید برآں اسکے متعلق ایک اور قابل غور بات یہ ہے کہ اس نے خلافت میں
خاندانی وراثت کو مروج کیا اور اپنے حین حیات اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین نامزد کیا
گو یہ تقرر پولیٹکل لحاظ سے مفید تھا مگر مذہبی لحاظ سے مضر خیال کیا جاتا ہے اسکے مابعد کے
خلفا خواہ خاندان امیہ یا عباسی خاندانوں میں سے تھے اصل میں منتخب نہ کئے جاتے تھے گو علما ان
انتخابات کی تصدیق کر دیتے تھے اور وہ پیدائشی حق سے نہ کہ لوگوں کی رائے سے جانشین
ہوتے تھے۔

عربی خلافت کے دور کے تمام زمانہ میں صرف ایک خلیفۃ المسلمین ایسا تھا جس نے مذہبی تعلیم
پائی تھی اور متعدد ایسے بھی تھے جنہوں نے بذات خود انصاف اور دادرسی کی۔ صرف ایک
عباسی خلیفہ کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنی جماعت کرانے کے حق پر
اصرار کیا اور یہ بھی غالباً اتفاقی حسد کا اثر تھا بطور قاعدہ کلیہ کے اسلام کی دنیاوی
حکومت صدر اعظم یا وزیر اعظم کے سپرد ہوتی تھی اور جماعت کا دینی فرض نائب امام

انتخاب کرنے کی ہدایت کی ہر ایک خلیفہ کو مدینہ کے بزرگوں نے منتخب کیا تھا اور دیگر مقامات
میں اس انتخاب کو عام طور پر تسلیم ہو جانے سے اسکی تصدیق جاتی رہی۔
مگر علی کے وقت میں ایک اور اصول نمودار ہونے لگا جس سے خلافت کی ماہیت میں تغیر
شروع ہوا جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں ابوبکر کا انتخاب اس زمانہ کے مذہبی خیالات کو
غایت سے فیصلہ ہوا تھا وہ اسلام میں نہایت مقدس شخص تھا اور اس کی حکومت
شروع سے آخیر تک بالکل مذہبی تھی وہ نہ صرف مذہبی قوانین کے رو سے انصاف کرتا
تھا بلکہ ان کا شارح اور واضع تھا وہ ہر روز مجلس یا عدالت کے دربار عام میں
بیٹھتا تھا اور مذہبی اور قانونی سوالات کا فیصلہ کرتا تھا وہ مسجد میں جماعت کراتا
تھا قرآن کی تشریح کرتا تھا اور ہر ایک جمعہ کو منبر پر وعظ کرتا تھا اس کی ذات میں
وہ تمام عہدے جمع تھے جو اب شیخ الاسلام مفتی اعظم اور ایگزیکٹو حکام میں تقسیم
ہو گئے ہیں۔ وہ بادشاہ اور ملا اور مجسٹریٹ ملکی اور مذہبی قانون کا فقیہ تھا اور تمام
اصولی یا عملی معاملات میں اسکی طرف رجوع کیا جاتا تھا المختصر وہ مذہب اسلام کا
پوپ تھا اور ابوبکر کے تین جانشینوں کے وقت بھی اس سے کم نہ تھے انھوں نے
صرف اسلامی افواج کی کمان جو اس وقت دنیا کو تاخت و تاراج کر رہی تھیں اور ان
صوبوں کی حکومت ہی جو انھوں نے فتح کئے تھے اپنے نائبوں کے سپرد کی۔
مگر جب علی خلافت پر متمکن ہوئے تو ان کی اسی فرقوں نے جنکی طرف وہ پہلے امیدوار تھے مخالفت
کی درمیانی عرصہ میں اس فریق کو طاقت حاصل ہو گئی تھی۔ دنیا کی فتح سے مسلمانوں کے
دل میں دنیاوی خیالات بھر گئے تھے اور عربوں کے ان خاص قومی خیالات کی جو اب تک
مذہبی سرگرمی سے رکے رہے تھے زبردست خواہش شروع ہو گئی تھی اور یہ ایک
طبعی بلکہ اٹل نتیجہ تھا کیونکہ بہت سی مفتوح اقوام نے مذہب اسلام اختیار کر لیا
تھا اور چونکہ مسلمان اپنے فاتحوں کے مساوی ہو گئے تھے فاتحوں نے مذہب کی
بجائے نسل اور پیدائش پر فخر کیا جن کا مفتوح قوموں کو حصہ نہ ملا تھا اور جو
عربوں کی خاص وراثت تھے۔
پس قریش میں جو اب تک معاملات سلطنت میں برآوردہ تھے قومی فریق کا پلڑا
بھاری ہو گیا اور مذہبی فریق کا زور ٹوٹ گیا قومی فریق کا لیڈر معاویہ ابن امیہ تھا

بڑی ریاستوں کے فرمانروا علیحدہ تھے اور مصر پر سلاطین کا عجیب خاندان حکمران تھا اسلام کا
اعلیٰ دنیاوی سردار کہیں نہ ملتا تھا اور خلیفہ اور بادشاہ دونوں نام دنیا میں مستثنیٰ نہ تھے
ہے پیغمبر کے برائے نام جانشین قاہرہ میں گمنامی کی حالت میں رہتے تھے کیونکہ خاندان عباسیہ
کا بقیہ اسیف ار کمن اپنے خاندان کے قتل عام کے بعد یہاں پناہ گزین ہو گئے تھے
مصر کی مملوکیہ سلطنت میں برائے نام خلفا کے ٹھیک ٹھیک اختیار و اقتدار کا پتہ چلانا مشکل
ہے مگر یقینی امر ہے کہ بالعموم دنیا ان کو نہ جانتی تھی بلکہ یہ بھی مشکوک امر ہے کہ آیا انکی جانشینی
بالکل جائز اور مستند تھی ہمعصر عیسائی مصنف ان کا ذکر تک نہیں کرتے اور سر جان مینڈیول
اور دیگر مصنفوں کی کتابوں سے پایا جاتا ہے کہ مصر میں سلطان مصری مذہب اسلام کا ہیڈ
خیال کیا جاتا تھا اور خلفا کو وہی منصب حاصل تھا جو شیخ الاسلام کو قسطنطنیہ میں حاصل
ہے یعنے ان کو سلطان نامزد کرتا تھا اور مسلمانوں کو اپنا مطیع اور طرفدار کرنے میں وہ
اس کی کٹھ پتلی کا کام دیتے تھے میری رائے میں بھی ان کی یہی حیثیت تھی مگر حنفی علما ان کو
ایک طرح کا بادشاہ خیال کرتے ہیں وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ پیغمبر کی جانشینی کبھی ختم
نہیں ہوا یا دوسرے لفظوں میں اسلام ایک مسلمہ دنیاوی ہیڈ کے بغیر نہیں رہا [illegible] مصر
ہندوستان و سلیم کے زمانہ تک ترکی سلاطین یا مکہ کے شریفیہ خاندان نے بھی جو قریش
کی طرح خلافت پر شرعی دعویٰ کر سکتے تھے خلیفہ کے لقب کا دعوے نہیں کیا تیمور اور
بغداد کے مسلمان مغل فرمانرواؤں نے بھی یہ دعوے نہیں کیا۔ پس ہم یہ فرض کر سکتے ہیں کہ
جب سلیم کو خلافت کے اختیار کرنے کی سوجھی تو یہ بالکل فراموش ہو چکی تھی ۔

جب اس شخص نے قدیم منصب پر دعوے کیا تو مسلمانوں کو حیرت اور تعجب ہوا۔
تعجب اس وجہ سے کہ خلیفہ کا نام شوکت اسلام کی دیرینہ عظمت یاد دلاتا ہے۔ حیرانی
اس وجہ سے کہ خلافت کے دعوے دار کو کوئی پیدائشی حق حاصل نہ تھا مگر جیسا کہ میں پہلے
بیان کر چکا ہوں حنفی علمائے سلیم یا یوں کہو کہ اسکے جانشینوں کی حمایت کی کیونکہ سلیم
کے بعد ایک سال کے اندر رحلت کر گیا اور سنیوں کی تعداد کثیر کو یہ ثابت کر کے
خاندان عثمان اس منصب کا جو اس نے اختیار کر لیا ہے جائز طور پر مستحق ہے مطمئن
کیا ان کی بڑی بھاری دلائل حسب ذیل ہیں۔ ان کا قول ہے کہ خاندان عثمان کی روحانی یا
دنیاوی حکومت کی وجوہات یہ ہیں ۔

ہیں کہ اس سے دونوں پہلی دلائل کی نسبت زیادہ مستحکم خاندانی حق حاصل ہوجاتا ہے وہ تمام زندگی کی یہ مثالیں پیش کرتے ہیں کہ ابوبکر نے مرتے دم عمر کی بطور خلیفہ سفارش کی تھی۔

۴- دونوں مقدس مقامات یعنی مکہ اور یروشلم، مگر بالخصوص مکہ کی تولیت۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں اور فی زمانہ یقیناً یہ عام رہے ہے کہ حجاز کی بادشاہت نیابت جو خلافت کا ایک ثانی حق ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے قرن اول میں لوگوں کا یہی خیال تھا اور بیت اللہ کی حفاظت کا حق حاصل کرنے کے واسطے بہت سی خونریز لڑائیاں ہوئیں لیکن خلفا کی سلطنت سے حجاز کا بالکل قطع تعلق ہوگیا پس یہ دلیل بھی کافی اور شافی نہیں۔ دسویں صدی میں قرامطی محمد اول تیرھویں صدی میں صنعا کے اماموں اور موجودہ صدی میں سات سال تک وہابیوں کے قبضہ میں رہا۔ پھر بھی سلیم نے حرمین یا دونوں مقدس مقامات کی واقعی بادشاہت کو بطور حجت پیش کیا تھا اور موجودہ زمانے میں اس کی اولاد کے حقوق خلافت کے متعلق یہی دلیل پھر پیش کی گئی ہے۔

۵- امانت یا مقدس تبرکات پر قابض ہونا۔ یہ آخری دلیل علما کے واسطے نہیں بلکہ عوام کا دل خوش کرنے کے لئے ہے لیکن یہاں ہم اسکا کچھ ذکر مناسب سمجھتے ہیں کیونکہ فی زمانہ اسکا جاہل مسلمانوں پر زبردست اثر ہوتا ہے۔ کہتے ہیں اور خوش اعتقاد مسلمانوں کو اب تک اسبات کا یقین ہے کہ ۱۲۵۸ء میں بغداد کی لوٹ کے وقت پیغمبر اور ان کے اصحاب کے بعض تبرکات بحفاظت و سلامتی قاہرہ میں پہنچا دیئے گئے۔ اور وہاں سے سلیم ان کو قسطنطنیہ میں لے گیا۔ ان کی نسبت یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ خلافت کے عہدہ کی شاہی علامت ہیں اور ان پر قابض ہونے سے اسکا حق حاصل ہوجاتا ہے۔ وہ پیغمبر کے چوغہ جسکو اسکے سپاہی جنگ میں بطور علم بلند کرتے تھے اس کی ڈاڑھی کے چند بالوں سے اور عمر کی تلوار پر مشتمل ہیں۔ عوام کا خیال ہے کہ وہ اب تک مسجد ایوب میں بحفاظت تمام رکھے ہوئے ہیں۔ اور گو علما اب ان کی مستند ہونے پر اصرار نہیں کرتے۔ مگر ان کو سلطان کے حق کے ایک اور ثبوت کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

پس حنفی علمانے سلیم کے دعوے خلافت کی تائید میں متذکرہ صدر دلائل پیش کی

اسی کی نسبت۔ یعنی فی الحقیقت بادشاہی لقب پر قابض ہونا۔ انھوں نے یہ استدلال
کیا کہ خلافت ایک ضروری امر ہے۔ جس کو تمام متشرع مسلمان تسلیم کرتے ہیں ایسی
ضروری ہے کہ جو شخص فی الحقیقت اس لقب پر قابض ہو وہ بغیر حقدار کے دعوے کرنے
تک شرعی طور پر خلیفہ تسلیم کیا جاوے پس دعویدار میں پہلا ضروری وصف یہ چاہیے کہ وہ
دعوے کرے اور دوسرے یہ کہ ایک جماعت اس کی تائید کرے۔ سلیم نے خلافت دعوے
بھی کیا اور اپنے دعوے کی حمایت کے لئے لشکر جرار سے بھی کام لیا اس نے دنیا کو اپنا
حریف پیدا کرنے کی للکار دی مگر کوئی حریف نہ ملا یا کم از کم ایسا کوئی حریف نہ ملا جس کو حنفی
علما تسلیم کرتے تھے کیونکہ انھوں نے سلطان مصر کو تو نہ مانا تھا اور عباسیوں کی اولاد میں
سے آخری خلیفہ اپنے حقوق سے دست بردار ہو گیا تھا اس مسئلہ کی تائید میں کہ تلوار
سے حق حاصل ہو جاتا ہے انھوں نے معاویہ جس نے علی کے خاندان کے خلاف اور ابو العباس
جس نے معاویہ کے خاندان کے خلاف اسی طرح اپنا حق قائم کیا تھا کی مثالیں پیش کیں۔

۲۔ انتخاب یعنی بزرگوں کی ایک شرعی جماعت کی منظوری اس بارہ میں یہ استدلال
کیا گیا کہ اہل العقد مدینہ سے دمشق اور دمشق سے بغداد اور بغداد سے قاہرہ میں چلے گئے اسی
طرح وہ شرعاً قاہرہ سے قسطنطنیہ میں منتقل کئے گئے تھے سلیم چند علما قاہرہ کی مسجد ازہر سے
مسجد ایا صوفیہ میں لیگیا تھا اور انھوں نے ترکی علما کے ساتھ ملکر اس کو منتخب کیا
اسکے انتخاب کی تصدیق کردی تھی اس حق کی یادگار کے طور پر قسطنطنیہ میں اس زمانہ
تک انتخاب کی ایک رسم ادا کی جاتی ہے اور خاندان عثمان کی ہر ایک نئے سلطان کو جب
وہ ترکی کی دنیاوی بادشاہت کا جانشین ہوتا ہے علما کے ہاتھوں سے خلافت کی تلوار لینے
تک خلیفہ تسلیم نہیں کیا جاتا یہ رسم مسجد ایوب میں ادا کیجاتی ہے۔

۳۔ نامزدگی جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے سلطان سلیم کو عباسیوں کی اولاد کے ایک برائے
نام خلیفہ متوکل نامی نے اس خاندان کے تمام حقوق خلافت دیدئے۔ یہ ایک تاریخی امر ہے
اور استدلال میں صرف یہ نقص معلوم ہوتا ہے کہ متوکل اس لقب کو جو اسکو اپنی پیدائش
کی وجہ سے حاصل ہوا تھا ایک اجنبی کو دینے کا کوئی حق نہ رکھتا تھا اس کی مثال بالکل
ایسی ہے کہ شہنشاہ جرمنی لندن پر قابض ہو کر ڈوان کارلوس سے سپین کا تخت حاصل
کرلے یا نپولین سنہ ۱۸۰۹ء میں پایۂ تخت میں پوپ کا عہدہ لے لیتا مگر پھر بھی حنفی علما مقر

کے سول انتظام کے متعلق بعض ناقابل تغیر احکام صادر کئے۔ اور اس کا خیال تھا کہ اگر خلافت کو بھی ناقابل تغیر مشتہر کیا جاے۔ تو اس کی حکومت کی امن اور استحکام کو مزید تقویت ہو جائیگی اور اس بارہ میں حنفی علمائے بھی اس کی تائید کی۔

ترکی علما کو گیارہویں صدی میں عربی فقیہوں میں شامل ہونے کے وقت سے یہ خیال تھا کہ وہ مقدس زبان عربی سے ناواقف تھے اور چونکہ وہ طبعاً دماغی کوشش نہ کرنا چاہتے تھے انھوں نے یہ مسئلہ قائم کر رکھا تھا کہ اسلام کی اصلی عزت تقلید میں ہے اور فتووں میں وہ ہمیشہ اسناد پر بھروسا کرنے اور اجتہادی بحث کو مسترد کر دیتے تھے پس انہوں نے سلطان کی آرا کی بخوشی تائید کی مدارس میں اولین اصول پر استدلال کرنے کی باقاعدہ ممانعت ہو گئی اور موجودہ قانون کی تشریح اور اس کے مطلب کی وضاحت کے واسطے دو عہدے اختراع کئے گئے یعنے شیخ الاسلام کا شرعی مسائل اور مفتی اعظم کا عملی فیصلوں کے واسطے چونکہ عثمانی سلاطین نے شرعی مسائل کی تحقیقات کی ممانعت اور اعلی روحانی بادشاہت کے صدر مقام کو قاہرہ کے عربی دائرے سے باسفورس کے تاتاری دائرہ میں منتقل کر دیا اس کا فوری اور براہ راست نتیجہ یہ ہوا کہ سترہویں اور اٹھارہویں صدی میں اسلام کا مذہبی چرچا کم ہو گیا۔

اب ہم تاریخ خلافت کے اس زمانہ تک پہنچ گئے ہیں جب اسلام جیسا کہ پہلے باب میں بیان کیا جا چکا ہے ذہنی غنودگی میں مبتلا تھا یہ ایسی اونگھ تھی جس سے بیدار ہونا ناممکن تھا اور جس کو دیکھکر ہمعصر ازاں جملہ والٹیر بھی یہ خیال تھا کہ قریباً قریب مذہبی شکوک کا خاتمہ ہو گیا ہے سلیمان کے دائمی انتظام کے باوجود خاندان عثمان کی دنیاوی طاقت میں افسوسناک کمی واقع ہو گئی اور سلاطین کا روحانی رعب داب مسلمانوں کے دلوں سے معدوم ہو گیا۔ انیسویں صدی کے وسط تک ترکوں کی سلطنت میں بھی لقب خلیفہ فراموش ہو گیا اور دربار قسطنطنیہ بدکاری اور کفر و زندقہ میں ضرب المثل ہو گیا پس یہ آسانی سے قیاس ہو سکتا ہے کہ مذہبی خیال کے بیدار ہونے پر جس کی نسبت میں نے یہ بیان کیا تھا کہ وہابیت کی تحریک سے ہوا تھا سلطان کو اپنے حقوق خلافت کے تلف ہو جانے کا بالخصوص خطرہ تھا۔ موجودہ صدی (انیسویں) میں اسلامی دنیا کا یہ [illegible] خود غرضی کی عادت تھی تغیر کے واسطے پختہ ہو رہا تھا اور جو شخص لقب خلافت کی تجدید

تخصیص اور خاندان عثمان میں سے اس کے جانشینوں کا حق خلافت ثابت کرنے کے واسطے بھی یہی دلائل ہیں۔ اسلامی دنیا ان کو بالعموم تسلیم کرتی رہی۔ اس کی زیادہ تر وجہ یہ ہوئی کہ ترکی سلاطین ملے جن کو سیاسی اعتماد نظر تھا۔ یہ دیکھ کر کہ ان کی اپنی رعایا نے ان دلائل کو مان لیا ہے۔ اپنے مطلق العنان پڑوسیوں کے ساتھ اس سوال کا فیصلہ کرانا چاہا۔ دہلی کے مغل شہنشاہوں اور مراکش کے شرفا کو سلاطین عثمانیہ کی دنیاوی اور دینی عظمت و تفوق کے تسلیم کرنے پر مجبور نہ کیا گیا۔ اور ترکی سلطان اس قدیم لقب کو اختیار کر کے اس کا روزمرہ استعمال بھی نہ کرتے رہے۔

ہندوستان کے مسلمان خاندان عثمان کے سرگروہ کو بادشاہ یا سلطان الروم یعنی روم کا شہنشاہ پکارتے۔ اور تمام مسلمان بادشاہوں میں سے نہایت زبردست خیال کرتے تھے مگر وہ اس کو خاص طور پر اپنے مذہب کا سردار اور اپنا دنیاوی بادشاہ بھی نہ سمجھتے تھے۔ البتہ حنفی علما اس کو شرعی خلیفہ مانتے تھے۔ مگر بہت سے شافعی علما اس سے انکار کرتے تھے اور یہ حجت پیش کرتے تھے کہ خاندان قریش سے بیگانہ ہونے کے باعث اس کا دعوے ناجائز ہے۔ اور اس کی مملکت سے باہر جاہل عوام اس کے دینی لقب سے بالکل بے خبر تھے۔ بے شک اس کا الزام خود سلاطین پر عاید ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے نئے عہدہ کے دینی فرائض کو بالکل انجام نہ دیتے تھے۔ کیونکہ اس امر پر زیادہ اصرار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ خاندان عثمان نے خلافت کو صرف ایک مقصد یا مدعا حاصل کرنے کا ذریعہ گردانا تھا۔ یعنی اس کی مدد سے انہوں نے اپنے دنیاوی اختیار و اقتدار کو ایک مسلمہ بنیاد پر مستحکم کرنا چاہا تھا اور اس مدعا کے حاصل ہونے پر وہ صرف سلطان کے دنیاوی وقر و عظمت کو پیش نظر رکھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے عہدہ خلافت کے ایک لازمی حق یعنی اپنے علاقہ سے باہر ملکوں میں نائب اماموں کی تقرری یا خود اپنے مملکت میں شرعی مسائل میں دخل دہی کو استعمال نہ کیا۔ سوائے اس صورت کے کہ جب ان کی حکومت کو نقصان متصور ہو۔ اس امر کے متعلق قسطنطنیہ کے علما نے تنازعہ خلافت کا اطمینان بخش طور پر فیصلہ کر دیا۔ اور خاندان عثمان کو اس جلیل و جلال خلافت کا جو انھوں نے اختیار کر لیا تھا ہمیشہ کے واسطے وارث قرار دیا۔ اور سلطان نے علما کو یہ ہدایت کر دی کہ اس بارہ میں کبھی شرعی تحقیقات اور بحث اور اجتہاد یا راے زنی نہ کریں۔ تسلیم کے وراثت سلیمان عالیشان نے اس پر بالخصوص اصرار کیا۔ اس نے اپنے سلطنت

یورپ پر عقب کی طرف سے آپڑتا تو اس پر اس سے زیادہ تباہی اور مصیبت وارد ہوتی جو
نپولین کی لڑائیوں سے فی الحقیقت نازل ہوئی اور بوناپارٹ کا خاندان دریائے سین کی نسبت دریائے
نیل یا باسفورس پر زیادہ پایدار سلطنت کی بنا ڈال سکتا مگر موجود الوقت صورت میں یہ ایک
محض باشان تاریخی واقعہ تھا اور صرف ان لوگوں کے واسطے جنھوں نے اس کو غور سے دیکھ سمجھ کر
اس کی قدر کی مفید تھا۔

منجملہ ان لوگوں کے جنھوں نے اس کو دیکھکر سمجھ لیا محمد علی البانیہ کا جانباز تھا جب انگلستان نے
مصر کی حکومت باب عالی کے حوالے کر دی تو وہ اس صوبہ کا گورنر ہو گیا اُس نے شروع سے ہی بونا
پارٹ کو اپنا نمونہ بنایا ہوا تھا اور اس کو یہی خلافت کا خیال بھی جو نپولین کے نہایت شاندار
خیالات میں سے تھا اس سے بطور ورثہ حاصل ہوا تھا اور وہ اُس کے پورا کرنے کیواسطے
برابر کام کرتا تھا اور اس ناکامیابی میں صرف ایک چال کی کسر رہ گئی تھی سنہ ۱۸۳۹ء میں محمد علی
مکہ قاہرہ اور یروشلیم پر قابض تھا اور اس نے سلطان کو بمقام قونیہ شکست دی تھی اور
وہ ایشیا کوچک سے گذر کر قسطنطنیہ پر پیشقدمی کر رہا تھا بیشک وہ اُس جگہ اپنے آپ کو خلیفہ
مستحق کرتا کیونکہ سلطان کے مسلمہ حق خلافت کے تمام ضروری اجزا اس کی ذات میں موجود تھے
پس وہ اُن کی بنا پر بنیاد دعوے کر سکتا تھا۔

یہ بھی ممکن نہیں کہ ترک علما اس کے منصوبہ کی تکمیل میں باعث مذہبی مخالفت کرتے یہ لوگ سلطان
کی انتظامی اصلاحوں سے ہیبت زدہ ہو رہے تھے اور غالباً وہ سلطان کی سرگرمی کی حمایت
نہ کرتے اور گو محمد علی پر بھی اصلاحوں اور برے خیالات کا الزام وارد ہو سکتا تھا اسی کو
متشرع اسلام پر ایک بڑا دعوے تھا کیونکہ اس نے وہابیوں سے مکہ اور مدینہ کے مقدس
مقامات چھڑائے تھے۔ بیشک خاندان عثمان اس وقت نہ صرف بیرونی دنیا بلکہ خود حنفی
علما کو بھی مکروہ معلوم ہوتا تھا اور ممکن تھا کہ جس طرح انھوں نے پہلے سلیم کو خلیفہ تسلیم
کر لیا تھا اسی طرح وہ محمد علی کو بھی تسلیم کر لیتے لیکن انگلستان نے ایک نئی پالیسی پر عمل کرکے

لے نپولین کے عربی گمشتہ ہسٹریز کی اصلی ڈائری جو دو سال پیشتر حلب میں پائی گئی تھی۔ اور اس کو
گورنمنٹ فرانس نے خرید لیا تھا۔ اگر یہ غلطی پر نہیں تو اس کی اشاعت سے خواہ کبھی بھی ہو۔ نپولین کے
مصری دوران زندگی کے متعلق نتیجہ خیز امور معلوم ہونگے۔ مصنف ؛

کر کے اپنے آپ کو اس کا لائق ثابت کر دے وہ اس کو اختیار کر سکتا تھا بیشک دو آدمیوں کو اس کے حاصل کرنے کا خیال پیدا ہوا وہ دونوں اعلیٰ درجہ کے ذکی اور ان کے ہاتھوں میں کامیابی کے عنصر موجود تھے اور بیشک ان دونوں میں سے ہر ایک کی ہوس پوری ہو جاتی لیکن ان سے ایک زیادہ قوی مادی طاقت نے ان کی مخالفت شروع کی جو اس وقت اول اول ہی ایشیا میں بالادست محسوس ہونے لگی تھی یہ طاقت سلطنت انگلستان تھی اور اس نے بونا پارٹ اور محمد علی کی ہوس کو خاک میں ملا دیا۔

بیسٹ نیپالین لوگوں کے دل پر یہ امر بخوبی ذہن نشین نہیں ہوا کہ دریائے نیل کی لڑائی سے کیسی وسیع سکیم نابابت ہو گئی نیپولین نے مشرق میں مملکت قائم کرنے کے لیے چوڑے ارادے کئے ہوئے تھے اور گو اس کو یورپ میں ناکامی ہوتی تھی وہ ایشیا میں لاکلام کامیاب ہوتا جہاں کہ چھوٹی چھوٹی چالیں[1] بے فائدہ ہوتی ہیں اور بڑی بڑی صلاحیت تدابیر زمین میں جڑ پکڑ جاتی ہیں اور اس کا یہ خیال ایسا تھا کہ جس میں کامیابی ممکن تھی انگریزوں نے جو اس کے مخالف تھے اپنے خیالات کے پیمانے پر اس کے متعلق رائے قائم کی اور خیال کرنے لگے کہ اس کا ارادہ فارس سے گذر کر ہندوستان پر حملہ آور ہونے کا ہے اور اس کو جنون قرار دیا لیکن ہندوستان اس کے پروگرام کا ایک چھوٹا سا حصہ تھا جب اس نے قاہرہ میں علانیہ کلمہ شہادت پڑھ کر مذہب اسلام اختیار کر لیا وہ اس کا ہیڈ ہونا چاہتا تھا اور اس کا یہ استدلال بالکل درست تھا کہ جو امر تین سو سال پیشتر سلیم کے واسطے ممکن تھا وہ میرے واسطے بھی ممکن ہے اور جب ۱۵۱۷ء میں اسلامی دنیا نے ایک عثمانی بادشاہ کو نیا خلیفہ تسلیم کر لیا تھا تو ۱۷۹۸ء میں بونا پارٹ کو خلیفہ تسلیم کرنے کے سوال پر اس کو زیادہ تعجب نہ ہوتا اگر دریائے نیل کی تباہی بخش بحری لڑائی نہ ہوتی نیپولین ایسے جنگی ذہانت کے پتلے کا اپنے اس ارادے میں کامیاب ہونا بلکہ اس سے زیادہ کر دکھلانا بالکل قرین قیاس تھا اور یہ بھی ممکن تھا کہ اگر مسلمانوں کا ایک انبوہ عظیم

---

[1] نیپولین کا مقولہ تھا کہ یورپ میں جو چیونٹیوں کی پہاڑی سے مشابہ ہے عظیم الشان سلطنت قائم نہیں ہو سکتی۔ اور ایشیا میں عالمگیر سلطنت قائم کرنی ممکن ہے۔ اور اس مقام پر چھوٹی اور بڑی چالوں سے یہی مراد ہے۔ (مترجم)

کے بعض اور ممبروں کا دوست تھا یہ لوگ ہر طرح جائز یا ناجائز وسائل سے سلطنت کی مرکزی حکومت کو از سر نو منضبط اور مستحکم کرنا چاہتے تھے اس نے ان کو اور نیز بعد ازاں ایک ملاقات کے دوران میں خود سلطان کو یہ ترغیب دی کہ سلطان بطور خلیفہ کے اپنے دینی اقتدار و اختیار سے زیادہ کام لے کیونکہ اس طرح عثمان گورنمنٹ اپنے صوبوں کو مطیع و متکافت رکھ سکیگی اور یورپین ڈپلومیسی کا مقابلہ کر سکے گی اس نے عبد العزیز کو بالخصوص یہ مشورہ دیا کہ آپ کو اصلی طاقت دنیادی نہیں بلکہ اپنی افواج کے از سر نو انضباط سے حاصل ہو گی اور مجھے تعجب ہے کہ طاقت کے اس مذہبی ذریعہ سے فائدہ نہیں اٹھایا گیا آپ نہیں دیکھتے کہ سلطنت عثمانیہ کے باہر کیسی بارونق اسلامی آبادی ہے پس جہاں تک ممکن ہو اس کو قسطنطنیہ کے دائرہ اثر کے اندر لانا چاہئے۔ اسی طرح بڑی بڑی ریاستیں ہندوستان کے مسلمان اور وسط ایشیا سوائے خراج کے تمام مقاصد اور مدعا کے واسطے باب عالی کی رعایا ہو سکتا ہے۔

ابتدائی زمانہ میں خلفا کا ایک یہ فرض بھی تھا کہ اپنے دینی اختیار کے قائم مقام امام تمام اسلامی صوبوں میں مقرر کرتے تھے اور یہ مشورہ دیا گیا کہ اب پھر امام مقرر کئے جایا کریں امام جو جماعت کرتا ہے متشرع مسلمانوں کے واسطے ضروری ہے اور اگر خلیفہ جو خود بڑا امام ہوتا ہے اسی کو شرعی طور پر مقرر نہ کرے تو مسلمانوں کو مجبوراً ایسی تقرری کے واسطے یا مقامی گورنمنٹ کو درخواست دینی پڑتی ہے یا اس عہدہ دار کو خود منتخب کرتے ہیں گو وہ اس کو ناجائز خیال کرتے ہیں گو وہ اس سے زیادہ جائز طریقہ کو بخوشی از سر نو اختیار کریں گے اور ایسی روحانی سلطنت کے پھر قائم ہو جانے سے قسطنطنیہ کو بہت سا روحانی اختیار حاصل ہو جائیگا سلطان عبد العزیز کو یہ بھی جتایا گیا کہ عرب اسکے واسطے نہایت ضروری ہے جبکہ وہاں سے اثر ڈالنے والے وسائل سے بہت غفلت کی جاتی رہی ہے۔

ایک شخص نے جو اس ملاقات کے وقت موجود تھا مجھ کو اطلاع دی کہ عبد العزیز اس خیال سے صرف خوش ہی نہ ہوا بلکہ نہایت متعجب ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اس کو اپنے عہدہ کی تاریخی عظمت و وقار اور نہ ہی اس کے خاص حقوق کا کچھ علم تھا اور کچھ وقت تک وہ اس بات پر جس کا اس کو مشورہ دیا گیا تھا غور کرتا رہا اس نے بڑے بڑے علما کو بلا بھیجا اور دریافت کیا کیا یہ صحیح ہے کہ میں خلیفہ ہوں اور جب یہ معلوم ہوا کہ ان کے خیالات میں

جیسی سے اب افسوس ہوتا ہے اس کوشش کو بھی کامیاب نہ ہونے دیا اعتدال سے زیادہ دلیر ارنوطی کو اپنی صوبیداری مصر پر واپس بھیج دیا گیا اور رفتہ رفتہ ان عثمان کو اگر روحانی اختیار کا نہیں تو روحانی بادشاہت کا نیا اجارہ دیا گیا۔

عبد الحمید اور عبد العزیز کا عہد حکومت مسلمانوں کو اس وجہ سے یاد رہیگا کہ سلطانی گورنمنٹ اور علما کی پرانی طرز کی حنفی جماعت کا باہمی تعلق بالکل منقطع ہو گیا اس کتاب میں ان اصلاحوں کی بابت کے متعلق جو یورپ کے واویلا کرنے پر ۱۸۳۹ء اور ۱۸۶۹ء کے مابین سالوں میں سلطنت عثمانیہ میں بطور رعایت داخل کرنے کی کوشش کی گئی اور کسی قدر وہ مروج بھی ہو گئیں بحث کرنے کی گنجائش نہیں وہ مذہب یا مذہب کی وساطت سے مروج نہ کی گئیں جیسا کہ مناسب تھا بلکہ ان کی صریح مخالفت سے اور اسی طرح ان کو مذہبی لوگوں نے کبھی تسلیم کیا اس قسم کے تمام تغیرات کو اسلام میں ناکامی ہو گئی کیونکہ ان میں عدم جواز کا ناقابل تدارک اور لازمی نقص ہوتا ہے۔

اور جیسا میں بیان کیا جائے گا کہ اصلی اصلاح کس طرح بخوشی قبول کی جائیگی فی الحال میں خطبہ ہمایوں اور اسی قسم کے فرامین کی اشاعت کا ذکر کرونگا کیونکہ وہ خلافت عثمانیہ کے زوال کی تاریخ میں مہتم بالشان اور ضروری ہیں۔ اور قسطنطنیہ میں بادشاہت کی آئین کو تبدیل کر دینے کا براہ راست باعث ہیں۔

عبد المجید نے خلاف دور اندیشی اور مصلحت کوشش کرنے سے مسلمانوں میں کافر و زندیق کا نام پایا۔ اور جیسا کہ ہم سب کو معلوم ہے ان کے بیٹے کو مقدس قانون کا مخالف قرار دیکر معزول کیا گیا تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ عبد العزیز نے تھوڑے وقت کے لئے اپنی ٹھیک ٹھیک حالت کو بخوبی سمجھ لیا تھا۔ اور وہ جانتا تھا کہ اس کو کیا کرنا چاہیئے۔ جیسا کہ ذیل کے واقع سے ظاہر ہو جائیگا۔ کم از کم اس سے اس زمانہ کی تعیین ہوتی ہے جب ٹرکی میں سلطان کے دینی وعادی کی تجدید کو بطور ایک پالیسی کے اختیار کرنے کا ارادہ کیا گیا۔ یہ حالات مجھ سے حسب ذیل بیان کئے گئے۔

سلطان عبد العزیز کے عہد حکومت کے ابتدائی زمانہ میں ایک نہایت ذکی اور عالی دماغ مدبر جسکو مشرق و مغرب کے علوم اور بالخصوص اسلام کی مذہبی تاریخ میں ید طولی حاصل تھا قسطنطنیہ میں آیا وہ اشرف پاشا وزیر اعظم اور نوجوان ٹرکی پارٹی

ہیں بظاہر نہایت غیر منتظر نتیجہ معلوم ہوتا ہے مگر جو لوگ اسلام کی واقعی بہبودی چاہتے
ہیں وہ سلطان کو اسلام کے واسطے بہت بڑی بدقسمتی خیال کرتے ہیں یہ ایک یقینی بات
ہے کہ اگر عبد الحمید اور عبد العزیز کے بعد کوئی احمق بادشاہ جانشین ہوتا جیسے کہ اکثر
ہوتے رہے ہیں کم از کم اسلام کا بڑا اور زیادہ سمجھدار حصہ عثمانیہ خلافت کو ایک گذری
بات خیال کرتا۔ جب ۱۸۷۶ء میں اس سلطنت کی مساوی طاقت کو نہایت صدمہ
پہنچا قسطنطنیہ کی آفیشل جماعت سلطان کی دینی اور دنیاوی بادشاہت کے خلاف
بغاوت کی تحریک کو نہ روک سکتی اور ٹھیک ٹھیک مذہبی اصلاح کی بنیاد کسی
اور جگہ پر بھی قائم ہو جاتی غالباً عرب اب تک آزاد ہو گیا ہوتا اور مشرقی دنیا قریش کی ایک
نئی خلافت کے زیر اثر اس سے ہمدردی کرنے اور شریک ہونے کو تیار ہو جاتی ممکن تھا کہ مذہبی
تفرقہ اور مباحثے شروع ہو جاتے مگر کم از کم اس طرح اس میں جان پڑ جاتی ہوتی اور اسلام کو زندہ
رہنے کی ضرورت ہے مگر بدقسمتی سے عبد الحمید نہ تو محض عشرت پسند تھا۔ اور نہ ہی دیوانہ
تھا۔ اس نے قابل تعریف فراست سے اس میں حفاظت و سلامتی کو مضبوط پکڑ لیا جو اس کو
اور اس کے خاندان کو بچا سکتی تھی یعنی وہ اسلام کی نہایت انقلاب پسند جماعت کا لیڈر
بن گیا۔ اور اس طرح کچھ وقت تک سلطنت عثمانیہ کی تباہی کا وقت ٹل گیا۔

عبد الحمید کے چال چلن اور مذہبی آرا کے متعلق صحیح صحیح واقفیت بہم پہنچانی مشکل
ہے مگر جہاں تک میرا خیال ہے وہ حنفی مسائل کا معتقد ہے نوجوانی میں وہ معمولی شہزادوں
سے زیادہ ذہین تھا اور اس کو علم بالخصوص جغرافیہ اور تاریخ کا مذاق تھا اور گو وہ عالم
نہیں اس کو اپنے مذہب کا کسی قدر علم ہے پس یہ تسلیم کر لینا چاہیے کہ اس کو اپنی مذہبی حیثیت
پر مستقل طور سے یقین ہے کیونکہ جس صورت میں یقین کرنے میں فائدہ ہو تو آسانی سے سچائی
اختیار کر سکتے ہیں اور میں نے ایک ایسے شخص سے جس نے اس کو تخت نشین ہونے کے بعد
دیکھا سنا ہے کہ عجیب رواج مسجد ایوب میں اس کو تلوار دی گئی تو اس کے درباری سنجیدہ
اطوار اور شیوہ کے یکایک بدل جانے سے حیران رہ گئے اس روز سہ پہر کو وہ اپنے دینی
منصب پر ایسی زبان میں جو صدیوں تک حرم سرا کی چار دیواری کے اندر نہ
سنی گئی تھی گفتگو کرتا رہا یہ بھی یقینی امر ہے کہ جب اس کو روسی دباؤ سے مہلت ملی تو
اس نے اس کارروائی کو جو پہلے شروع ہو چکی تھی از سر نو جاری کیا اور مذہب

مشورہ سے جو اس کی دیا گیا تھا بالکل متفق ہیں اس نے شیخ الاسلام کو حکم دیا کہ میری دینی اور
روحانی لیڈر ہونے کے مسئلہ کو تمام وسائل سے فروغ دو چنانچہ اسلامی دنیا کے ہر ایک حصے
اور بالخصوص ہندوستان اور بڑی بڑی ریاستوں میں خلافت کے متعلق خفیوں کے مسئلہ
کی اشاعت کے واسطے مشنری بھیجے گئے۔ اور گو پہلے پہل ان کو بہت تھوڑی کامیابی حاصل
ہوئی آخر ان کو ایسے ممالک میں جہاں مسلمان کافروں کے زیر حکومت رہتے تھے اپنا مدعا
حاصل ہو گیا چنانچہ چند سالوں میں مسلمان عثمانیہ خلافت کے مسئلہ کو بھی تسلیم کرنے لگے اس
امر میں ان کو ایک زبردست آلہ یعنی پریس سے جو اسوقت اول ہی اول ٹرکی میں مروج
ہوا تھا مدد مل گئی عربی کا ایک اخبار جوائب قسطنطنیہ میں احمد فارس کی زیر نگرانی شائع
ہونے لگا یہ شخص نو مسلم تھا وہ عربی زبان کا بے نظیر ادیب اور عالم تھا خلافت کے مضمون
کے متعلق اس کی یہی رائے تھی کہ سلطان مسلمانوں کا خلیفہ ہے پس اس اخبار نے اس
وقت سے علما کی جدید پالیسی کی معقول و منقول سے حمایت شروع کی۔
تنگ خیالوں کی سرکار نے اشاعت اس وقت اور ہی منصوبوں میں مشغول تھی اور وہ
اس امر کو کما حقہ سمجھ نہ سکی کہ سلطنت کی انتظامی اصلاح کی تجویزیں مذہب کیا کام دیگا
علاوہ بریں علما کو ایک اور بڑی رکاوٹ درپیش تھی یعنی عبدالعزیز کسی بڑے پولیٹکل
خیال کو سنجیدہ طور پر معرض عمل میں لانے کی قابلیت نہ رکھتا تھا کیونکہ وہ عشرت پسند
آدمی تھا لیکن اس نے اور اس کی گورنمنٹ نے پھر اس کے پیش روؤں کی مادی پالیسی اختیار
کر لی اور اپنی طاقت کو مضبوط کرنے کے واسطے مسلح سپاہ فارن قرضوں اور سرکاری
افسروں کی سازشوں پر بھروسا کرنے لگی عثمانی زیر دستوں نے اسپر صرف اتنی ہی
عملی کارروائی کی کہ ستائے ہوئے اور روشنی سے محروم عاموں کے برخلاف وہ جہاد کا
اعلان کیا مگر حنفی علما کو اس طرح کب اطمینان ہوتا تھا انھوں نے اس خیال کو جو انھوں نے
اختیار کر لیا تھا معرض عمل میں لانے اور سلطان کو ایک مذہبی اور انقلابی تحریک کا شاملانہ
سپہ دار بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا اور جب ان کو معلوم ہوا کہ عبدالعزیز بطور ایک خلیفہ
کے کارروائی نہیں کر سکتا انھوں نے اس کو معزول کر دیا اور اپنے خیال کے عین مطابق
پہلے یعنی موجودہ سلطان عبدالحمید کے واسطے راستہ صاف کر دیا۔
خاندان عثمان کی نسل کا یہ آخری سلطان مذہب کے پابند مسلمانوں کی نظر میں خلیفہ کی حیثیت

کہ جو شخص عبدالحمید کے حرم سرا میں پیدا ہوا ہو وہ متین ہو علاوہ بریں اس کی لیاقت ابھی تک
ظاہر نہ ہوئی تھی اور جو شخص طاقتور ہو وہ ہر جگہ بہادر و شجاع خیال کیا جاتا ہے۔
مگر گذشتہ آٹھ ماہ کے اندر بہت سے واقعات ہوئے ہیں عبدالحمید کو یونان البانیہ اور
کردوں کے معاملات میں کامیابی حاصل ہوئی تھی وہ انگلستان سے نہیں ڈرتا اور اس نے
یورپین اصلاحوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا اس نے یہاں تک حوصلہ کیا کہ دول یورپ کے دیکھتے
دیکھتے مدحت کو جو ان کی پناہ میں آیا ہوا تھا گرفتار کرا کر قتل کے جرم میں اس کی تحقیقات
شروع کی آخرش ٹیونس میں فرانسیسوں پر بھی اسکی چال چل گئی اور شمالی افریقہ کے مسلمانوں کو جو
صدیوں سے سلاطین کے معاوری کی مخالفت کرتے چلے آتے تھے اس سے ہمدردی ہو گئی ہے بیس
سال گذرے کہ عثمانی سلطان کے واسطے عربوں کے دل میں وفاداری اور ارادت و عقیدت کا
خیال پیدا کرنا بالکل ناممکن تھا ٹیونس بالخصوص باب عالی سے آزاد ہونے پر اتراتا تھا اور
افریقہ کے ساحل بلاد کے حنفی فرمانرواں کے سوا تمام لوگ ترکوں کی حمایت میں لڑنے کی تضحیک
کرتے تھے اب خود مالکی جو قیروان کے ٹھیٹھ مسلمان ہیں۔ عبدالحمید کے اشارے پر حرکت کرتے
ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ اس کو مصر میں بھی کچھ کامیابی ہوئی ہے اور ہندوستان کے مسلمان
مسجدوں میں اس کے واسطے علانیہ دعا کر رہے ہیں ہر مقام میں انقلابی جماعت مسلح کھڑی
ہے اور اس ہوشیار ارمنی خلیفہ کو لیڈر تسلیم کرنے لگی ہے جو یورپ کو ناچیز سمجھتا ہے اور
بوقت ضرورت وہ ان کو جہاد پر بخوشی لیجائیگا۔

مگر اس سے یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ مشرع اسلام قسطنطنیہ کا حامی ہو گیا ہے میں بیان
کر چکا ہوں کہ ترکی اور حنفی مسلمانوں پر ہی اسلامی دنیا کا خاتمہ نہیں ہو جاتا اور جہاں
ایک طرف عثمانی مدبروں میں متعصب اور ضدی جماعت پائی جاتی ہے اور مالکی
خالص اسلام کے معتقد ہیں دوسری طرف ایک سمجھدار جماعت مذہبی اصلاح کی
حامی ہے مصر کے شافعی لوگوں میں اس کا صحیح چلن ہے مگر عرب اور ان سے آگے بڑھکر
مشرقی ملیبار بھی اس کا بہت زور ہے ان لوگوں کے ایمان کا پہلا اصول یہ ہے کہ خاندان عثمان
اسلام کے واسطے پہلے بھی لعنت تھا اور اب بھی ہے اور عنقریب اس کا خاتمہ ہو جاویگا
باوجودیکہ عبدالحمید متقی اور شریعت پر کاربند ہے وہ اس کو اسلام کا تکلیف دینے والا
سمجھتے ہیں وہ ایک ایسی جماعت کا رہبر بنا بیٹھا ہے جو ہر طرح کی بدعت کی مخالف

اور سب بڑی ریاستوں میں کافر سلطنتوں کے زیر سایہ رہنے والے مسلمانوں کو اپنے خلافت
کے مسئلہ پر وعظ سنانے کے واسطے مشنری بھیجے بیرونی اسلامی دنیا سے آنے والے اجنبیوں
کے ساتھ وہ اوّل سے ہی دینی نہ کہ دنیاوی بادشاہ کی حیثیت سے گفتگو کرتا رہا ہے اور اس طرح
یورپین سفیروں پر اس نے اپنا خوب رعب داب پیدا کر لیا۔
عبدالحمید کی لیاقت کا یہ ایک ادنیٰ ثبوت ہے کہ اس نے مسلمانوں کو اپنی طرف مائل کر کے
یورپین سفیروں کی چالوں کو مات کر دیا کہتے ہیں کہ وہ باقاعدہ طور پر نماز ادا کرتا ہے گو
ترکی سلاطین کے دستور کے مطابق اسکے حرم میں بہت سی کنیزکیں بھی شامل ہیں وہ درویشوں
معجزے دکھانے والوں اور مقدس آدمیوں کا فیاض مربی ہے ان کو وہ بڑی محنتوں سے
تلاش اور ان کی عزت و توقیر کرتا ہے انتظامی امور میں جہاں تک وہ خود کارروائی کرتا ہے
وہ بالکل شریعت کے مطابق ہوتی ہے اور مشکوک امور میں وہ ہمیشہ مفتی یا شیخ الاسلام سے
مشورہ لیتا ہے جب وہ دیکھتا ہے کہ یورپین مطالبات شرعی قانون کے منافی ہیں وہ اُن کی نہایت
استقلال سے مخالفت کرتا ہے۔
پس یہ امر آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ متذکرہ صدر وجوہات سے عبدالحمید کی نہ صرف
ترکی علما تائید کرتے ہیں بلکہ اس کی سلطنت کے باہر بے شمار اہل الرائے مسلمانوں کو اس سے
ہمدردی ہے عثمانی سلطان پہلے مذہبی امور سے غافل خیال کیا جاتا تھا مگر اب اس کو مشرق و مغرب
میں اسکا حامی سمجھا جاتا ہے اور پیرانی طرز کے انقلاب پسند علما عبدالحمید کو بیہودہ خیال کرنے لگے
ہیں ایک سال پیشتر جب میں جدہ میں تھا تو ایسی حالت نہ تھی مگر اب وہ سچ مچ دین کا حامی خیال
کیا جاتا ہے اس وقت اس کے فریق کے لوگ بھی اس کا مشکوک طور پر ذکر کرتے تھے اور
سلطان کے اثر سے ان کے دل میں سرگرمی پیدا نہ ہوئی تھی وہ اُس کی مزاج کو نہ سمجھ سکتے تھے
اور خیال کرتے تھے کہ وہ کوئی چال چل رہا ہے اس کی طرف سے جو ارشاد بیان کیا جاتا تھا اور بطور
ایک مسلمان کے اس کے اعتقادات کی صداقت میں شک تھا یہ بات ناممکن معلوم ہوتی تھی

لہ عبدالعزیز کے قتل کے مقدمے میں عبدالحمید نے شریعت سے تجاوز کیا ممکن ہے کہ اگر علما کو اسکے معزول
کرنے کی ضرورت پڑی تو وہ اس مثال کو اسکے خلاف بطور نظیر پیش کرینگے کہتے ہیں۔ کہ اسپارٹا میں اس نے اپنے ایک
یورپین ہمدم کی جو یورپ کے ساتھ بھی دلچسپی کی خبرات کی رہنما کرتا ہے کی اصلاح پر عمل کیا تھا (مصنف)

صدیوں سے خلیفہ کا دنیاوی اقتدار صرف ان ملکوں تک جن پر وہ بزور شمشیر قابض رہ سکیں محدود رہا ہے اور دینی معاملات میں اس نے براہ راست اپنے اختیار کو کبھی استعمال نہیں کیا تاہم وہ مسلمانوں کی ایک ضرورت پوری کرتا ہے اور ان کو یہ لازم ہے کہ اس کی تعظیم کریں اس میں شک نہیں کہ مناسب وقت پر جب خلافت کسی لائق شخص کے ہاتھ میں ہوگی تو یہ اسلام کی تقریباً عالمگیر طاقت کے واسطے بہبودی یا خرابی کا آلہ ہوجائیگی اب بھی اگر مذہب کو عام اور خوفناک خطرہ درپیش ہو مومن خلیفہ کی طرف رجوع کرینگے اور اس کو اپنی حفاظت اور بہبودی کی ترغیب دینگے اور جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں۔ باوجود سخت پولٹیکل مخالفت کے اگر واقعی خلیفہ قدرے متقی اور مقدس قانون کا ادب کرتا ہو تو اس سے قدرے ہمدردی ہو جاتی ہے جو کسی دوسرے مسلمان بادشاہ سے خواہ اس کی سلطنت کا انتظام کیا ہی اعلیٰ کیوں نہ ہو کبھی نہیں ہو سکتی۔

برخلاف اسکے یہ ظاہر کیا جاچکا ہے کہ لوگوں کو عبد الحمید سے بدنیوجہ ارادت و عقیدت ہے کہ وہ خلافت کے عہدہ پر متمکن ہے نہ اس وجہ سے کہ وہ کسی قوم یا خاندان کا قائم مقام ہے مسلمان خود خاندان عثمان کو مقدس خیال نہیں کرتے اور اسلام میں ترکوں کی قوم کی تعظیم نہیں کیجاتی خلیفوں کے موجودہ خاندان کو قدیم خلفا کی نسل سے کچھ تعلق نہیں بلکہ خود ترک بھی اس کی چنداں عزت و توقیر نہیں کرتے مزید برآں موجودہ خلیفہ خالص عثمانی بھی خیال نہیں کیا جاتا وہ حرم سرا میں پیدا ہوا مگر اس کے والدین اچھی طرح معلوم نہیں ہیں عبد الحمید کو صرف اپنے آفیشل نام کی وجہ دینی عزت و حرمت کا حق حاصل ہے اور وہ اپنے عہدہ کو ہمیشہ بطور سند پیش کرتا ہے اگر مسلمانوں کی وفاداری کو قضیہ کی صورت میں لائیں تو کہہ سکتے ہیں کہ خلیفہ کا ہونا ضروری ہے اور خلافت کی تعظیم کرنی چاہئے سوائے عبد الحمید کے کوئی خلیفہ نہیں پس عبد الحمید کی تعظیم کرنی چاہئے۔

مگر یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اگر سلطان کے دینی دعاوی کی تجدید سے اس کو فی الحال تقویت حاصل ہوگئی ہے عنقریب ہی اس کی کمزوری کا باعث ہوگا ونل سال گذرے قسطنطنیہ کے حنفی علمانے خلافت کے متعلق دنیا کو مباحثہ کرنے کی للکار دی تھی اور اب تمام علما جانتے ہیں کہ خاندان عثمان کا دینی منصب کی ڈینگ مارنا لچر ہے خلافت کی سچی سچی تاریخ شائع ہوگئی ہے اور اس کا ترکی تاریخ سے مقابلہ کیا گیا ہے بجائیکہ گذشتہ قرن میں بوجہ

ہے اس جماعت کے لوگوں کا خیال ہے کہ جب تک عثمانی خلیفہ موجود رہیگا خواہ اس کا نام
عبدالعزیز یا عبدالحمید ہو اخلاقی ترقی ناممکن ہے اجتہاد کو از سرنو شروع نہیں کرسکتے
اور کوئی ایسی اصولی اور عملی اصلاح نہیں ہوسکتی جس سے مذہب اسلام جس سے زمانہ حال
کے کفر کا مقابلہ کرسکے مزید براں باوجودیکہ عبدالحمید شریعت کی پابندی کا دعوے کرتا ہے
مگر اس کی حکومت اس کے پیشرووں کی نسبت زیادہ عادلانہ یا اسلامی قانون کے
زیادہ مطابق نہیں ہے اس میں بھی وہی انتظامی خرابیاں پائی جاتی ہیں اور اسی طرح
اس کی مسلمان رعایا کی بہبودی سے غفلت کیجاتی ہے اسلام کے تمام ممالک میں سے
خود عبدالحمید کا ملک ایسا ہے جہاں اب اسکے نہایت کم پیرو ہیں بحیثیت مجموعی قسطنطنیہ
ہی اس کا ایک کمزور مقام ہے کیونکہ نوجوان ترکوں کی جماعت بالکل مفقود نہیں ہوئی
آبنائے باسفورس پر حیات و ممات کے واقعات جلد جلد ظہور میں آتے ہیں اور انقلاب
پسند جماعت کی نسبت لبرل پارٹی بہت دیر تک انتظار کرسکتی ہے عبدالحمید کی وفات
یا معزولی سے خواہ وہ کبھی ہو فی الفور عثمانیہ خلافت کے مخالف تحریک شروع ہوجائیگی۔

تیسرا باب

اصلی دارالسلطنت۔ مکّہ

پچھلے باب میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ عثمان سلاطین کو متشرع اسلام کے حصہ کثیر سے کیا تعلق
ہے اور نصب خلافت کی بنا کیا ہے اس بارہ میں ہم نے اس امر کی تشریح کی تھی کہ مسلمانوں
کے دل میں عثمانی خلافت سے بہت قدیم زمانہ سے ہمدردی نہیں ہے گو فی الحال خلافت قسطنطنیہ
کی حمایت میں کسی قدر انقلاب شروع ہوگیا ہے مگر اس کا باعث اتفاقی واقعات تھے جو غالباً
دیرپا نہ ہونگے اور وہ حمایت بھی عالمگیر نہیں بہتر ہوگا کہ ہم اس تعلق کا پھر ذکر کرینگے
سُنّی یا متشرع اسلامی دنیا کے ایمان کا یہ اصول ہے کہ ایک خلیفہ ہونا چاہیئے جو مذہب
کا سرگروہ اور پیغمبر کا جانشین ہو جو شخص اس عہدہ پر متمکن ہو وہ اصولاً دنیاوی معاملات میں
تمام اسلام کا بادشاہ ہے اور دینی معاملات میں وہ اعلےٰ مذہبی حاکم ہے لیکن عملی طور پر کسی

ہیں اب میں ان پر غور کرونگا اور حتی الوسع ان کے جواب دینے کی کوشش کرونگا میں
کہہ چکا ہوں کہ اسلام پیشتر انقلاب کے واسطے تیار ہے سلطنت عثمانیہ کی آئندہ قسمت
کے متعلق خواہ یورپین کچھ ہی خیال کریں مسلمانوں کو اسبات کا پورا پورا یقین ہے کہ اسلام
موجودہ بنیاد پر بہت دیر تک قائم نہیں رہ سکتا ٹرکی میں بھی اس کو بطور ایک یورپین سلطنت
کے از سر نو زندہ کرنے کا خیال چھوڑ دیا گیا ہے اور اب ہر ایک شخص کو یہی خیال ہے کہ
ترک صرف چند سال تک ہی باسفورس پر قابض رہینگے بیس سال پیشتر بلکہ پانچ سال
پہلے بھی یہ حالت نہ تھی لیکن آج تمام ترک اس امر کو تسلیم کر بیٹھے ہیں۔

قدیم پیشگوئیوں اور زمانہ حال کے بعض توہمات کا ماحاصل یہ ہے کہ عنقریب ہلال پھر ایشیا
میں واپس چلا جائیگا اور ترکوں کے ساتھ ویسا ہی سلوک ہوگا جیسا کہ اس قوم کے ساتھ
جس نے اسلام کو ناپاک کر دیا ہو کیا جانا چاہیئے اس مضمون کی ایک مشہور پیشگوئی
میں جس کا قرنوں سے جاہل بلکہ خواندہ مسلمانوں کے دل پر بھی اثر پڑتا رہا ہے بیان کیا
گیا ہے کہ [illegible] میں اس قسم کے واقعات ظہور میں آئینگے اور آخری کشمکش حمص
واتیج اور نطیس در: ملک شام میں ہوگی اس وقت اسلام شمال سے ہٹ جائیگا۔
اور ہند کی حکومت کا خاتمہ ہو جائیگا اس قسم کی پیشگوئیاں اکثر خود ہی اپنے پورا
ہونے کا باعث ہوتی ہیں اور آنے والی مصیبت کا خیال ایسا عالمگیر اور ترقی پذیر
ہے کہ مجھے اس امر میں بھی شک ہے کہ سلطان کے جہاد کا اعلان دینے پر ایک ہزار
مسلمان بھی خود بخود یورپ میں صلیب کے مقابلہ پر لڑنے کے واسطے تیار ہوں۔

خود سلطان اور پرانی ترکی جماعت کی جو اس کی موید ہے گو بظاہر وہ اپنے
یورپین مقبوضات پر غش ہیں آنکھیں دراصل ایڈریانوپل سالونیکا اور قیام عدوم کے شہر
کی طرف نہیں بلکہ کسی اور سمت میں مائل ہیں غالباً اگر عیسائی طاقتیں کوہ بلقان کی طرف
سے پیشقدمی کریں تو ان کی صرف سرسری مزاحمت کیجائیگی اور یورپ کی امداد کے بغیر
قسطنطنیہ کو بھی تلوار اٹھانے کے بغیر یا صرف اسی قدر مزاحمت کے بعد جو شریعت
میں دشمن کو علاقہ دیدینے کے واسطے لازمی ہے خالی کر دیا جائیگا ایسی حالت میں سلطان
ایشیا میں چلا جائیگا اور مجھ کو معتبر ذریعہ سے خبر ملی ہے کہ وہ بروسہ کو نہیں بلکہ دمشق
یا بغداد کو اپنا پایہ تخت بنانا چاہتا ہے اس کا خیال ہے کہ یہ تجویز خلافت کی روایات

بے علمی کے دونوں کو خلط ملط کر دیا جاتا تھا آجکل کسی شخص کو جو تھوڑا سا تعلیم یافتہ ہو اس امر میں کچھ شک نہیں ہو سکتا کہ اگر کوئی کامیاب رقیب پیدا ہو جائے تو عبد الحمید اور اسکے خاندان کو خلافت سے شرعاً بر طرف کر سکتا ہے اور قسطنطنیہ کو اسلام کی رہبری کا حق صرف بزور شمشیر حاصل ہے جب تک عثمانی سلطنت قائم ہے اور کوئی مخالف خلیفہ نمودار نہیں ہوتا اس وقت تک سلطان بھی مذہب کا سرگروہ تسلیم کیا جائیگا جو شخص عبد الحمید کی طرح قریش سے بیگانہ ہو اس کی خلافت ہمیشہ بزور شمشیر رہ سکتی ہے اور کسی نئے دعوے دار کی اول نمایاں کامیابی پر اس کے موجودہ پیرو بلا تردد اس کو چھوڑ کر چلے جائینگے اور اسی بلا پر جس سے عبد الحمید ان کا خلیفہ بنا ہوا ہے وہ نئے دعویدار کی وفاداری کا دم بھرینگے اس وقت عبد الحمید کو جائز طور پر معزول کیا جائیگا اور اس کا نام ونشان نظر نہ آئیگا۔ کیونکہ یہ اغلب نہیں کہ اس کو مصیبت کے وقت میں کوئی ایسا حامی ملجائے جیسا کہ چھ سو سال پیشتر جائز خلیفہ کو مل گیا تھا علما اس امر کو یہاں تک تسلیم کرتے ہیں کہ مجھکو گذشتہ سال میں تواترا سے تقریباً جا بجا یہ معلوم ہوئی کہ عبد الحمید خاندان عثمان کا آخری خلیفہ ہوگا۔

تو متشرع اسلام کس مسلمان کا دعوے خلافت منظور کریگا اس سوال سے انگریزوں کو ضرور دلچسپی ہونی چاہیئے کیونکہ ہندوستان میں مسلمانوں کی وفاداری یا بغاوت کے مسئلہ کا اسی سوال کے حل پر دار مدار ہے گو برٹش گورنمنٹ کو ایک ایسے مذہبی تنازع میں دخل نہ دینا چاہیئے جو ابھی پختہ نہیں ہوا مگر انگریزوں کے فائدے کے واسطے طبعی رجحانات پر اثر ڈالنا اور ان کی خاص سمت میں رہنمائی کرنا بالکل جائز ہے۔

تو کیا مشرق، مغرب یا جنوب میں اسلام میں کوئی ایسا نامور اور دلیر شخص ہے جو عبد الحمید کی معزولی یا وفات کی صورت میں اپنے آپ کو خلیفہ مشہور کرنے اور مسلمانوں کو اپنی طرف راغب کرنے کے واسطے کیا کارروائی اختیار کریگا؟ اس کو اپنا پایہ تخت کہاں بنانا چاہیئے اور اس کو کون سے اسلحہ پر بھروسا کرنا چاہیئے اس کو کس کا علم ظاہر کرنا چاہیئے؟ اور سب سے زیادہ یہ جو ہمارے واسطے ایک نہایت دلچسپ سوال ہے کیا حاکموں کے اس تغیر سے اسلام کے آئندہ خیالات اور زندگی پر عمدہ اثر ہوگا؟ اور اس تغیر سے مسلمانوں میں ٹھیک ٹھیک اصلاح ہو جائیگی؟ یہ ایسے سوالات ہیں جن کے متعلق مشرق کے ہر ایک گوشہ کے غور کرنے والے مسلمان ایک دوسرے سے احتیاط سے سوال کرتے

کہ اس کو پولیٹیکل اقتدار حاصل ہے اور بادشاہت کے بغیر اس کو مسترد کر دیا جائیگا پس ہم اس
سوال پر کسی پہلو سے غور کریں ممکنات کے اصول سے یہ قیاس بالکل درست معلوم ہوتا ہے کہ
عبدالحمید کے بعد خلیفوں کا ایک اور خاندان جانشین ہوگا۔

جو لوگ اسلام کی حالت پر غور کرتے ہیں ان کی یہ ایک عام رائے ہے کہ خواہ اس میں کوئی سا
تغیر واقع ہو اس کو وسعت کبھی نہ ہوگی گو اس کی متفرق قوتیں سب طرف سے کھینچ کھینچ کر
ایک مقام میں جمع ہو جائیں یہ تو سب جانتے ہیں کہ خارجی فتوحات کا زمانہ گذر چکا ہے اور
پولیٹیکل پہلو سے اسلام کو زیادہ سے زیادہ یہ امید ہو سکتی ہے کہ یہ اپنے موجودہ سلطنتوں
اور ریاستوں کو قائم رکھے اور شاید کبھی ہندوستان اور شمالی افریقہ کے وہ صوبہ جو اس کے ہاتھ
سے نکل گئے ہیں پھر عیسائی حکومت سے آزاد ہو جائیں پس یہ خیال قریباً یقین کے درجہ تک
پہنچ گیا ہے کہ اگر حکومت کے اعلےٰ صدر مقام کو منتقل کرنے کی ضرورت ہوئی تو یہ اسلام سے کسی
نئی بعید جانب میں نہیں بلکہ مرکز کی طرف لایا جائیگا قسطنطنیہ اگر تمام اسلام بھی اسکی حفاظت کے
واسطے جمع ہو جاے کافروں کی سرحد کے بہت نزدیک ہے اور اس کی سلامتی کا یقین نہیں ہو سکتا
اور چونکہ اسمیں چاردانگ عالم کے باشندے آباد ہیں اس کو کافروں کا شہر خیال کیا جاتا ہے اب
ایک ایسے مقام کی ضرورت ہے جو خطرہ سے بہت دور ہو اور خالص محمدی ہو پس اسمیں
ذرہ شک نہیں کہ جب کوئی شخص اسلام کی سرگروہی اختیار کریگا تو ایسے مقام پر قابض ہونا
اس کی قابلیت کی پہلی شرط خیال کیجائیگی۔

ہم دیکھ چکے ہیں کہ عبدالحمید دمشق یا بغداد کو اپنی آیندہ خلافت کا پایہ تخت خیال
کرتا ہے مگر بعض قاہرہ کو اس کا نیا صدر مقام سمجھتے ہیں اور دور اندیش مسلمانوں کو اب
یہ صاف صاف نظر آ رہا ہے کہ اگر ویسی سفر شروع ہوا تو اور بھی آگے جانا پڑیگا یعنی مذہب
کا اصلی صدر مقام عرب ہی ہے جو اس کا زاد و بوم اور اسکے الہام کا سرچشمہ ہے دنیا
بھر میں یہی ایسا ملک ہے جہاں مذہبی بادشاہت کو آزادانہ طور پر استعمال کرنے کی شرائط
پائی جاتی ہیں۔ عرب میں عیسائی یہودی اور کسی قسم کا کافر نہیں جن سے اسلام کو مقابلہ کرنا پڑے
نہ ہی یہ ایسا زرخیز ملک ہے کہ اس کو دیکھکر مغربی دول کے دہان آز میں پانی بھر آئے وہاں
خلیفہ کو فرانسیسی یا کسی اور فرنگی سفیر کی تنبیہ کا اندیشہ نہ ہوگا وہ جیسا کہ پیغمبر کے جانشین
کے واسطے شایان ہے آزادانہ کارروائی کرسکے گا اور وہاں اسلام تمام آلائشوں سے پاک

کے بالکل مطابق ہو گی اور خلافت کو اپنے قدیم مرکزوں میں واپس چلے جانے سے تقویت
ہو جائیگی عالم دمشق کو باب الکعبہ یعنے کعبہ کا دروازہ کہتے ہیں اور وہ یہاں یا بغداد میں
جو خلفا کا قدیم شہر ہے پھر ایک بالکل مذہبی سلطنت قائم کریگا۔

یہ تو سلطان کا خیال بیان کیا جاتا ہے اور مسلمانوں کو ایسی ہی مستقبل سلطنت منتخب کرنی چاہیے
مگر یہ اغلب نہیں کہ ایسی سلطنت کسی طرح عثمانی ہو یا عبدالحمید کو خود اسکے قائم کرنے کا موقع
ملے قسطنطنیہ کے ضائع ہونے سے اسکے رعب و داب کو سخت صدمہ پہنچیگا اور شکست کے بعد
کوئی بھی سلطنت قائم نہیں ہوئی بلکہ غالباً ایسی صورت میں عبدالحمید اور اس کا خاندان
صفحہ ہستی سے معدوم ہو جائیگا اور بالکل نئے خاندان کے خلیفے ان کے قائم مقام ہونگے اگر یہ بھی
فرض نہ کیا جائے کہ سلطنت میں نہایت کشمکش واقع ہو کر باسفورس ترکوں کے ہاتھ سے نکل
جائیگی پھر بھی اس کی حکومت بہت دیر تک نہ رہیگی قسطنطنیہ کے علما سب کے سب اسکے
طرفدار نہیں اور نوجوان ٹرکی کی پارٹی گو فی الحال بے حد تشدد سے دب گئی ہے اس کی
جانی دشمن ہے اور اس کو چین نہ لینے دیگی بیشک جب یورپ کی طرف سے کسی اور خطرہ کا
اندیشہ ہوگا یہ پھر نمودار ہو کر انتقام لیگی۔

اس جماعت کا پروگرام یہ بیان کیجاتی ہے کہ جب اس کو دوبارہ اقتدار حاصل ہو خلافت کے
دینی فرائض کو سلطنت کے عہدہ کے فرائض سے علیحدہ کیا جائے۔ میرا خیال ہے کہ پھر
وہی حالت ہو جائیگی جو چودہ سو برس اور پندرہ سو برس صدی میں قاہرہ میں پائی جاتی تھی اور یہ
بھی ممکن ہے کہ جہاں تک خود ٹرکی کا تعلق ہے اس قسم کے انتظام میں کچھ وقت تک کامیابی
ہو یعنی صورت میں قسطنطنیہ میں دو طاقتیں ہونگی یعنے ایک بادشاہ جو حکمران ہوگا اور دوسرا الخلیفہ
جو منصب کا عہدہ دار ہوگا اگر بادشاہ اور خلیفہ کے فرائض کو علیحدہ کر دیا جائے تو یقیناً اس قسم کی
اصلاح جو درست اور اسکے درست کرنا چاہتے ہیں سہولت سے ہو جائیگی لیکن عام دنیا
اس واقعہ سے یہ مراد لیگی کہ قسطنطنیہ نے اپنے سرگروگی کے دعوے کو باقاعدہ طور پر چھوڑ
دیا ہے اور اسلام ملحد افسروں کی ایک جماعت کی محض کٹھ پتلی کو صرف اس وجہ سے کہ وہ بھی
عثمان کا ایک رکن ہے خلیفہ تسلیم نہ کریگا عثمانی خلیفہ کو مسلمان صرف اسی وجہ سے مانتے ہیں

اسلامی شرع کا یہ اصول ہے کہ خلیفہ سخت جسمانی مجبوری کے بغیر اسلامی سرزمین کا کوئی حصہ نہیں
دے سکتا (مصنف)

کے حاکم لئے جاتے رہے ہیں یہ قبیلہ اپنے آپ کو چوتھے خلیفہ علی ابن ابوطالب اور اس کے بیٹے حسن اور فاطمہ الزہرا سے خود محمد کی اولاد بیان کرتا ہے غالباً دنیا بھر میں یہ سلسلہ ذکور کا نہایت قدیم مستند اور مقدس شجرہ نسب ہے عبد اللہ کے تمام اراکین شریف کہلاتے ہیں اور اس کا سردار صرف شریف اکبر یا شریف اعظم کہلاتا ہے باقی ماندہ قریش جو فاطمہ کی اولاد سے نہیں یہ لقب اختیار نہیں کر سکتے تمام بلا تمیز عبا اور کفیہ پہنتے ہیں بلکہ خود شریف اعظم کا بھی لباس ہے وہ اس امر میں حجاز کے شہری باشندوں سے جو پگڑی پہنتے ہیں بالکل مختلف ہیں۔

ضلع مدینہ میں حرب بدوی آباد ہیں یہ قبیلہ قریش کی نسبت بہت بڑا اور زبردست ہے وہ شریف کو بھی تسلیم کرتا ہے مگر اس کی وفاداری اور اطاعت پر بھروسا نہیں ہو سکتا مکہ کے مشرق اور جنوب میں عتیبہ اور عسیر کے دو نہایت زبردست قبیلے بالکل آزاد ہیں ان سرکش قبائل کو ایک دوسرے اور شہریوں سے بر سر صلح رکھنا ہمیشہ مشکل کام رہا ہے اور اگر شریف بدوی اور شریف النسل نہ ہوتا تو وہ ان کو بر سر صلح نہ رکھ سکتا۔

شرافت کی ابتدائی تاریخ بہت تاریک ہے جب خلفا اسلام کے چالیسویں سال یعنی ۶۶۴ء میں مدینہ کو بطور اپنے پایہ تخت کے چھوڑ کر چلے گئے تو کچھ وقت تک شریفیہ خاندان کے نائب ان کے پیچھے ان کے نام پر حکومت کرتے رہے اور جب تک خاندان امیہ اور عباس دمشق اور بغداد میں حکمران رہا حجاز میں اس کی بادشاہت تسلیم کی جاتی رہی مگر ۱۲۵۹ء میں عربی خلافت کی تباہی پر شریفیہ خاندان بالکل آزاد ہو گیا اور نجد اور عسیر کے بدویوں سے جواب برائے نام بھی مسلمان نہیں محفوظ رہنے کے واسطے کبھی کبھی سلاطین مصر اور صنعا کے اماموں سے مدد لیتا رہا مگر سلطان مصر مقدس مقامات کا برائے نام محافظ تھا اور صرہ یا مسلمانوں کا مذہبی چندہ اکٹھا کر کے مدینہ میں پہنچانا اور حاجیوں کے قافلہ کی سالانہ گارد مہیا کرنا اسی کا کام تھا چنانچہ تاریخ میں لکھا ہے کہ ۱۱۴۲ء میں قائد بیگ نے مدینہ کی مسجد کو از سر نو تعمیر کیا اور وہ شہریوں کے واسطے غلہ کی سات ہزار پانچ سو پیمانے ہر سال بھیجا کرتا تھا مگر اور بادشاہ بھی پیشکش دیتے رہے اور ارض مقدس کے متعلق اعزازی لقب لیتے رہے مثلاً فارس کے مغلوں اور عثمانیوں کے بادشاہ جہاں تک مجھے معلوم ہے موخر الذکر کا ۱۲۱۴ء میں مکہ کے ساتھ تعلق ہوا جب بادشاہ

اور صاف ہوگا پس غالباً آئندہ کو خلافت مدینہ یا مکہ کو واپس آئیگی۔

گذشتہ چند سالوں سے قسطنطنیہ اور دیگر مقامات میں عرب کی اہمیت پورے پورے طور پر تسلیم کی گئی ہے عبد الحمید کی متواتر پالیسی یہ رہی ہے کہ خواہ کچھ ہی ہو وہاں اپنا اثر قائم رکھے اور وہ جانتا ہے کہ اسکے بغیر اسکے دینی دعادی بے بنیاد ہیں اس کو معلوم ہے کہ عرب مسئلہ خلافت کا نقطۂ اعظم ہے خواہ آئندہ خلیفہ حجاز میں رہے یا نہ رہے یہ ایک یقینی بات ہے کہ اسلامی دنیا خلافت پر متمکن ہونے سے ہی اسکو اپنا لیڈر بنانے کا خیال کریگی پس اور امور پر بحث کرنے سے پیشتر یہ تحقیقات دلچسپ ہوگی۔ کہ زمانہ ماضی اور حال میں مکہ اور خلافت کے درمیان کون سے موجود الوقت تعلقات رہے ہیں اور اب عبد الحمید کی عرب میں کیا پوزیشن ہے اسبارہ میں میں قیمتی اور نئی معلومات پیش کرسکتا ہوں۔

مسلمانوں کی ارض مقدس کا پولٹیکل نظام دنیا بھر میں نہایت بے قاعدہ ہے عرب خاص کے ہر ایک ضلع کی طرح حجاز میں ایک شہری اور ایک خانہ بدوش آبادی ہوتی ہے لیکن ان کے بین بین کوئی زراعتی جماعت نہیں ہوتی شہری یا قصبوں میں رہنے والے جیسا کہ میں پہلے بیان کرچکا ہوں مخلوط النسل ہیں وہ ان حاجیوں کی اولاد سے ہیں جو دنیا کے ہر ایک حصہ سے مقامات مقدسہ کی زیارت کو آئے اور وہیں شادی کرکے فوت ہوگئے برخلاف اسکے خانہ بدوش یا بدوی ایک خاص شریف نمونہ کی خالص نسل ہیں اور ان کی زندگی کی ضروری باتوں میں محمد کے زمانے کی نسبت بالکل تغیر واقع نہیں ہوا بدوی جنگجو بے چین طبیعت (اونٹوں پر سوار (کیونکہ ان کے پاس گھوڑے نہیں) اور توڑے دار بندوقوں سے مسلح ہوتے ہیں وہ اپنی آزادی پہ نازاں اور اپنے حقوق پر جان دیتے ہیں محمد علی کے سوا ان کو مطیع کرنے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی گئی اور کسی میں کامیابی نہیں ہوئی مگر اس امر میں وہ جزیرہ نما عرب کے تمام بدوؤں سے مختلف ہیں کہ وہ سنی مسلمان ہیں گو بہت متقی اور پرہیزگار نہیں ہیں الغرض وہ اپنے نہایت شریف قبیلے کے سردار یعنی قریش کے شریف اعظم کو جو مکہ کا بادشاہ بھی ہے اپنا سردار تسلیم کرتے ہیں۔

قریش اب تک ایک علیحدہ خانہ بدوش قبیلہ ہے اور مکہ کے بالکل قرب وجوار میں سکونت پذیر ہے یہ بے شمار نہیں مگر روبہ تنزل بھی نہیں اہل قریش کے کئی حصے ہیں ہر ایک حصہ پر اس کا شیخ حکمران ہے ان میں سے بڑے حصے یعنی بنی عبد اللہ میں کئی صدیوں سے حجاز

طائف میں جو مکہ والوں کا گرمائی صدر مقام تھا قیام کیا شریف کبیر غالب کو معزول اور اس کی بجائے شریفیہ خاندان کے ایک اور رکن کو مقرر کیا اور اس نے سلطان کو ملک کا بادشاہ مشتہر کیا چونکہ اہل مکہ وہابیوں سے ڈرے ہوئے تھے اور محمد علی نے ان کو وہابیوں سے چھڑانے کا دعوے کیا تھا انہوں نے کچھ تعرض نہ کیا اس طرح موجودہ صدی میں مصری اور ترکی حکومت حجاز میں بادشاہت کے بعض اختیارات کو استعمال کرتی رہی ہے۔

فی الحال اس ملک میں سلطان عبد الحمید کی یہ پوزیشن ہے اس کی افواج جدہ اور ینبوع کے بندرگاہوں اور اندرون ملک میں بلاد مدینہ اور طائف پر قابض ہیں بہ استثنا مکہ کے شریف اس کو ہر جگہ اپنا شہنشاہ تسلیم کرتے ہیں اور وہ سلطنت کے تمام عہدوں پر جن میں خود شریف کبیر کا اعلےٰ عہدہ بھی شامل ہے افسر مقرر کرتا ہے اس کا ایک نائب پاشا موسم کے لحاظ سے کبھی جدہ میں اور کبھی طائف میں رہتا ہے مگر پاشا کو شریف کبیر کی اجازت کے بغیر مکہ میں داخل ہونے یا وہاں فوج بھیجنے کا حق حاصل نہیں گذشتہ موسم سرما میں کل ترکی گیریسن آٹھ ہزار سے دس ہزار تک تھے جن میں سے صرف چار ہزار باقاعدہ یا سپاہ نظام کی فوج تھی جب میں جدہ میں تھا مدینہ کے قلعہ کی دو ہزار باقاعدہ سپاہ کی نسبت جس کو مدت سے تنخواہ اور خوراک نہ ملی تھی یہ مشہور تھا کہ وہ خیرات پر گذارہ کرتی ہے برخلاف اس کے حجاز کے بدوی شریف کے سوا کسی کی بادشاہت تسلیم نہیں کرتے اور سلطان بھی شہروں کے باہر شریف کی وساطت کے بغیر امن قائم رکھنے کا دعوے نہیں کرسکتا اندرون ملک میں سلطان کسی قسم کا ٹیکس یا محصول نہیں لگاتا اور حجاز میں اس کی آمدنی کا ذریعہ جدہ اور ینبوع کی چنگی ہے جس کی تعداد چالیس ہزار پونڈ کی مقدار ہے۔

اس کے معاوضہ میں اس کو حج کے زمانہ میں ہر سال وہ رقوم بھی بھیجنی پڑتی ہیں جو حکومت سلطانی کے اوقات کی آمدنی سے حاصل ہوتی ہیں کیونکہ بعض بیرونی [illegible] اوقاف کی اصلی آمدنیاں شریفیہ خاندان کے نام پر ہبہ کردی ہیں کہتے ہیں کہ ان کی آمدنی تقریباً [illegible] لاکھ پونڈ سے اوپر ہے اور بڑے بڑے آدمیوں میں تقسیم کی جاتی ہے۔ اصل میں شاید اوقاف کے چھوڑ کرنے والا رشتہ وقف کی آمدنی کا پہنچا دیتا ہے اور اسکے نسبت کہہ سکتے ہیں سلطان گویا شریف کا گماشتہ ہے۔ اس کے تقسیم کرنے سے سلطان ملک حجاز کا موجودہ مقتدر بادشاہ خیال کیا جاتا ہے۔ مگر یہ باہمی فوائد کا تعلق ہے۔

محمد خان اول نے مکہ شریف کو سونے کی ایک تھیلی بامرو بھیجی کہ بطور خیرات تقسیم کیجائے اور اس سے خادم الحرمین کا لقب حاصل کیا۔ عثمانی بادشاہ یہ پیشکش ہر سال دیتے رہے اور غالباً اس طرح بعد میں ان کے خلیفہ تسلیم کئے جانے کا راستہ صاف ہوگیا۔

سرسری نظر سے عجیب بات معلوم ہوگی کہ شرفا نے جو خود مقدس خاندان کی اولاد اور خلافت کے خاص وارث تھے اس طرح ایک اجنبی کو خلافت کا شرعی وارث تسلیم کر لیا لیکن سولھویں صدی میں مکہ کی حکومت کی پولیٹیکل کمزوری اس کی ایک کافی دلیل ہے شریف کبیر اپنے مطلق العنانی کو بمشکل قائم کر سکتا تھا کیونکہ اس کو ایک طرف عمان کے خوارج اور دوسری طرف نجد کے غیر مسلم قبائل سے جن کے مقابلہ پر اس کی سرحد غیر محفوظ تھی ہر وقت کھٹکا رہتا تھا وہ اپنی سپاہ سے حاجیوں کے قافلوں کو بدویوں کی دست بُرد سے نہ بچا سکتا تھا اور حجاز کی سرسبزی اور خوش اقبالی کا دارومدار حج پر تھا پس اہل مکہ کے واسطے کسی نہ کسی طرح محافظ ضروری تھا اور جب سلطان قانصو کو شکست ہوئی انھوں نے سلطان سلیم کو اپنا محافظ تسلیم کر لیا۔

بعد ازاں عثمانی سلاطین مقدس مقامات کے محافظ ہوگئے اور مکہ اور مدینہ میں لڑائی کے بغیر خلفا تسلیم کئے گئے فی الحقیقت ان کے اسلحہ و مزر و سیم تھے جو وہ شریفوں کو بطور امداد بھیجتے تھے کہ سلطان سلیم نے خلیفہ تسلیم کئے جانے پر فی الفور یہ حکم دیا کہ مکہ میں پانچ ہزار مزید اردب سالانہ بھیجا جایا کریں اور وہ اور اس کے قریب جانشین مقدس مقامات کی تعمیرات عامہ کی اپنی صرف سے ضروری مرمت یا اصلاح کراتے رہے بعد میں بندرگاہ جدہ میں بھی جہاں پہلے مصری قابض تھے ترکی فوج بھیج دی گئی مگر اندرونی حجاز کبھی مطیع نہ کیا گیا اور نہ ہی کسی زمانہ میں کسی طرح کا ٹیکس لگایا گیا سال میں صرف ایک دفعہ عثمانی فوج دمشق کے حاجیوں کے قافلہ کی حفاظت کے واسطے صرف لئے ہوئے مدینہ میں آتی تھی سینہر نے گذشتہ صدی میں مکہ کی حالت صاف طور پر بیان کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شریف فی الحقیقت خود مختار بادشاہ تھے مگر سلطان کو خوش کرنے کے خیال سے وہ اس کو اپنا شہنشاہ پکارتے تھے وہ بھی کبھی کبھی اپنا اقتدار جتانے کے خیال سے حکمران شریف کو معزول کر کے اسی خاندان کا ایک اور شریف مقرر کر دیتے تھے۔

۱۸۱۳ء میں محمد علی کے حجاز پر قابض ہونے سے اجنبی سپاہ اندرونی ملک میں آگئی اسی نے

کی طاقت گو وہ آرمینیا اور کردستان پر بھی قابض رہے (جو بالکل ناممکن ہے) ایشیائے کوچک
میں محدود ہو جائیگی۔ اور وہ اس قابل نہ رہیگا کہ بہ صرف کثیر اپنی عربی فتوحات پر قابض
رہے۔ مکہ کا مربی بنا رہے۔ اس حالت میں اسکا رعب و داب بحیرۂ قلزم پر بھی نہ رہیگا
اور وہ حاجیوں کے مختلف راستوں کی حفاظت بھی نہ کر سکیگا۔ نجد کے سردار ترکی سپاہیوں
کے مدینہ میں رہنے کو گوارا نہ کر سکینگے اور مکہ کے شریفوں کو کسی نئے محافظ کے ملنے تک نجد
کے سرداروں اور یمن کے بحال شدہ اماموں کے ساتھ صلح کرنی پڑیگی مزید براں اس صورت
میں پانچ لاکھ پونڈ نقد کی آمدنی حاصل نہ ہو سکیگی اور جو ترکی امیر الحاج مکہ میں خالی
ہاتھ چلا آئیگا وہ اپنے آقا سلطان کی سخت تضحیک کا باعث ہوگا اس صورت میں
حجاز ایک ایسے مقتدر بادشاہ کی جستجو کریگا جو لقب حامی الحرمین اور امیر المومنین کا مستحق
ہو اور اگر اس قسم کا کوئی شخص نہ ملا تو حجاز کا بادشاہ خود خلیفہ بن جائیگا پس اب ہم کو یہ دیکھنا
چاہئیے کہ اسلام کے کون کون سے ممالک میں ایک لائق خلیفۃ المومنین پیدا ہو سکتا ہے
ممکن ہے کہ یورپین اس کو قرین قیاس نہیں سمجھتے کہ بربری ریاستوں کی موجودہ ہلچل میں وہاں کوئی
واقعی زبردست اور مذہبی امور میں ملکی لیڈر پیدا ہو اور اپنی لیاقت خداداد سے شمالی افریقہ
کی منتشر اسلامی قوتوں کو اکٹھا کر کے طاقت کا ایک آلہ بناوے اور فرانسیسیوں کی نئی پالیسی
کے خلاف کوئی مہتم بالشان کامیابی حاصل کر کے طرابلس یا ٹیونس میں خود مختار بادشاہت
قائم کرے اگر عبد القادر کی طرح ایک ولی واعظ اور سپاہی پھر پیدا ہو جاوے جو مقامی
حاکموں کے ناچیز منصوبوں کی کچھ پرواہ نہ کرے اور اس کو فوجی قابلیت اتقا اور
لسانی و عطیہ بھی ملا ہو تو میرے خیال میں اس کو فی الحال نیم کامیابی حاصل ہو سکتی ہے
عبد القادر کے زمانے کی نسبت فرانسیسی سپاہ بلحاظ تعداد و دانائی اور استعداد کے کمزور ہے اور
اس کو پہلے سے زیادہ مشکل سرحد کی حفاظت کرنی پڑتی ہے اور گورنمنٹ فرانس تنگ د
ستی میں ہے اور یورپ اور دیگر مقامات میں عربوں کے ساتھ قلیل ہمدردی ہے میں
یہ نہیں کہتا کہ اس واقع کا ہونا اغلب ہے مگر پھر بھی یہ تصور میں آسکتا ہے کیونکہ افریقہ
میں ایسے عنصر موجود ہیں کہ کوئی مسلمان بادشاہ نئی حکومت قائم کر سکے اور آخر کش
اس کے واسطے مکہ کا رستہ صاف ہو جاوے اس امر میں کلام نہیں کہ اگر کوئی شخص
عبد القادر یا عبد الوہاب کی طرح اولوالعزم ہو اور کسی عیسائی طاقت کے خلاف

شریف جو اپنے مقدس خاندان پر ناز اں ہیں ترکی خلفا کو عجمی اور کذاب خیال کرتے ہیں اور
سلطان حجاز کو اپنے خزانہ پر بار گراں خیال کرتے ہیں ان میں سے ہر ایک دوسرے سے نفرت
کرتا ہے یعنے مربی اور دست نگر دونوں ایک دوسرے سے متنفر ہیں اگر یہ اتحاد بمنزلہ ایک
ضرورت کے نہ ہوتا تو وہ مدت سے اس کو باہمی تغرار داد سے فسخ کر دیتے شریف سلطان کا اس
واسطے دست نگر ہے کہ اس کو ایک محافظ اور اوقاف کی آمدنی کی ضرورت ہے سلطان
شریف پر اس واسطے اعتماد کرتا ہے کہ حجاز میں اس کا حامی تسلیم کیا جانا خلافت کیواسطے
ایک بڑا حق ہے الغرض اسلام کے واسطے مکہ خلیفہ سے بھی زیادہ ضروری ہے اور جو شخص
وہاں بادشاہ ہے طبعاً اسلامی دنیا کا بادشاہ ہے۔

حجاز کے باہر سلطان کے پاس عرب کا جو حصہ ہے اس پر وہ محض بزور شمشیر قابض ہے میں پہلے
بیان کر چکا ہوں کہ نجد کے سعود اور ابن رشید کی طاقت روز بروز بڑھتی جاتی ہے اور اب گزشتہ
دو سال کے بعد وہاں اپنے اثر کو محسوس طور پر وسیع اور مضبوط کر لیا ہے اب اس نے شمالی عرب
کے تمام اہم قبیلوں کو جن میں زبردست قبیلہ عنیزہ بھی شامل ہے جو چند ماہ پیشتر مکہ پر حملہ کرنا
چاہتا تھا اپنا مطیع کر لیا ہے اور حجاز میں اس کا نام سلطان کے بالکل ہم پلہ ہے جب میں جدہ میں
تھا تو اس نے دمشق کے تمام حاجیوں کے قافلہ کے ساتھ اپنی گارڈ روانہ کرنے کا دعویٰ کیا
تھا جیسا کہ وہ ایرانی قافلہ کے ساتھ بھیجتا ہے اور اس نے ابھی دنوں اپنے مخالف قبیلہ
[illegible] کے ساتھ محاربہ میں کامیابی حاصل کی ہے یمن کے پڑوس میں ملک یمن
میں بھی ... سلطان کے زیر اثر صرف متعدد مقامات ہیں۔ اور ان کے قلعوں میں
[illegible] ہزار ترکی فوج رکھنی ضروری ہے۔ اگر سلطان ساحل پر قابض نہ ہوتا۔ تو ترکی
فوج ان مقامات پر مدت تک قابض نہ رہ سکتی۔ وہاں سے مجھے ہر روز بغاوت کی خبروں
کے موصول ہونے کی توقع ہے۔ اور قسطنطنیہ میں کمزوری کی خفیف علامت نمودار
ہونے پر عرب کے اس حصہ میں فوراً آزادی کا جنگ شروع ہو جائیگا۔

میں بیان کر چکا ہوں کہ علاقہ کے ہاتھ سے نکل جانے یا سلطنت کی ترقی پذیر افلاس کی وجہ
سے جو بیس چالیس سال کے بعد ضعف لاحق کر دیگا۔ غالباً ممالک عثمانیہ کا شیرازہ درہم
برہم ہو جائیگا۔ اور اسوقت مسلمان بادشاہوں میں مقدس مقامات کی حفاظت کرنے
[illegible] کے ساتھ ہی خلافت کی وراثت کے حق کے متعلق مقابلہ شروع ہو جائیگا سلطان

خیال سے ملک میں بھیج دیا گیا اگر صرف روپیہ سے ہی خلافت خریدی جا سکے تو جو شخص ہندوستان
میں بغاوت کر کے انگریزوں پر کامیابی حاصل کرے گا وہ اسلام سے بھی اپنی حسب خواہش
شرائط منوا سکے گا مگر ہمیں بعد اور سمندر کی ناقابل گذر رکاوٹ حائل ہے ہندوستان کی
اسلامی حکومت مکہ کی ویسی حفاظت نہیں کر سکتی جس کی اسلام کو ضرورت ہے اور سوائے
ہندوستان کے اور وہ بھی بزور شمشیر کسی جگہ اپنی بادشاہت قائم نہیں کر سکتے جیسا کہ مہدی کی
حالت میں فرض کیا گیا تھا یہ بھی بعید از قیاس مفروضہ کامیابی ہے۔

گو نہ ہی ہندوستان سے نہ ہی مغربی افریقہ سے مال و وجاہت پر یہ توقع ہو سکتی ہے کہ خاندان عثمان
کا ایک ایسا قائم مقام مہیا کرے جس کی ہم کو ضرورت ہے اس سے زیادہ بدیہی اور بعض کی رائے
میں خلافت کا اغلب امیدوار مصر کا خاندان خدیو ہے محمد توفیق اگر اپنے دادا کی طرح ذکی ہوتا
یا اگر وہ اپنی مسلمہ دیانتداری کے ساتھ کامیابی حاصل کرے چند سالوں کے اندر مکہ میں سلطان
کا اہم رقیب ہو سکتا ہے مصر کو یوں تو خلافت سے قدیم تعلق ہے مگر محمد علی کی یاد سے اہل حجاز
مصر کو اسلام کا محافظ ملک خیال کر کے اس کی حمایت پر راغب ہو جائینگے۔

محمد علی اور اس کے جانشین ابراہیم پاشا کے نام گو در حقیقت مشہور نہیں تو مکہ میں عزت و حرمت
سے لئے جاتے ہیں۔ اور نیز مؤخر الذکر کے بالخصوص اس وجہ سے مشکور ہیں کہ اس نے ۱۸۱۸ء
میں وہابی سلطنت کا ستیاناس کر دیا تھا معلوم ہوتا ہے کہ مصر کے سابق خدیو اسماعیل کو بھی
یہی ہوس ہوئی تھی۔ اس کو بے حد مالی اختیارات حاصل تھے۔ اور کہتے ہیں کہ اس نے قسطنطنیہ
میں ملکی واقعات کو مدنظر رکھ کر شریفوں کو گرانبہار قوم سے امداد دی تھی۔ لیکن بدقسمتی سے
نہر سویز کے افتتاح سے جس سے اس کو اہل یورپ کے اپنا موید بنانے کی توقع تھی اس کی تجویز
خاک میں مل گئی۔

جب ۱۸۷۱ء میں باب عالی کو اس طرف سے اپنی حقوق خلافت کو خطرہ معلوم ہوا تو اس نے بحیرہ
قلزم میں مسلح جہاز بھیج کر تسلط بٹھا لیا جدہ اور ینبوع کے قلعوں میں جنگی فوجیں بھیج دیں۔ اور
طائف پر پیشقدمی کر کے یمن میں لشکر جرار پھیلا دیا۔ یہ سب باتیں نہر سویز کے طفیل پیدا ہو گئیں
اور اسمعیل اپنے آپ کو چاہ کندہ را چاہ در پیش کا مصداق پا کر بہت سٹ پٹایا۔ اگر محمد توفیق
خلیفۃ المومنین بننے کی ہوس کرے تو وہ معذور ہے کیونکہ یہ خیال اس کے خاندان میں متواتر چلا آیا
ہے۔ فی زمانہ مکہ سے اسکا تعلق صرف قسطنطنیہ سے ہی دوسرے درجے پر ہے۔ سویز اور جدہ کی

کامیابی حاصل کرنے سے اس کا رعب و داب بیٹھ جائے اور سوڈان کے بے شمار باشندے
اور تند جنگجو سپہ جوش مالکی عرب اس کی امداد کریں تو تمام اسلام اس سے ہمدردی کرنے لگیگا
اور ممکن ہے کہ اس کو اسلام کا نہایت اعلےٰ منصب حاصل ہو جائے۔ لیکن فی الحال اس کے
کہ ہم افریقہ کے کسی مشہور شخص کو مستقبل خلافت کا غالب امیدوار خیال کریں بہت سی محال
باتیں تسلیم کرنی پڑتی ہیں۔

عرب کے موجودہ لیڈر صرف مقامی ہیرو ہیں اور ابتک ان کو کوئی ایسی کامیابی حاصل
نہیں ہوئی کہ ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے۔ مشرقی طرابلس میں شیخ السینوسی نامی
شخص موجود ہے جسکے زہد و اتقا کا شہرہ دور دور تک ہے جسکے بہت سے مذہبی پیرو
ہیں اور غالباً تھوڑے عرصہ میں وہ بطور مہدی نمودار ہوگا جسکی آمد کی بے شمار سنیوں
اور شیعہ مسلمانوں کو توقع ہے آئندہ سال میں اس کی عمر چالیس سال ہوگی اور پیغمبر
کی شرعی عمر ہے اور اس وقت وہ غالباً کسی عام تحریک میں حصہ لیگا لیکن اب تک
ہم کو اس کا نام اور صرف اس کا تقدس ہی معلوم ہے اور یہ کہ وہ وہابیوں کی طرح
شریعت کا پابند ہے مزید براں اگر اس کی کامیابی کو فرض کر لیا جائے پھر بھی ایک
یہ مشکل درپیش ہے کہ بربری ریاست اور مکہ کے مابین مصر اور نہر سویز حائل ہے پس اگر مستحق
خلافت کے امیدواروں میں سے شمالی مغربی افریقہ کو بالکل خارج کر دیا جائے تو بیجا نہ ہوگا کیونکہ اس
زمانہ میں دخانی جہاز تار برقی اور یوروپین اتحادوں کے مقابلہ میں کامیابی مشکل سے ہو سکتی ہے یہ امر
بھی قابل ذکر ہے کہ سلطان مراکش نے ابتک جدید مذہبی تحریک میں کوئی حصہ نہیں لیا
ہندوستان کے مسلمان نوابوں کی پوزیشن بھی بالکل ویسی ہی ہے اگر گذشتہ بیس سال کی طرح
انگریز غیر معقول پالیسی پر مصر رہے تو وہ جلدی ہی ایک مسلح یوروپین گورنمنٹ کے مخالف ہو جائینگے
اور مسلمانوں کو اسلام کی نظروں میں سربرآوردہ ہونے کا موقع ملجائیگا اور اگر دہلی یا حیدرآباد میں
کوئی محمدی سلطنت قائم ہو جائے تو ہندوستان درحقیقت دارالاسلام کہلانیکا مستحق
ہوگا اس وقت یہ اسلامی ریاستوں میں سے نہایت زرخیز اور نہایت آباد ہوگا اور حج میں
صرف بھیجنے میں ہر ایک اسلامی ملک سے سبقت لیجائیگا فی الحال ہندوستان [illegible] وقف کی
بجائے اور سلطنت عثمانیہ کی اوقاف کے برابر خیال کی جاتی ہے اگر کوئی اسلامی سلطنت قائم
ہوگئی تو وہ اس کو ہماری گورنمنٹ کی طرح علیحدہ طور پر تقسیم کرنے کی بجائے شاہی کے

لے قریش کو سات خاص حق عطا کر کے افتخار بخشا - اوّل نبوت - یہ کہ اس قبیلہ میں پیغمبر پیدا ہوا - دوم خلافت - یعنے پیغمبر کی جانشینی - سوم حجابت یعنے کعبہ کی نگہبانی - چہارم سقایت یعنے حاجیوں کو پانی پلانے کا حق - پنجم رفادت - یعنے حاجیوں کی ضیافت کرنے کا حق - ششم ندوۃ مشورہ و حکومت کا حق - ہفتم لوا - یعنے علم مقدس اور اسکے ساتھ ہی اعلان جنگ کرنے کا حق دیا - ایک اور روایت سے معلوم ہوتا ہے - کہ جب تک قریش سے ایک شخص بھی جدا نہ ہوگا وہ میرا جانشین ہوگا" عربی نسل کے متعلق کہا گیا ہے " اگر عربی نسل کو تنزل ہوگا اسلام کو تنزل ہوگا" یہ باتیں تمام دنیا کو معلوم ہیں اور بالخصوص عوام شریف کو سلطان یا خلیفہ کی نسبت دینی منصب کا زیادہ مستحق تر خیال کرتے ہیں -

جنوبی اور مشرقی ایشیا سے حاجی بیت المدینہ کہ قسطنطنیہ کی زیارت کو جاتے ہیں اور مکہ میں شریف کا ہی ڈنکا بجتا ہے - حجاز میں ترکی گورنمنٹ کی نسبتاً کم وقعت ہے اور جدہ میں سلطان کا قائم مقام شاہ مکہ کے ایک خادم سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا - کیونکہ شریف پیغمبر کی اولاد سے ہے اور سلطان صرف ایک عام مسلمان ہے گو علما خلیفہ کو با وقعت تسلیم کرتے ہیں مگر وہ بھی صرف شریف کا ہی نام سنتے ہیں بلکہ قسطنطنیہ میں بھی قدیم سے یہ رسم چلی آئی ہے کہ سلطان مقدس گھرانے کے اراکین کو خیر مقدم کہنے کے واسطے کھڑے ہو جاتے ہیں اور مکہ میں سمجھا یہ کہا جاتا ہے کہ اگر سلطان بنفس نفیس حج کریں شریف کبیر ان کے ساتھ اپنے سے ادنے شخص کے طور پر ملاقات کریگا یس شریفیہ خاندان ایک طرح سے مقدس ہے اور اگر وہ اعلے روحانی عہدہ کے حاصل کرنے کی تمنا رکھے تو سوا ان قوموں کے جو عثمانیوں کی رعایا ہیں تمام لوگوں کو ان کی یہ خواہش بالکل طبعی معلوم ہو گی اور اگر شریف کے خاندان میں کوئی دیعی لائق شخص پیدا ہو جاوے تو خلافت جیسے نازک مگر باوقعت معاملہ میں جیسے ہم بحث کر رہے ہیں اسکے بیشمار پیرو ہو جاوینگے -

اس میں کچھ شک نہیں کہ گورنمنٹ عثمانیہ کو اس امر کی پوری پوری واقفیت تھی کمال عروج کے زمانہ میں بھی یہ شریف مکہ کو رقابت اور بے اعتباری کی نظر سے دیکھتی تھی اور جب کوئی شریف کچھ خطرناک اثر حاصل کر لیتا تھا تو اس کو موقوف کر کے اس کی بجائے کسی اور کو تعینات کر دیتے تھے چونکہ سلطنت عثمانیہ بہت زبردست تھی یہ شریفوں کا عزل و نصب بسہولت کر سکتی تھی گو شریف کبیر کے عہدہ کو بالکل موقوف نہ کر سکی پھر بھی جانشینی کی ترتیب میں دخل

مابین مصر کے خدیویہ جہاز رانی کی آمد و رفت برابر جاری رہتی ہے اور خدیو حاجیوں کا جو قافلہ مکہ بھیجتا
ہے جس میں مغرب کے اکثر حاجی شامل ہوتے ہیں سلطان کے قافلہ حاج کی نسبت بہت زیادہ ہوتا
ہے۔ اس کے کم از کم ایک بڑے شریف خاندان کے ساتھ نہایت دوستانہ تعلقات رہتے ہیں۔ اور وہ
ہر سال ایک محمل مع بیش قدر عطیہ کے مدینہ میں بھیجتا ہے۔ محمد توفیق سچا مسلمان اور دیانتدار مشہور ہے
اور وہ اس تعریف کا بالکل مستحق ہے۔ اور یہ بھی یقینی امر ہے کہ سچے دریا دل مسلمانوں کا ایک گروہ
کثیر اس کو اپنی آرا کا نہایت لائق مؤید خیال کرتا ہے مگر با ایں ہمہ میرے خیال میں وہ ایسا نامی آدمی
نہیں۔ کہ عبد الحمید کی جانشینی کی ہوس میں اس کو پوری پوری کامیابی حاصل ہو۔

مصر کے موجودہ والیسرائے کی مالی پوزیشن گو پہلے سے زیادہ عمدہ بنیاد پر قائم ہے۔ مگر اس کے والد کے
زمانہ کی طرح مضبوط نہیں۔ اور خلافت کی تمنا کرنے والے کو بشمار نقد روپیہ کی ضرورت ہوگی
اس کی سپاہ بھی کم ہے۔ اور اس کو بزور شمشیر خلیفہ بننا ہوگا۔ مزید برآں ایک ناقابل گذر مشکل یہ
ہے کہ وہ اہل یورپ کے بس میں ہے۔ اسلام ایسے خلیفہ کی جو خود عیسائیوں کے ہاتھ میں
کٹھ پتلی کا کام دیتا ہو۔ اطاعت نہ کریگا اور وہی بواعث جن سے خاندان عثمان تباہ ہوگیا ہے۔
اس کو بھی تباہ کر دینگے۔ موجودہ صورت میں خلیفہ سوائے قدیم قانون شریعت کے حکومت نہیں کر سکتا
اور گو معمولی بادشاہ بلکہ ایسا خلیفہ بھی جس کا تسلط خوب بیٹھ گیا ہو۔ شرعی قانون کی پوری پوری پابندی
سے انحراف کر سکتا ہے۔ مگر نئے خلیفہ کو جو بنیاد نو سے پیش کرتا ہے۔ پورا پورا پابند ہونا پڑے گا۔
محمد توفیق کو ایک طرف تو اسلام کی اور دوسری طرف یورپ کی ضرورت ہے۔ اور اسلام و یورپ
آب و آتش کا حکم رکھتے ہیں۔ اگر وہ ان دونوں کے بیچ میں کھڑا ہونا چاہتے تو وہ ضرور گر پڑیگا
تاوقتیکہ مشرقی ایشیا میں کوئی غیر متوقع مذہبی شجاع پیدا ہو۔ جیسا کہ اب تک کوئی نشان نظر نہیں
آتا مسلمانوں کی مذہبی حکومت کا پایہ تخت عربستان۔ اور مکہ کے شریف نسل سے نیا خاندان خلافت
شروع ہوگا۔ اسلامی خلافت کے اعلیٰ منصب کے امیدواروں میں سے شریف خاندان کو یہ
بڑا فائدہ ہے کہ یہ قبیلہ قریش کی نسل سے ہے۔ جس کو خود محمد نے اپنا وارث بیان کیا تھا۔ صحیح
دیگر مستند احادیث کے جن سے قریش کا حق خلافت معلوم ہوتا ہے۔ ذیل کی حدیث نہایت صاف
اور واضح اور اقتباس کے نہایت لائق ہے۔ ام ہانی دختر ابو طالب راوی ہے کہ پیغمبر علیہ السلام

ا۔ یہ تحریر [illegible] کے واقعات سے پیشتر لکھی گئی تھی۔ ان واقعات [illegible] خلافت کا معاملہ [illegible] ہو سکتی
زیادہ صورت نکل آئی ہے کہ محمد توفیق کو خلیفہ منتخب ہونے کا [illegible]
[illegible] ۔ مصنف

حاجی یار ولی کے قائد خاص ہیں مشتبہ آئی عرب جو نہایت آزاد خیال ہیں ان کے بہت مؤید ہیں اور گو
ابتداً کے تشریع میں اس قسم کا شبہ نہیں ہوتا تاہم شیعہ اور دیگر ملحدوں کے ساتھ بہت
تحمل اور بردباری سے سلوک کرتے ہیں حج کے زمانہ میں مختلف بلاد امصار کے لوگ حج بیت اللہ
کے واسطے آتے ہیں اور شریف ہر ایک کے ساتھ ان کو کسی نہ کسی طرح واسطہ پڑتا ہے اور ان کے ساتھ
نہایت خوش اخلاقی سے سلوک کیا جاتا ہے بلکہ شریف عبد... کے یورپین باشندوں سے بھی
دوستانہ تعلقات رکھتے تھے اور جب تک ان کو اختیار حاصل رہا ہندوستان اور مکہ کے درمیان
دوستانہ تعلقات قائم رہے

عبداللہ ابن عون محمد کا بیٹا ۱۸۵۸ء میں اپنے باپ کا جانشین ہوا اور ۱۸ سال تک حکومت
کی زیادہ بہت لائق شخص تھا بلکہ وہ ترقی کا یہاں تک حامی بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے حجاز کو یورپین
تجارت کے واسطے کھول دینے کا ارادہ کیا تھا اس کا بھائی حسین ۱۸۷۷ء میں شریف مکہ ہوا اس سے
کم آزاد خیال نہ تھا وہ علم لیاقت میں عبداللہ سے کم تھا مگر وہ نہایت متدین اور خوش خلق تھا اور
باستثنا اپنے خاندان کے دشمن قبیلہ زید کے حجاز کے تمام لوگوں کو اس سے محبت تھی بلکہ یہ بھی بیان
کیا گیا ہے کہ روس کے پر مصیبت جنگ سے آئندہ سال میں جب قسطنطنیہ کی سلطنت کا خاتمہ
ہوا چاہتا تھا عرب الحسین ابن عون کو سلطان کی بجائے خلیفہ بنانے پر علانیہ خیال کرتے
تھے مگر یہ بات معلوم نہیں ہو سکتی کہ آیا الحسین کے دل میں بھی اپنے دوستوں کے سے
خیالات آتے تھے کیونکہ وہ ایک نہایت صلح جو شخص تھا اور خلیفہ کے لقب سے اس کو پہلے سے
اعلیٰ پوزیشن حاصل نہ ہوتی مگر اس میں کلام نہیں کہ اس کی ہر دلعزیزی کی وجہ سے قسطنطنیہ میں
رشک اور رقابت پیدا ہو گئی اور بالخصوص اس لئے کہ عبدالحمید اس کو معزول کرنے کی نیت
اور طاقت نہ رکھتا تھا جب انقلاب پسند فرقہ نے انگلستان کے ساتھ تنازع کرنے کا مصمم
ارادہ کر لیا تو الحسین کی بھی شامت آ گئی کیونکہ وہ اور اس کا خاندان جب کبھی حج کے متعلق
ہندوستانی رعایا کا معاملہ پیش آتا تھا برٹش گورنمنٹ کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم رکھنے
پر مصر رہا ہے یہی وجہ تھی کہ ترکی پالیسی کے قائم مقام کے لئے جگہ پیدا کرنے کے واسطے اس کو
قتل کرنے کا مصمم ارادہ کیا گیا

۱۴ مارچ ۱۸۸۰ء میں جدہ میں ایک شاندار اور حیرت ناک نظارہ دکھائی دیا حج ختم ہو چکا تھا
اور بکثرت بندرگاہ پر حاجیوں کے جوق در جوق پیغمبر کی آل اور علی کے مقدس خاندان کے قائم

ویسے ہی تھی یعنی ترک ہمیشہ حجاز میں قبیلوں کو لڑاتے رہے ہیں اور جب تک وہ اس
جگہ موجود رہینگے لڑاتے ہی رہینگے ان کے اس طریقہ کی ایک عمدہ مثال سابق شریف کبیر
کی موت کا واقعہ ہے اس حکایت سے ضمناً یہ بھی ظاہر ہو جائیگا کہ موجودہ سلطان انہوں نے
دینی رقیب سے کہاں تک مخالفت ہے۔ میں واقعہ کی بخوبی توضیح کرنے کے واسطے ہم کو ۱۸۰۸ء
میں وہابیوں کے حجاز پر حملہ کرنے کو الیف بیان کرنے مناسب ہونگے

اس وقت اور اس سے پیشتر کی صدی کے آخری نصف حصہ میں شریفیہ خاندان کا اعلیٰ منصب
اس کی ایک شاخ ذوی زید (لفظ ذوی حجاز میں انہیں معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے جیسا کہ عرب
کے دیگر مقامات میں بنے یا اہل جیسے بنی لوگ کہتے یا گھرانہ میں) کو حاصل تھا۔ جو سنہ ۱۷۵۰ء
میں اس کی شاخ برکات کو معزول کر کے شرافت پر متمکن ہو گئی تھی۔ سب نے بیان کیا ہے
کہ اس کے زمانہ میں بھی جو کہ گویا اعلیٰ منصب حاصل تھا۔ غالب ابن مسعود مسند
شرافت پر متمکن تھا جب اس نے دیکھا کہ وہابیوں سے مقابلہ کرنے کی استطاعت نہیں
تو وہ خود وہابی ہو گیا بنابریں جب سنہ ۱۸۱۲ء میں محمد علی مکہ میں آیا اس کا پہلا کام اسی غالب
کو معزول کرنا تھا باوجودیکہ وہ کہتا تھا میں نے پھر ٹھیٹھ اسلام اختیار کر لیا ہے مگر محمد علی
نے اس کی ایک نہ سنی اور شریفیہ خاندان کے ایک اور رکن کو اس کی بجائے شریف تعینات
کیا۔ اب یحییٰ ابن سرور شریف منتخب کیا گیا جو ذوی عون کے رقیب قبیلہ میں سے
تھا اسی طرح عون اور زید کے قبیلوں میں سخت عداوت پیدا ہو گئی جو اب تک
باقی ہے باوجودیکہ بعد ازاں ترکی اور مصری گورنمنٹوں نے اس عہدہ کی تقرری میں
بہت سی تبدیلیاں کیں مگر عداوت میں کمی نہ ہوئی سنہ ۱۸۲۷ء میں معزول وہابی غالب کا
بیٹا عبد المطلب پھر شرافت پر تعینات کیا گیا اور ... میں یحییٰ ذوی عون
کا بیٹا محمد مقرر ہوا اس سازش کی سے خانہ جنگی شروع ہو گئی سنہ ۱۸۴۸ء میں پھر سازش ہوئی ... اور
عبد المطلب اور قبیلہ زید شرافت پر بحال ہو گیا سنہ ۱۸۵۲ء میں اس قبیلہ کے شریف
کو معزول کر کے ایک عونی شریف کو اختیارات دیئے گئے سنہ ۱۸۵۲ء سے ۱۸۸۰ء
تک شریف کبیر کا عہدہ عونیوں کے پاس رہا اور حجاز میں ان کا خوب طوطی بولتا رہا
چونکہ وہ اس زمانہ میں صاحب اقتدار ہوئے جب لبرل خیالات نو پید تھے وہ ہمیشہ
لبرل رہے ہیں اور اب تک بھی وہ اہل مکہ کی زیادہ ترقی پسند اور بہبودی عامہ کی

اس کو جانتا ہوں حوالات میں جن لوگوں نے اس کو دیکھا اور اس سے گفتگو کی ان کے بیان
سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک افغان اور رشتی تھا۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس نے اپنی متعلق
کئی متضاد باتیں بتائی تھیں۔ کبھی وہ کچھ بتاتا تھا اور کبھی کچھ پھر بھی یہ عام خیال ہے کہ وہ ٹرکی
سے آیا تھا۔ اور ایک پیشہ ور دریش تھا۔ وہ حاجیوں کے ساتھ نہیں بلکہ دس روز پیشتر
وہ مکہ میں گدا گر کی صورت میں نظر آیا تھا۔ اس وقت اس نے شریف سے خیرات بھی مانگی تھی
جو اس کو مل گئی بعد ازاں وہ الحسین کے راستے میں منڈلاتا ہوا پایا جاتا تھا۔ جدہ میں کسی
کو یہ خیال تک بھی نہیں کہ وہاں کے ترکی گورنر کو اس جرم کی خبر تھی۔ الحسین سے اسکا دوستانہ
برتاؤ تھا۔ اور بعد ازاں وہ بیعزت کیا گیا۔ تمام لوگوں کی یہ رائے ہے کہ اس جرم کا بانی
مبانی اسلامبول کے مشیروں کی مجلس بلکہ خود سلطان ہے یہ مشہور ہے کہ عبدالحمید کے خفیہ
گماشتے اور جاسوس ہمیشہ درویشوں کے بھیس میں پھرا کرتے ہیں اور بعض شخص جنکو
اپنی ہمہ دانی کا دعوے ہے کہتے ہیں کہ بوڑھے آدمی کو براہ راست خلیفہ سے یہ حکم ملا تھا۔
میں اس امر کا فیصلہ کرنا نہیں چاہتا مگر میرے خیال میں اس کا بار ثبوت انھیں لوگوں پر
ہے جو اس امر سے انکار کرتے ہیں۔

قدیم زمانہ سے ہی عثمانی بادشاہ خطرناک رقیب یا حد سے زیادہ زبردست سرداروں کو
قتل کرواتے رہے ہیں اور اب عامہ رائے ان کو ایسے جرم سے بری قرار نہیں دیگی وردیشوں
کے شیخ کو اپنے متعصب پیرووں پر پورا پورا اقتدار حاصل ہے اور وہ سلطان کا
خادم ہے اس کے ایک ادنیٰ اشارہ سے ایسے بیس جان نثار ایسی خدمت کرنے کو تیار
ہو جاتے ہیں ایک واقعہ سے صاف صاف طور پر پایا جاتا ہے کہ اس قتل کی قسطنطنیہ
سے ہی تحریک ہوئی تھی جدہ میں مشہور ہے کہ الحسین کے جانشین نے جو قسطنطنیہ میں مقیم
تھا جدہ میں اپنے گماشتہ کو یہ حکم بھیجا کہ میں شریف کبیر ہو کر واپس آتا ہوں اور میرے استقبال
کی تیاری کرو یہ نوجوان الحسین کی شہادت سے دو ماہ پیشتر کا واقعہ ہے بلکہ اس نے اپنا
بہت سا اسباب بھی پہلے ہی بھیج دیا تھا

بوڑھے قاتل کے آخیری الفاظ عجیب ہیں۔ وہ اس جرم کا ارتکاب کرنے کے بعد بالکل خوش
معلوم ہوتا تھا اس کے نہ کچھ کھایا نہ کچھ پیا بلکہ وہ سفر عاقبت کے لئے تیار ہو گیا پھانسی
پانے سے تھوڑا عرصہ پیشتر اس نے ایک حکایت بیان کی کہ وہ لنگڑا کسی زمانہ میں

مقام شریف کبیر کی آخری دعا اور برکت لینے کے واسطے منتظر کھڑے تھے۔ الحسین اور اسکے جلو کے آدمی رات بھر سفر کر کے صبح کے وقت شہر کی فصیلوں کے باہر پہنچے اور جب آفتاب نکلا خلیفہ نجد کی ایک سفید گھوڑی پر سوار ہوا اور قریش کی عربی وردی پوش اور سلطان کے اعزازی گارڈ کو رکاب میں لئے ہوئے شہر میں گیا۔ جدہ کے بازار تنگ اور پیچیدہ ہیں وہ شہر کے دروازے سے اپنے گماشتے عمر نا صف کے مکان کی طرف جا رہا تھا جہاں وہ عموماً فروکش ہوا کرتا تھا۔ اس بازار میں لوگوں کا ہجوم ہو رہا تھا اور سب لوگ اس کی پابوسی اور اسکے عربی عباء کے دامن کو چومنے کے لئے کشمکش کر رہے تھے۔ وہ اس مکان کے قریب پہنچ گیا تھا کہ ایک بوڑھا فقیر ہجوم کو چیرتا اور فی سبیل اللہ خیرات مانگتا ہوا آگے بڑھا اس سوالی کو خالی ہاتھ واپس بھیجنا زیبا نہ تھا اور جب شریف اپنے ہمراہیوں کو اس تھیلی سے جو خیرات تقسیم کرنے کے واسطے رکھی ہوئی تھی منہ پھیر کر سوالی کو کچھ رقم دینے کی ہدایت کر رہا تھا بوڑھے آدمی نے ایک کند سا چاقو سونت ہاتھ بلند کر کے اس کے پیٹ میں بھونک دیا پہلے پہل دیکھنے والوں کو یہ بھی معلوم نہ ہوا کہ کیا واقعہ پیش آیا ہے کیونکہ الحسین نہ تو گھوڑے سے گرا اور نہ ہی اترا اور ایک حرف کہنے کے بغیر وہ مکان کی طرف سوار چلا گیا وہاں اس کو گھوڑی پر سے اتار کر بالاخانہ میں لے گئے اور وہ چند گھنٹوں کے اندر راہی ملک عدم ہوا۔

اس اثنا میں اس کے ہمرکاب لوگوں نے بوڑھے آدمی کو گرفتار کر کے لاٹھیوں سے زد و کوب کی اور اد ول ... کے چند آدمی اس کو حوالات میں لے گئے جب لوگوں کو اس واقعہ کی خبر ہوئی جدہ میں شور و فغاں کا نعرہ بلند ہوا اور بوڑھی اور جوان عورتیں اور بچے شہر کے رہنے والے اور اجنبی سب ملکر زار زار روئے کہتے ہیں کہ نے دیکھا ہے کہ یہ نظارہ نہایت رقت خیز اور موثر تھا اور مستورات رات بھر نالہ و فغاں کرتی رہیں الحسین سے لوگوں کو بہت محبت تھی۔ اور پھر طرہ یہ کہ اس کا نخل حیات نوجوانی میں قطع ہو گیا۔

اس جرم کے متعلق کوئی اطمینان بخش جو ڈیشل تحقیقات نہ کی گئی گو مکہ میں ایک نیم تنہا مجلس منعقد ہوئی جسکے سامنے قاتل کو پیش کیا گیا اور چوتھے روز اس کو شارع عام میں پھانسی دی گئی مگر یہ معلوم نہیں کہ وہ کون تھا اس واقعہ کے متعلق ترکی جرائد میں اسکو ایک ایرانی متعصب بیان کیا گیا ہے لیکن کسی شخص نے بھی اس کی نسبت یہ تعین نہیں کی

اس کا اقتدار زائل نہ ہوگا قدیم زمانہ میں یہ نعرہ سنا جاتا تھا قیصر روما پایہ تخت ہے اور جن لوگوں
کو اب مکہ کے پایہ تخت ہونے کا خیال بتایا جاتا ہے ان کی قوت متخیلہ پر بہت اثر ہوتا ہے
اور جب یہ سوال جب یہ کہا جاتا ہے کہ خلافت قریش سے ہو گی تو کم از کم عرب بے تاب ہو جاتے
ہیں۔ اگر ہم گزشتہ تاریخ پر نظر ڈالیں تو بجز سوائے اسکے کچھ نتیجہ نہیں نکلتا۔
میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ واقعات کا میلان کس طرف ہوگا پھر بھی میری یہ رائے ہے کہ تمام ممکن الوقوع
صورتوں میں سے جن پر ہم بحث کر چکے ہیں مکہ میں خلافت کے واپس آجانے سے اسلام میں روحانی زندگی
کے از سر نو شروع ہونے کی نہایت قوی امید ہے پولیٹیکل پہلو سے دیکھا جائے تو جو خلیفہ مکہ میں ہوگا
باسفورس کے موجودہ خلیفہ سے اس کی بہت کم وقعت ہو گی لیکن مذہبی لحاظ سے وہ نہایت
مضبوط ہوگا ہر سال دنیا کے ہر ایک حصہ سے حاجی اس کی زیارت کرنے آئینگے اور مقامی خیالات
کا قائم مقام ہونے کی بجائے وہ تمام علماء اور تمام اقوام سے یکساں ہمدردی کر سکے گا۔
اسلام بلحاظ عربی عنصر بحیثیت ایسے انتخاب کی تائید کریگا اور یہ بھی یاد رہے کہ عرب کا دائرہ اقتدار
از فتنش سے پیشتر تک پھیلا ہوا ہے اسی طرح ہندوستان اور ملایا کے مسلمان بھی اسی دائرہ میں
ہیں بلکہ ترکوں کے سوا جن کی وقعت یوماً فیوماً کم ہوتی جاتی ہے اسلام کا ہر ایک عنصر اسی دائرہ
میں خیال کرنا چاہئے میں نے یہ سنا ہے کہ قریشی خلیفہ جو مکہ میں مسند خلافت پر متمکن ہو وہ علیحدہ و
عباد یہ اور شیعہ لوگوں کو متنازع مسئلوں سے شیر و شکر کر دیگا اور تبرا خیال تین
چوتھائی وہابی بھی دوسرے مسلمانوں میں مل جائینگے بالخصوص شیعہ لوگ علی کی اولاد میں سے
کسی خلیفہ کو بخوشی قبول کرینگے اور عمان اور یمن کے عرب قریشی خلیفہ کو ویسی کراہت سے نہ دیکھینگے
جیسے کہ بنی عثمان کے خلیفہ کو دیکھتے ہیں گزشتہ سالوں سے اسلام کے تفرقہ میں دا تر فرقوں اور ان کے
قدیم دشمن شیعوں میں عداوت کے بہت کم نشانات پائے جاتے ہیں اور ممکن ہے کہ خلافت
کی حالت میں ایسا تغیر ہونے سے تمام فرقوں میں پوری پوری مصالحت ہو جائے مسلمان
اب قدیم زمانہ کی طرح ایک دوسرے سے لڑنے کی استطاعت نہیں رکھتے اور عالی مسعود
لی اسے ہے لہذا اب تمام فرقوں کا اتحاد ہو جانا چاہئے۔ آخری دلیل یہ ہے کہ عرب میں خلافت
ترکی علماء کی تنگ خیالی سے آزاد اور ترکی بد اخلاقی سے پاک و صاف ہو جائے گی اور اسکو
اخلاقی اصلاح کی جسکی اسلام کو نہایت ضرورت ہے۔ زیادہ گنجائش مل جائیگی۔
پس یہ خیال غیر معقول نہیں کہ قسطنطنیہ پر کوئی آخری آفت ناگہانی نازل ہونے سے مکہ

ایک بڑا شاندار ہاتھی رہتا تھا۔ اور خدا نے اس کے مارنے کے واسطے ایک مچھر بھیجا۔ جو
مخلوقات میں نہایت چھوٹا جیوان ہے مچھر نے ہاتھی کے سونڈ پر کاٹ کھایا اور ہاتھی مر گیا
اللہ کریم خدا مہربان ہے۔

الحسین کا جانشین جسکے واسطے شریف کا عہدہ خالی کیا گیا تھا اور جو پہلے سے بنا تھا۔ کہ بنایا
کیا جائیگا پیرانہ سال عبدالمطلب وہی غالب کا بیٹا تھا جو دو مرتبہ معزول ہو چکا تھا اور وہ
دقیانوسیوں میں سے نہایت متعصب شخص تھا۔

یہاں اس امر پر تفصیل وار بحث کرنے کی گنجائش نہیں کہ اس سفاکی کا حجاز کے پولیٹکل مطلع پر کیا
اثر ہوا فی الحال قسطنطنیہ کی طرح مکہ میں بھی انقلابی فریق کا طوطی بول رہا ہے ترکی سنگینیں
عبدالمطلب کی موید ہیں اور قبیلہ عون اور لبرل لوگ مکہ میں طرح طرح کے جور و تعدی
کا شکار ہو رہے ہیں شریف [illegible] دربار جو اسوقت انگلستان کا نہایت دوست تھا [illegible]
ہندوستانیوں کا مرکز بنا ہوا ہے شہر کے باہر کمال بے انتظامی ہے اس موقع پر اتنا ہی جتا دینا
کافی ہے کہ فی الحال حجاز میں سلطان کے پہلو بہ پہلو روحانی اور دینی اقتدار کا ایک عنصر
موجود ہے اور غالباً اس کو غنیمت سمجھکر اس سے سلطان کا ایک طبعی جانشین لیا جائیگا
اگر سلطنت عثمانیہ کا خاتمہ یا تغیر ہونے پر اسلام کے پولیٹکل افق پر کوئی کافی بارعب
صورت نمودار ہو کر اسلامی دنیا کو اپنی اطاعت کی طرف مائل نہ کرے (اور ایسی صورت
کی اب تک کوئی علامت نظر نہیں آتی) مسلمانوں کا زیادہ تر حصہ مکہ کے شریفیہ خاندان
ہی میں اپنا اعلیٰ سردار اور خلافت کے قائم مقام کی تلاش کریگا۔ کیونکہ ان کو خلافت کی
بہت ضرورت ہے۔

دینی اقتدار کے صدر مقام کا قسطنطنیہ سے مکہ میں تبدیل ہونا بالکل آسان اور طبعی
امر ہوگا۔ اس سے عوام کے موجودہ خیالات میں کچھ فرق نہ آئیگا۔ اور علماء کی آراء سے
اور خیالات کے بالکل مطابق ہوگا قسطنطنیہ کے معدوم ہونے پر مکہ یا مدینہ بالطبع
اہل الحل والعقد کا شرعی مسکن ہوگا اور مذہبی اقتدار کا مسلمہ مرکز بن جائیگا۔ جن لوگوں سے
اس مضمون پر میری گفتگو ہوئی ہے انھوں نے بالاتفاق تسلیم کیا ہے کہ اس مشکل مسئلہ کے لیے
حل کو ترکی [illegible] کے لیے تمام علماء تسلیم کرینگے بیشک جہاں تک مسلمانوں کی موجودہ
[illegible] فیصلہ [illegible] ہے [illegible] آئندہ بھی

کرے گا تو آخر اسی سے ہلاک ہو جائیگا کیونکہ گو اس کی قوتیں بیشمار ہیں مگر ان میں اتحاد اور اتصال
نہیں اسلامی قوتیں تین بر اعظموں پر مختلف مقامات میں منتشر ہیں اور ان کے درمیان
بحر و بر کی ناقابل گذر رکاوٹیں حائل ہیں اور وہ دشمن جس کا اسلام مقابلہ کرنا چاہتا ہے سمجھدار
اور زبردست ہے اور اس کو امن سے نہ رہنے دیگا۔ "ترقی دنیا" نے مع اپنے جہازوں اور
تجارت کے اور سب سے زیادہ اپنے چھپے ہوئے خیالات (علوم جدیدہ) جو مسلمانوں نے
بھی پڑھنے شروع کر دئے ہیں اسلام کو چاروں طرف سے گھیر لیا ہوا ہے اور آئندہ کو
بھی اس سے کم اثر نہ ہوگا اسلام کا اسے سال اقوام دنیا سے علیحدہ رہنا ناممکن ہوتا جاتا ہے
فرانسیس اور ماسکوبی یعنے اہل روس تو اسکے قدیم دشمن تھے ہی مگر اب جرمن چینی اور
اہل امریکہ سے اس کی نئی آشنائی ہو رہی ہے اور ممکن ہے کہ ان سب سے اسلام کو مناسب
وقت کے بعد برسر پرخاش ہونا پڑے اگر اسلام اپنے اثر دن سے محروم ہونا نہیں چاہتا
تو اس کو چاہئے کہ گوشت و پوست کاٹنے والے آلات کے سوا اور ذریعہ استعمال کرے
اور اپنی حدود پر ذہنی حملوں کا ویسی ہی فراست سے مزاحمت کرے ورنہ اسلام کو دینی اور
ملکی لحاظ سے تدریجی انحطاط کے سوا کسی اور خیر کی توقع نہ رکھنی چاہیئے۔ اگر اسلام ذہنی آلات
استعمال نہ کریگا اس کا قانون تدریج ڈیڈ لیٹر یعنے لاوارث چٹھی سے زیادہ وقیع نہ رہیگا
اس کی خلافت کا نام و نشان مٹ جائیگا اور مذہب و ملت بمنزلہ ایک محض رسم کے رہ جائیگا
ایسی صورت میں اسلام بحیثیت ایک زندہ اور موثر اخلاقی قوت کے بتدریج صفحۂ ہستی
سے محو ہو جائیگا۔

میرے خیال میں میری یہ رائے کہ اسلام ابھی کچھ عرصہ تک اس طرح معدوم نہ ہوگا بہت
بعض مستند ممالک اہل الرائے کے برخلاف ہے میں جانتا ہوں کہ جو لوگ عوام کو تعلیم
دینے کی بہترین قابلیت رکھتے ہیں ان کی مسلمہ رائے ہے کہ اسلام کی ساخت میں ہی تغیر کی
صلاحیت نہیں۔ اور جدید وجہ ترقی بلکہ مخالف عناصر کی موجودگی میں زیادہ دیر تک زندہ
رہنے کی صلاحیت بھی نہیں جن لوگوں کو شریعت محمدی میں ید طولیٰ حاصل ہے انہوں نے
قانون قرآن کو مردہ کے ہاتھ سے تشبیہ دی ہے جیسی کہ مٹھی بھینچی ہوئی اور بے حس ہوتا ہے اور
جب تک ہاتھ کو کاٹا نہ جائے وہ ڈھیلی نہیں پڑتی اس قسم کے لوگوں کا قول ہے کہ اسلام
کا پہلا اصول یہ ہے کہ "تغیر کو شریعت میں کچھ دخل نہیں اور مذہبی رسومات و دستور العمل دنیا

میں علما کی ایک مجلس جمع ہوگی قدیم زمانہ کی شرعی نظیروں کو مدنظر رکھکر ایک خلیفہ منتخب کرلیگی۔ اس مجلس میں بادشاہوں کی سازشیں اور علما کے تنازعات ضرور ہونگے اور اسکے برخلاف متعصبوں کو مستعمل کیاجائیگا اور اسپر کفر کا اتہام لگایا جائیگا اور جیساکہ عموماً ہوتا ہے رشوت دی اور لیجائیگی اور غالباً خونریزی بھی ہوگی۔ لیکن جن لوگوں کو ۱۵ ویں صدی تک مذہب عیسوی کی تاریخ اور کونسل یا سلی سے بیشتر کی مجلسوں کے کوائف یاد ہیں وہ تسلیم کرینگے کہ سازش اور رشوت ستانی وغیرہ خرابیوں کے باوجود مذہبی مشکلات کا شرعی حل ہوجائیگا عیسائی مذہب کی تاریخ سے پایا جاتا ہے کہ پوپ اور اسکے مخالفوں کی باہمی رقابت سے ہی مذہب عیسوی میں بہت جلد اصلاح شروع ہوگئی تھی۔

چوتھا باب

مجددی اصلاح

میں اب ایک بہت مشکل مضمون پر بحث کرتا ہوں اور اپنے میں ایسی قابلیت نہیں سمجھتا کہ اس کی کماحقہ تحقیقات کرسکوں مگر چونکہ اس مسئلہ پر دیگر تمام مسائل کا واقعی دارو مدار ہے میں اس کی تحقیقات ضروری سمجھتا ہوں اب سوال یہ ہے "کیا اسلام کی پولیٹیکل (سیاسی) اور اخلاقی زندگی میں عام اصلاح ممکن ہے"؟

یہ ظاہر ہے کہ جب تک ہم اس سوال کا مثبت میں جواب نہ دے سکیں۔ اسلام کی آخری قسمت میں وہ تغیرات جن پر میں پہلے خامہ فرسائی کرتا رہا ہوں واقع نہیں ہوسکتے خواہ خلافت عثمانیہ کے زیر سایہ اسلام کی ترقی کا کام ہوسکے والا سیلاب زور و شور سے جاری نہیں ہے خلافت کا صدر مقام کسی سے مرکز میں منتقل ہوجائے اور افریقہ یا ہندوستان میں اسلامی افواج کو فتوحات حاصل ہوجائیں (اگر فتوحات کا حاصل ہونا ممکن فرض کرلیا جائے) بذات خود اسلامی افواج اس کے زوال کو کچھ دیر تک ملتوی کرسکتی ہیں بلکہ ممکن ہے کہ ان کی وجہ سے اس کی تباہی سرعت سے ہونے لگے اگر اسلام صرف شمشیر پر بھروسہ

پابندی کرائی جائے۔ مگر اسلام کی بنیاد کو وسیع کیا جائے مسلمانوں کی فراست اور سمجھ کی راہ سے سوفسطائی رکاوٹیں دور کر دی جائیں اور قرآن کے اس اعلےٰ اخلاقی قانون کی جسکی اتنی عجیب و غریب طور سے خلاف ورزی ہوتی رہی ہے زیادہ پابندی کرائی جائے۔ اس امر میں دو مذہب عیسوی کے مصلحوں سے بہت کچھ مشابہ ہیں اور بعض واقعات جن سے اس خیال کے لوگ پیدا ہو گئے ہیں ویسے ہی ہیں جو یورپ میں ۱۵ ویں صدی میں ہوئے تھے۔ پس دونوں مذہبوں کا مقابلہ کرنا ناممکن نہیں جس سے یہ یقینی نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ اسلام میں بھی خود بخود اصلاح ہو جائیگی۔

یورپ میں مذہبی اصلاح کے دو بڑے اسباب غربا کی سقیم حالت اور علم کی عام اشاعت تھی۔ چونکہ زمانہ بہت گذر گیا ہے۔ یہ بات بخوبی تصور میں نہیں آسکتی کہ لوئی یازدہم شاہ فرانس اور فریڈرک ثالث شاہ جرمنی کے عہد حکومت میں یورپین دہقانوں کی عام حالت ناگفتہ بہ تھی۔ آئے روز جنگ اور قحط کی گرم بازاری تھی۔ مال و جان کی بالکل حفاظت نہ ہوتی تھی۔ کثیر التعداد غربا متلون مزاج مربیوں کے دست نگر تھے۔ حکمران جماعتوں میں طرح طرح کی خرابیاں عیاشی اور عیش پرستی ترقی پر تھی اور محکوم انصاف دلاپانے میں بالکل عاجز اور بیکس تھے۔ ہر روز پولیٹیکل ممنوعات دیکھی جاتی تھیں۔ مذہبی لوگ افسروں کی خوشامد لجاجت کرتے تھے۔ اور ست بچن مہاراج کہکر خاموش رہتے تھے۔ ان باتوں کو دیکھکر لوگوں کے دل میں جوش بھر گیا۔ وہ مذہب کی موجودالوقت تعلیم کی شکایت کرنے لگے اور اصلاح کی طرف مائل ہوئے۔ برخلاف اسکے جیسا کہ ہم سب کو معلوم ہے۔ چھاپہ کی ایجاد سے لوگوں میں مطالعہ کا چرچا اور نئی دُنیا کی دریافت سے سفر کا شوق پیدا ہو گیا۔ مزید برآں پندرھویں صدی میں عثمانی ترک جن کی طاقت اس وقت ناقابل مزاحمت تھی۔ یورپ پر حملہ کر رہے تھے اور وہ بیرونی دُنیا کے ساتھ میل جول کا ایک نیا عنصر اور نیا خوف تھے۔ اس وقت مذہب عیسوی کا پولیٹیکل خاتمہ عنقریب ہوا چاہتا تھا یا عیسائی اپنی نسبت ایسا خیال کرتے تھے اور وسطی یورپ کے متقی لوگوں کو عنقریب خطرہ سے یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ عذاب بھی خدا تعالےٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے۔

میں اس تشبیہ کو مناسب سے زیادہ طول نہیں دینا چاہتا۔ مگر یہ جتا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہم چون قسم بواعث اسلام کر موجودہ مطلق العنان ملکوں میں مسلمانوں کے دل میں اثر کر رہے ہیں۔ اور ان کا میلان بھی اصلاح کی طرف ہے مسلمان تو تھا نو

اس تنگ پگڈنڈی سے جو بانہ وسطی کے محمدی علما نے نکالی تھی ۔ داہنیں یا بائیں طرف جانا بالکل ممنوع ہے ۔ میں یہ بتاتا ہوں اور یہ بھی چاہتا ہوں کہ اس امر کو ثابت کرنے کے لیے بیشمار فاضل مسلمان تصنیفات کی اسناد پیش کی جا سکتی ہیں اور زمانہ حال کے علما خواہ وہ کسی امام کے پیرو ہوں اس امر کی بصداقت بر ملا اعتراض کرنے کی جرأت نہ کرینگے مجھے یہ بھی بخوبی یاد ہے کہ پندرہ سال کے اندر کئی مسلطانوں نے یورپ کے ایما سے کئی طرح کے قانونی جدتیں بذریعہ وہاں مروج کیں اور علما سے ان کی مذہبی جواز لینے کی کوشش کی مگر ہر بار بعد اختری ناکامی ہوئی اور جو لوگ تغیر کے موید تھے ان کو مذہبی تعصب کا شکار ہونا پڑا متشرع مسلمان کے تمام منقول تحریری قواعد سے یہی پایا جاتا ہے کہ اسلام حرکت نہیں کر سکتا مگر باین ہمہ میرا یہ خیال ہے کہ اس میں حرکت کا مادہ موجود ہے ۔

بات یہ ہے کہ اسلام حرکت کرتا ہے اس زمانہ سے جب اسکے آخری شرعی مجتہد نے اپنی اپنی آخری شرعی رائے کا اظہار کیا محمدی خیالات میں تغیر ہو گیا ہے اور ۵۰ بلکہ ۲۰ سال پیشتر بھی متشرع اسلام کی جو حالت تھی وہ اب نہیں رہی جب ارکوہارٹ نے جس نے انگریزوں کے سامنے محمدی مذہب کی تشریح کی اسبارہ میں کتابیں لکھنی شروع کیں قسطنطنیہ کے حنفی تعامیہ پر نکتہ چینی شروع نہ ہوئی تھی اور اسکا یہ کہنا کہ متشرع علما کا گروہ کسی تغیر کو تسلیم نہیں کرتا بالکل واقعی اور سچا تھا اسوقت اسلام میں کوئی آزاد خیال مذہبی فرقہ نہ تھا اور جو لوگ پولیٹیکل اصلاح کے نام پیشواؤں کی خلاف ورزی کرتے تھے وہ گمراہوں سے زیادہ وقعت نہ رکھتے تھے ۔ ہر ایک نیک شخص ان کا دشمن تھا اور اگر کوئی شخص مذہبی آزادی کا نام لیتا تھا تو اسپر ضلالت اور الحاد کا فتوے صادر ہوتا تھا ۔ اس وقت کسی کو شان و گمان نہ تھا کہ شریعت میں اصلاح و ترمیم کی جائے مگر اب بالخصوص گذشتہ دس سال سے بہت متدین اور شریعت سے آگاہ شخص آزادانہ رسم کے طرفدار ہو گئے ہیں اور اب اس طرح کی کوشش ہو رہی ہے کہ اسلام میں اصلاح بھی ہو جائے اور اسکی وفاداری میں بھی فرق نہ آوے ۔

اس طرح ایک بالکل آزاد خیال گروہ پیدا ہو گیا ہے اور اس میں محض بادشاہ سے پولیٹیکل باغی ہی شریک نہیں بلکہ نہایت متدین اور متقی مسلمان جو مسلمانوں کے دستور العمل میں اخلاقی اور سیاسی اصلاحیں مروج کرنا چاہتے ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ مذہبی دستور العمل کی زیادہ

باستثناء خال خال مسلمانوں کے جنہیں یورپین خیالات سرایت کر گئے ہیں۔ کوئی مسلمان شکی نہیں یعنے ایسا مسلمان جو محمدؐ کے منجانب اللہ ہونے پر یقین نہ رکھتا ہو۔ ممکن ہے۔ کہ وہ اپنے پیشہ کے ہر ایک فرض سے غفلت کے جرم کا ارتکاب اور ہر ایک قانون کی خلاف ورزی کرتا ہو یعنے اسمیں پانچوں عیب شرعی پائے جاتے ہوں۔ یا برخلاف اس کے اسنے ایک حد تک یورپ کے خیالات اور شاذ و نادر حالتوں میں مذہب کی تضحیک کرنی اور خدا کے حق میں بیجا کلمات کہنے کا شیوہ اختیار کر لیا ہو۔ پھر بھی میرا یہ خیال ہے۔ کہ اس کو قرآن شریف کے سچے کلام ہونے میں بالکل شک نہیں ہوتا۔ اور اس کا یہ بھی اعتقاد ہوتا ہے۔ کہ قیامت کے دن خدا اور اسکے رسول پر یقین کرنے کے معاوضہ میں آتش جہنم سے بچ جاؤنگا۔

میں نے مسلمانوں کے اعتقاد کی پختگی کی بارہ ایسے شخصوں سے جنکی صداقت میں کلام نہیں۔ ایسے شخصوں کی نسبت جن کو تمام دنیا جانتی تھی عجیب و غریب حکایات سنی ہیں۔ ایک شخص نے جو یورپین خیالات کے بوڑھے عثمانی مدبر فواد پاشا کے ساتھ بمقام نائس موجود تھا۔ مجھے یقین دلایا۔ کہ اس کا تمام وقت قرآن شریف کا ایک خاص حصہ از بر کرنے میں صرف ہوتا تھا۔ ایک اور شخص جسکو اسلام کے والٹیر (ایک دہریہ فرانسیسی مصنف) کا لقب دیا گیا تھا۔ جب پرائیویٹ کمرہ میں جاتا تھا۔ نہایت باقاعدگی سے نماز پڑھتا اور جبین نیاز گھسا کرتا تھا۔ اور ایک شخص کا جو اول درجہ کا مشہور مذہبی جنون سے راہی ملک عدم ہوا۔ جن لوگوں کو مسلمانوں سے واسطہ پڑا ہے۔ وہ یہ دیکھکر حیران ہوگئے ہوں گے۔ کہ بے عقل اور بدکار آدمی بھی ان کے ہاں زندگی کی مکروہات اور مصائب کو برضا و رغبت برداشت کرتے ہیں اور بڑے صبر و استقلال سے موت کا مقابلہ کرتے ہیں۔ کثیر التعداد مسلمان نماز روزہ کی نہایت احتیاط سے پابندی کرتے ہیں۔ اور بعض اوقات خطرات عظیم اور صرف کثیر گوارا کرکے حج کرتے ہیں۔ مسلمانوں میں خدا تعالیٰ کی شان میں بیجا کلمات بالکل نہیں سنے جاتے ان کے ہاں مذہب کے اعتراف کرنے والے کو عیسائیوں کیطرح کسی قسم کا عذر کرنا بھی ضروری نہیں۔ اور کسی مجلس میں ان کی تضحیک نہیں ہوتی۔ ان باتوں سے براہ راست ایمان ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ منافق اور ریاکار ہر مذہب میں پائے جاتے ہیں۔ اور ان کو

بالخصوص سلطنت عثمانیہ کے زمینداروں کی حالت ردّی ہے اور وہ اپنی حالت کو بخوبی جانتے ہیں۔ قدیم زمانہ کی طرح ان کا مذہب بھی انکو اپنے حاکموں کے جور وتعدی سے بچا نہیں سکتا۔ ان کو معلوم ہے۔ کہ تمام اسلامی دنیا میں خرابیاں پڑ گئی ہیں یہ کہ وہ لوگ جن کو قانون کی پابندی کرانی چاہیئے۔ قانون سے تجاوز کرتے ہیں۔ اور علماء ان لوگوں سے جو ہماری بربادی کا باعث ہیں ہمیشہ چشم پوشی کرتے ہیں۔ یہ کہ عدل و رحم کے علی مقاصد کے لحاظ سے مذہب راہنمائی اور حکومت کے دعویٰ سے دست بردار ہو گیا ہے۔ ان کو اجنبیوں کے میل جول اور شہروں میں اخبارات سے۔ جن کو وہ اب بڑے شوق سے پڑھتے ہیں یہ معلوم ہو گیا ہے۔ کہ ہمیشہ ایسی حالت نہ تھی اور یہ کہ غلامی انسان کی طبعی حالت نہیں اور بدی کو دیکھکر خاموش رہنا مذہب کا اصلی کام نہیں۔ غرض ان کو اپنی تمام مصیبتوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسلام کے بہتر قوانین کی خلاف ورزی ہو رہی ہے۔ گذشتہ سال میں مصری دہقانوں سے یہ سنکر کہ آجکل ٹیکس اس لئے خفیف ہیں۔ کہ ہمارا نیا حاکم خدا سے ڈرنے والا شخص ہے" مجھے بہت حیرت ہوئی۔

ساتھ ہی علماء اور تعلیم یافتہ طبقہ اسلام کے پولیٹیکل تنزل اور اس سے زیادہ عظیم خطرات کے اس کو پیش آنے کے آثار کو دیکھکر ہراساں اور ہیبت زدہ ہو گیا ہے ان لوگوں کا خیال ہے۔ کہ اسکا باعث وہ خرابیاں اور بدکاریاں ہیں۔ جو قسطنطنیہ کی طویل حکومت سے سوسائیٹی کی ہر ایک جماعت میں ٹرکی کی حدود سے باہر بھی پھیل گئی ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ ہم گمراہ ہو گئے ہیں۔ اور اگر ہم اپنے افعال و کردار کی اصلاح نہ کریں گے۔ تو خدا یقیناً ہم سے انتقام لے گا۔ میں دعوے سے کہتا ہوں۔ کہ ان سب باتوں میں ویسا ہی جوش پایا جاتا ہے۔ جس نے عیسائیوں کو اپنے مذہب کے اصولوں کی تحقیق اور اس قانون کی جو ایسی بڑی بڑی خرابیوں کو روا رکھتا تھا۔ ٹھیک ٹھیک ماہیت معلوم کرنے پر مائل کیا۔

اور ہم یہ بھی نہیں۔ کہہ سکتے۔ کہ اس بیزاری کا باعث مسلمانوں کے مذہبی عقائد میں فرق آ جانا ہے۔ جیسا کہ اب عیسائیوں کی حالت ہے۔ اسلام میں ابتک کفر و الحاد کا نام و نشان تک نہیں۔ فی زمانہ مسلمانوں کے خواہ زندگی میں انکا درجہ ادنےٰ ہو۔ یا اعلےٰ مذہبی اعتقادات اوس زمانہ کے عیسائیوں سے جن کا ابھی حوالہ دیا جا چکا ہے۔ کم نہیں

کیونکہ یہ ان کی رسوم اور دستور العملوں کا ضابطہ ہے اور اس کا پولیٹکل انضباط ہے کیونکہ یہ ان کے تاریخی رواج پر مبنی ہے۔

آخری دلیل یہ ہے کہ شامی خیالات کا اقوام دُنیا کے دلپر۔ خواہ وہ اجنبی ہی کیوں نہ ہوں لیکن اگر ان کو ایک مرتبہ تسلیم کر چکی ہیں۔ ہر ملک میں اثر پایا جاتا ہے۔ اور یہ آسانی سے زائل نہ ہوگا۔ ہم یورپ بلکہ انگلستان میں بھی جس کا براہ راست عرب سے کچھ تعلق نہ ہوا تھا۔ دیکھ چکے ہیں۔ کہ عربی خیالات گویا فرانس اور سپین سے چھن چھن کر ہماری سواحل پر پہنچتے رہے اور ہمارے خیالات پر غالب رہے ہیں۔ شہامت کا خیال جس سے کمزور کی دستگیری مراد ہے بالکل ایک بدوی خیال ہے اور یہ اب تک ہمارے ہاں پایا جاتا ہے عرب کے زمانہ جاہلیت کی طرح ہم بہت سے کام طبیعت کی لہر بھر اور ترنگ میں کرتے ہیں اور ہمارے شاعر اس قسم کے خیالات کو قدیم یورپین نمونوں کو چھوڑ کر عربی کی مقفی نظم میں ظاہر کرتے ہیں۔ ہمارے کثیر التعداد باشندے ابتک ابراہیم کے خدا کی عبادت کرتے ہیں اور ان کا قبلہ مشرق کی جانب میں یہودیوں کی ارض مقدس ہے جو سرزمین عرب کی سوتیلی بہن ہے۔

پس اگر ہم جو محض اجنبی ہیں کسی صورت میں عجیب وغریب اثر سے گریز نہیں کر سکتے تو ان قوموں کا۔ جو بالکل یا نیم عرب ہیں اور جن کے ہاں صدیوں سے اسلام نے جو عربی خیال کا ست ہو گھر کیا ہوا ہے۔ کیا حال ہوگا۔ کون شخص ہے جو اسکے قوت و اقتدار کی میعاد مقرر کرے۔ اور کہدے کہ یہ پھر سر سبز اور زندہ نہ ہوگا۔

ایک مشہور انگریز مصنف جو اعلےٰ درجہ کا مدبر بھی ہے۔ کہتا ہے "قدیم زمانہ کی طرح کوہستان جلیلہ کے دیہات یا عرب کے صحراؤں سے ایک عمدہ خیال بھر لائو تو تمام انسانی انسٹیٹیوشنز از سر نو ترمیم انکے فعل و عمل کے اصولوں میں تغیر اور انکی زندگی کے دائرہ میں نئی روح پھونکی جا سکتی ہے"

لیکن میں اصول کلی بیان کرنے میں اپنا وقت ضائع کرتا اور یہ بھی فراموش کرنا نہیں چاہتا۔ کہ میں عملی انگریزوں کی خاطر یہ کتاب لکھ رہا ہوں اگر صحت کو مدنظر رکھا جائے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ غالباً اسلام اپنی دینی اور روحانی زندگی کو تازہ کرنیکی دو طرح سے کوشش کریگا اور بیرونی واقعات کو مدنظر رکھکر اسکو بالکل روحیدا خیالات

اپنے کردار کا معاوضہ مل جاتا ہے۔ لیکن اگر بالفرض مسلمانوں کو منافق بھی تسلیم کر لیا جائے۔ پھر بھی وہ عموماً زبان سے مسلمان ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔

بیشک خدا کے خالص بندے کمیاب ہوتے ہیں۔ لیکن سچے مسلمان سچے عیسائیوں کیطرح اپنے مذہب پر شیفتہ و شیدا ہوتے ہیں۔ اور ایمان ان کے رگ و ریشہ میں سرایت کر جاتا ہے۔ باستثناء پادریوں اور مذہبی پیشواؤں کے یورپ میں ایسے شخص نہیں ملسکتے جو پرہیزگار مسلمانوں کی طرح اپنے مذہب کے پابند ہوں بجائیکہ سچے مسلمان ہر ایک مشرقی شہر میں پائے جاتے ہیں۔ اور وہ اپنے مذہب کی اعلےٰ تعلیم کو ہر وقت مدنظر رکھتے ہیں۔ مگر عیسائیوں میں ایسے آدمی عنقا کا حکم رکھتے ہیں ایسے لوگوں کی صداقت بلکہ ایک معنے میں ان کے تقدس میں شک کرنا سرے سے مذہب کو فضول خیال کرتا ہے۔ بہرکیف یہ عجیب امر ہے کہ بنی نوع انسان کا ایک حصہ کثیر مکہ کے زندہ مذہب پر ایمان رکھتا ہے۔ وہ ان کی زندگی کا دستور العمل اور ان کی زیست کی کافی وجہ ہے۔ ابھی تک کوئی ایسی علامت نہیں جس سے یہ پایا جائے کہ اسلام زندہ مذہب نہیں۔

اسلام کی آئیندہ حالت پر غور و خوض کرنے کے وقت منصف مزاج انگریزوں کو یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ جہاں تک استدلال کا تعلق ہے مذہب اسلام کو بے فائدہ توہم نہیں بلکہ سچا مذہب ماننا چاہیئے اسکے سچا ہونے کی وجہ یہ ہے۔ کہ اس میں اس سچے خدا کی عبادت کی تلقین کی گئی ہے جسکو اہل یورپ باوجود موجودہ عقل اور علم کی روشنی کے اب تک مانتے ہیں۔ تو اسکو ایسے مذہبوں میں شمار کیا جانا چاہیئے جو عرصہ دراز تک زندہ رہتے ہیں۔ گو ہم کو مذہب محمدی کی ابدی صداقت تسلیم کرنی پڑتی ہے۔ ہماری تحقیق یہ ہے کہ کم از کم اہل عرب کے دلمیں اسلام کی وقعت ہمیشہ باقی رہے گی۔

اسلام کی نہایت سادہ شکل شامیوں کے قدیم مذہب کی پرجوش تجدید ہے اور جب تک دنیا میں خالص شامی نسل باقی رہیگی۔ مکہ کا الہامی مذہب ان میں نسلاً بعد نسل چلا جائیگا۔ علم طبعی کی دلائل سے عربوں کے اس ایمان میں کبھی فرق نہیں آسکتا کہ خدا مختلف زمانوں اور مختلف مقامات میں اپنے رسولوں کی زبانی انسان سے ہمکلام ہوا اور ان پیغمبروں میں سے محمد ہمیشہ نہایت مشہور رہیگا۔ کیونکہ وہ ایک خاص قوم کا پیغمبر تھا اسی طرح اسلامی قانون جس سے میری مراد موجود الوقت شریعت نہیں ہمیشہ انکا قانون رہے گا۔

کہتے ہیں۔ کہ مہدی کا فرض تعلیم راہبری اور شریعت کو پاک وصاف کرنا ہی نہ ہوگا۔ بلکہ وہ مظلوم اماموں کے خون کا انتقام بھی لے گا۔ اور وہ اس کی تائید میں علی ابن ابوطالب کی ایک روایت بیان کرتے ہیں جس نے اپنے بیٹے حسین کو جو بعد ازاں کربلا میں شہید ہوا مخاطب کر کے کہا "میرے بیٹے میں اپنی جان اپنی اولاد اور کربلا اور اسکے معبد کی قسم کھا کر کہتا ہوں ضرور، وہ دن آنے والا ہے جب ہماری ڈاڑھیاں خون سے رنگی جائینگی۔ اور میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ بعد ازاں خدا ایک شخص مہدی نامی کو مبعوث کریگا جو ہماری بجائے بنی نوع انسان کا حاکم ہوگا وہی ہمارا انتقام لیگا نہیں بلکہ وہ تمہارے خون کا بھی انتقام لیگا پس صبر کرو۔ کیونکہ ایک آدمی کے خون کی خاطر وہ ہزاروں کا خون بہا دیگا اور وہ ان لوگوں کی جنہوں نے ہمارے دشمنوں کی مدد کی ہے جان بخشی نہ کریگا"

شیعہ کا یہ بھی قول ہے کہ یہ مہدی کوئی نیا شخص نہیں ہوگا۔ بلکہ وہ مجسم صورت میں نمودار ہو چکا ہے یعنی بارہواں اور آخری امام جو ۲۵۵ھ ہجری میں پیدا ہوا اس کا نام محمد ابن الحسین ابوالقاسم المہدی صاحب الحکم والزمان تھا۔ وہ بچپن میں ہی دنیا سے غائب ہو گیا مگر وہ اب تک زندہ ہے اور اس کو بدستور سابق اختیار حاصل ہے ان کو ترکی حکومت کے زوال پر اسی مہدی کے پھر ظاہر ہونے کی توقع ہے۔ وہ حسین کا انتقام لینے اور انصاف قائم کرنے کے بعد ایک غیر معین زمانہ تک حکومت کرے گا۔ اسوقت عیسٰی ابن مریم علیہ السلام بھی نمودار ہونگے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح بھی نمودار ہو کر قیامت یعنے دنیا کے انجام کا اعلان کرے گی[1]۔

پس غالباً افریقہ کے موجودہ مذہبی جوش سے کوئی سرگرم اور مستعد شخص پیدا ہوگا جو اپنے آپ کو مہدی مشتہر کر کے اصلاح کی تحریک کو شروع کردیگا۔ بلکہ اس قسم کے دو شخص پیشتر نمودار

---

[1] رووربا چر کی مذہبی تاریخ مطبوعہ ۱۸۴۵ء میں عیسائیوں اور مسلمانوں کی ایک پیشین گوئی کا تطابق بیان کیا گیا ہے۔ اس مورخ نے عہد عتیق کی پیشگوئیوں سے شمار کر کے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ترکوں کی سلطنت ۱۸۸۲ء میں تباہ ہو جائے گی اور مسلمانوں کی ایک پیشگوئی سے پایا جاتا ہے۔ کہ سلطنت مذکور کو ۱۳۰۰ ہجری میں زوال ہو جائیگا اور یہ دونوں تاریخیں بالکل مطابق ہیں۔ اگر مسلمانوں کی خوش قسمتی سے عیسائی مصنف کا یہ خیال بالکل بے بنیاد ثابت ہوا ہے (مترجم)۔

اختیار کرنے پڑینگے۔ ان میں سے اوّل زیادہ زبردست مگر دیرپا نہ ہوگا۔ دوسرا اس کی قسمت کا واقعی حل ہوگا۔

مسلمانوں میں ایک عام اعتقاد جو شیعہ عبادیہ اور سنیوں میں مشترک پایا جاتا ہے۔ یہ ہے کہ دنیا کے آخیر زمانہ میں جبکہ خدا کی عبادت کرنے والوں کی طاقت کمزور ہو جائے گی۔ اور مذہب اسلام میں طرح طرح کی خرابیاں پڑ جائیں گی۔ ایک لیڈر پیدا ہوگا۔ جو سچے مسلمانوں کو فارغ البال اور آسودہ کر دیگا۔ وہ زمین کو بے انصافی سے پاک و صاف کرے گا اور ظالموں سے جہاں وہ اسکو مل سکیں لڑائی کرے گا۔ خواہ وہ مسلمان ہوں۔ یا کافر ہوں۔ وہ لوگوں کو اس کامل قانون کی جو وہ فراموش کر چکے ہونگے تعلیم دیگا اور وہ اسلام کے خلیفہ کی بجائے مسلمانوں پر حکومت کریگا اور اس کا نام مہدی یا ہدایت کرنے والا ہوگا۔ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ وہ زمین کے کسی بعید گوشہ میں یکایک نمودار ہوگا۔ یہ کہ وہ مکہ کی طرف کوچ کرے گا۔ یہ کہ ہر ایک جگہ مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہایا جائیگا۔ اور وہ مکہ میں اسوقت داخل ہوگا جب بازاروں میں خون کی ندیاں بہ رہی ہونگی نزول مہدی کے متعلق علما بہت سی احادیث کو مستند خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ عبداللہ ابن مسعود کی سند پر بیان کیا گیا ہے۔ کہ اس نے رسول اللہؐ کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ "جب زمین کا صرف ایک روز باقی رہ جائے گا۔ خدا اس دن کو طویل کر دیگا۔ اور میرے گھرانے سے ایک ایسا شخص جو میرا ہم نام اور اس کا باپ میرے باپ کا ہمنام ہوگا بھیجے گا (محمد ابن عبداللہ) وہ زمین کو بے انصافی سے پاک و صاف کریگا اور عدل و صداقت سے بھر دیگا" علی ابن ابی طالب رسول اللہؐ کے داماد اور حذیفہ ابن الیمن نے بھی یہی حدیث سنی تھی مؤخر الذکر راوی ہے۔ کہ محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ پیشینگوئی مدینہ میں جمعہ کے روز خطبہ پڑھتے ہوئے کی تھی۔ سلمان فارسی ایک اور صحابی نے بیان کیا ہے کہ اس حدیث کے سننے کے بعد میں پیغمبرؐ کے پاس گیا اور اس کے سامنے کھڑا ہو کر پوچھا "رسول اللہ مہدی آپ کی کون سی اولاد میں سے ہوگا" پیغمبرؐ نے اپنے نواسے حسین کیطرف اشارہ کرکے کہا "وہ اس بچہ کی نسل سے ہوگا"

مزید براں یہ عام اعتقاد جو مسلمانوں کے ایمان کا اصلی رکن نہیں ہے ان میں بالاشتراک پایا جاتا ہے۔ گو شیعہ جو مبالغہ اور واقعی امور میں رطب و یابس ملانے کی طرف مائل ہیں

تینوں وصفوں کے علاوہ جرات اور حوصلہ اور رحمت ایزدی اس کے شامل حال ہو وہ ہر جگہ ہمارا اسلمانوں کا راہنما ہو سکتا ہے"

مگر اس قسم کی اصلاح کی راہ میں شروع میں بڑی بڑی رکاوٹیں حائل ہونگی اور وہ رکاوٹیں اخلاقی نہ ہونگی مہدی کی مشن کی تکمیل کے واسطے فتح مکہ ضروری ہے لیکن اگر افریقہ کا کوئی مصلح وہاں جانا چاہے تو مصر اور نہر سویز اسکے رستہ میں حائل ہونگی چنانچہ جب تک وہ ابی سینیا سے گذر کر بحیرہ قلزم کو عبور نہ کریگا وہ اپنی مشن کی تکمیل نہ کر سکیگا تذکرۃً اس جملہ سے ایک قدیم پیشنگوئی پوری ہو گئی کیونکہ ہمیں بیان کیا گیا ہے کہ اصحاب فیل یعنی اہل ابی سینیا کسی روز حجاز کو فتح کرینگے محض متعصب مصلح گروہ جبتک ترکوں کا مخالف نہ ہو خاص عربوں کے دل میں بھی ہمدردی پیدا نہ کر سکے گا۔ جزیرہ نما عرب کے مسلمانوں میں پیوریٹن اصلاح ہو چکی ہے اور ان کے دلوں میں آزادانہ خیال کا زبردست میلان شروع ہو گیا ہے وہ اب تک اصلاح کے حامی ہیں مگر وہ عبدالوہاب کی اصلاح سے بالکل مختلف ہونی چاہیے اور یہ امر مشکوک ہے کہ ایک نئے جنگجو اسلام کے بہت سے پیروان ہونگے؂

فی الحال عربستان کے خالص عربوں میں اس قسم کی آرا کا زبردست حامی سلطان کا نامزد شریف پیرانہ سال عبدالمطلب ہے جب سے وہ مکہ میں مسند شرافت پر متمکن ہوا ہے اس نے شمالی افریقہ کے باشندوں کی سرگرمی اور جوش کو مستقل کرنے میں سعی کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا نوجوانی گو وہ وہابی تھا اب تک بھی وہ پکے درجے کا پیوریٹن ہے اور ممکن ہے کہ اگر وہ کافی عرصہ تک زندہ رہے (اسکی عمر نوے سال بیان کیجاتی ہے) وہ عرب میں بھی ویسی سرگرمی پیدا کر سکتا ہے مگر فی الحال حجاز نجد اور یمن کے بے شمار عرب زیادہ نرم خیالات کی طرف مائل ہوتے جاتے ہیں مکہ میں عبدالمطلب کے بڑے بڑے حامی خود اسکے اہل ملک نہیں بلکہ ہندوستانیوں کی نوآبادی کے باشندے جو اکثر ۱۸۵۷ کے سپاہی پناہ گزینوں کی اولاد ہیں اور وہ اس نوآبادی کے نہایت متعصب باشندے مشہور ہیں خالص عرب اس کی حکومت سے باغی ہو گئے ہیں -

یہ بھی ممکن نہیں کہ پیوریٹن اصلاح یعنے خالص اور ٹھیٹھ مذہب اسلام شمالی ایشیا

ہو چکے ہیں۔ ان میں سے ایک طرابلس میں ہے جسکی بابت میں نے سنا ہے۔ کہ وہ محافظین فیروزال
کے ساتھ شریک ہو گیا ہے اور دوسرا سوڈان میں نمودار ہوا ہے (سوڈانی مہدی مدت سے
رحلت کر گیا ہے اور انگریزوں نے اس کی افواج کو منتشر کر دیا ہے) اس قسم کا ملہم ہادی
جو اصلاح کریگا۔ وہ آسانی سے تصور میں آسکتی ہے۔ جیسا کہ مذکورہ بالا پیشینگوئیوں میں
بیان کیا گیا ہے۔ وہ بزور شمشیر دنیا کو ظلم سے پاک وصاف کرے گا۔ اور قرآن شریف کے
سوا تمام مسلمہ و مستند قوانین کو بالائے طاق رکھکر وہ جنگجو اسلام کے نمونہ پر از سر نو آسمانی
سلطنت قائم کرے گا وہ اٹھارہویں صدی کی وہابیہ تحریک کا اس سے بڑے پیمانہ پر اعادہ
کریگا۔ اور چونکہ اس کو شمالی افریقہ کی بیشمار متعصب و پُرجوش باشندوں میں کارروائی کرنیکا
موقعہ ملیگا اس کی مہموں سے زیادہ باوقعت نتائج پیدا ہونگے۔

موجودہ نازک موقع پر سرگرم اور مستقل مزاج شخص ملہم ہادی کا دعوے کرنیکے بغیر بھی
بالکل عربوں کو اپنے اخلاقی دستور العمل کی اصلاح کرنے کی رغبت دیسکتا ہے اور اگر ضرورت
پڑے تو ان کو درویش بنا سکتا ہے۔ کیونکہ وہ ثابت کردیگا۔ کہ اس طرح ان کو فوجی لحاظ سے
تفوق حاصل ہو جائیگا۔ مگر گو اس اصول پر اصلاح آسانی سے ہو سکتی ہے یہ یورپ کے ہسٹ
ورہبیت کے مخالفوں کے اصلاح کے مشابہ ہوگی۔ نہ کہ اس اصلی عیسائی اصلاح کے جو ان کے
بعد شروع ہوئی اور یہ عالمگیر یا دیرپا نہ ہوگی۔

میں نے ایک ممتاز جید عالم کی زبانی سنا۔ کہ اس قسم کے مصلح میں کون سے اوصاف ہونے
چاہئیں۔ اس نے کہا یہ وہ شخص جو ہم کو اصلاح کی ترغیب دینا چاہئے ایک مسلمہ شریف
خاندان سے ہونا چاہئے وہ بادشاہ شریف یا موروثی سجادہ نشین ہونا چاہئے اس طرح
کسی شخص کو اس پر بدکرداری وغیرہ کا الزام لگانے کی جرأت نہ ہوگی۔ دوسرے ایسا شخص عرب
ہونا چاہئے جو قرآن شریف کی خالص زبان جانتا ہو۔ کیونکہ عرب علما عجمی کی باتوں کو توجہ
سے نہ سنیں گے وہ ایسا شخص ہونا چاہئے جو اپنی فصاحت و بلاغت سے لوگوں کو گرویدہ
کرے مصلح کے واسطے واعظ ہونا سب سے ضروری امر ہے۔ سوم وہ ایک جید عالم ہونا چاہئے
یعنے قانون کی تمام باریکیوں اور قرآن مجید کی تفاسیر میں ید طولے رکھتا ہو وہ ایسا حاضر
جواب ہونا چاہئے کہ استدلال کے وقت وہ اسناد کا اسناد سے قول کا قول سے اور
قرآن شریف کی عبارت کا قرآن شریف کی عبارت سے مقابلہ کرسکے جس شخص میں ان

اور بدرجہ مساوی افراد کا یہی قانون (اصول) ہے کہ وہ اپنی آنکھوں کو بالکل بند نہیں
کر سکتے۔ اور ان کے واسطے مفید تغیرات اس صورت میں ہو سکتے ہیں کہ وہ زندگی
کی نئی نہ کہ پرانی۔ زیادہ نہ کہ کم علم آزادی نہ کہ غلامی خیالات کی طرف مائل ہوں۔
اور اسلام کے اصلی اور سچے اصولوں میں ایسی ترقی کے مغائر کوئی امر نہیں ہے۔

محمدی مذہب کے اصول شروع سے ہی بلکہ ابتدائی اشاعت سے کئی صدیاں
بعد تک بھی بالکل معقول تھے۔ اور اس کو اپنی دینی و روحانی فتوحات دلیل
اور ایمان دونوں سے حاصل ہوئیں۔ اور اگر ہم اس کی بنیاد۔ اور اس کی
ابتدائی تاریخ کو بنظر تفحص دیکھیں تو ہم کو یہ بات تسلیم کرنی پڑیگی۔ قرآن جسکو
ہم مسلمانوں کے قانون کا تحریری ضابطہ خیال کرتے ہیں۔ فی الحقیقت مسلمانوں
کا قانونی نصاب نہیں جس پر ان کی معاشرت وغیرہ کا انحصار ہو۔ اسمیں بعض مذہبی
صداقتوں کی تصریح کی گئی ہے۔ مثلاً خدا کی وحدانیت۔ عقبیٰ میں جزا و سزا
کا مسئلہ۔ اور خدا کے بندوں پر کیا حقوق ہیں اس کے بہت سی سورتوں
میں اعلیٰ زبور (خدا کی مدح و تعریف کے مضامین) ہیں۔ اسکے بعد ایمانداروں کو
جزا اور دائمی مسرت اور کافروں کو ہلاکت کا وعدہ دیا گیا ہے۔ پھر الہام
اور رسالت کی وہ تاریخ جو شامی نسل میں مروج تھی۔ اور اصلی قانون اخیری
سورتوں میں مبہم طور پر پایا جاتا ہے تاہم قانون اسلام کا اصل الاصول ہے اور
اس کی بنیاد سوشل اور مذہبی قانون پر ہے یہ بھی ظاہر ہے کہ اسلام کو
دنیا میں عظیم الشان اور مسلسل فتوحات قانون سے نہ کہ قرآن کے دینی مسایل سے
حاصل ہوئی تھیں۔

اور یہ قانون قرآن کی طرح تمام و کمال آسمان سے نازل نہیں ہوا تھا۔ ابتدا
میں یہ قانون عرب کے عام رواج پر مبنی ہوا تھا اور الہام کے ذریعہ اس میں
بعض باتیں بطور ضمیمہ اور اصلاح شامل کی گئی تھیں لیکن یہ حق و ناحق کے
موجود الوقت قواعد پر مبنی تھا مگر جب اسلام ابتدائی عہد ہی میں عرب سے باہر
نکلا اور ممالک غیر کی تہذیب اور زندگی کی مختلف حالتوں میں اس کا میل جول
ہوا تو محض رسم و رواج اصول دنیاوی کے واسطے کافی نہ تھا جو کہ سوقت الہام

کی قوموں کو مرغوب طبع ہو جو عیش پرستی شہوت رانی توہم پرستی کے غلام بنے ہوئے ہیں
یہ بھی یقینی امر ہے کہ قسطنطنیہ کے سلطان ہر طرح کی اصلاح کی مخالفت کرینگے۔ وہابیت
جنوبی ایشیا میں تو جا بجا پھیل گئی مگر شمال کی جانب میں شام سے پرے اس کے
پاؤں نہ جمے اور آخر قسطنطنیہ کے سینوں سے جن میں طرح طرح کی خرابیاں پڑی
ہوئی ہیں مقابلہ ہونے پر چکنا چور ہو گئی اور اب بھی ویسا ہی ہوگا عبدالحمید باوجودیکہ
وہ اسلام کا بڑا سرگرم خیر خواہ ہے اخلاقی اصلاح کے وعظ کو ایک نیا الحاد خیال
کریگا اور ہم دیکھ چکے ہیں کہ مہدی کی مشن ہر طرح کی خراب حکومت (جس سے
سلطان اور خلیفہ کی حکومت بھی مستثنےٰ نہیں) کے برخلاف ہو گی پس جبتک
عبدالحمید افریقہ کی زرمیہ تحریک کا لیڈر بن کر رقیب کی جگہ پہلے سے ہی خود نہ لے لی
وہ اس تحریک کی بہت عرصہ تک مخلصانہ تائید نہ کریگا وہ ٹیونس کے واقعات کو
شک و شبہ کی نظر سے دیکھتا ہے اور کسی مصلح کی خبر سنکر وہ اسکے خلاف حکم صادر
کریگا میری رائے میں طرابلس میں ترکوں کی کمکی فوجیں عربی اصلاح نیز کا فرفرانس
دونوں کی پیشبندی کے خیال سے رکھی گئی ہیں۔

پس اگر مہدی بھی جنگ و جدل سے چھٹ اور خالص اسلام پھیلانے کی کوشش کرے
تو اس کی اصلاح عام یا دیرپا نہ ہو گی غالباً اس کا زیادہ سے زیادہ نتیجہ یہ ہوگا کہ تھوڑے
عرصہ تک جوش اور سرگرمی دیکھی جائیگی جس سے مسلمانوں کو غور و خوض کی عادت
اور اسلام کی دینی اور روحانی زندگی از سر نو شروع ہو جائیگی۔ اور جیسا کہ
عرب میں دیکھا گیا ہے اس قسم کی اصلاح کے بجائے نرمی سے شروع ہو کر زیادہ
دیرپا اور زیادہ معقول اصلاح پیدا ہو گی۔

لیکن میں نے اپنے متذکرہ صدر قول میں کہ انجام کار اسلام اپنی نجات کا رستہ
نکال لے گا۔ اس قسم کی پیورٹن اصلاح کی طرف اشارہ نہ کیا تھا اور میری رائے
میں اسلام کو صراط مستقیم دکھانے کے واسطے کسی ملہم ہادی کی ضرورت نہیں۔
بے شک اسلامی اصلاح شروع ہو چکی ہے۔ اسکے کامل نتائج عجلت سے نہیں
بلکہ تدریجاً۔ پہلے خیالات کو بالکل تغیر کرنے سے نہیں بلکہ ان کو ترقی دینے سے
حاصل ہونگے۔ اور یہی اصلاح سچی اصلاح ہو گی۔ کیونکہ یہ اقوام کا نیز مذاہب

یہ تھا کہ شریعت و قانون کو مسلمانوں کی ترقی پذیر ضروریات کے مطابق و مناسب بنایا جائے۔ اور یہ سب منتخب آیات و احادیث سے مسائل کا استنباط و استدلال کرتے تھے یہ ضوابط زندگی کی موجودہ الوقت ضروریات کے واسطے عمدہ اور کافی تھے۔ بلکہ اب تک بھی جہاں مسلمانوں کی قدیم حالت میں تغیر نہیں ہوا۔ عمدہ حکومت اور سوشل (تمدنی) دستور العمل کے واسطے بالکل کافی و شافی ہیں۔ لیکن اگر اسلام کی قسمت ہمیشہ کے واسطے اس کے بانیوں کے سے عاقل و فرزانہ شخصوں کے ہاتھ میں رہتی تو یہ سب ضوابط اسلامی قانون کے ابتدائی مرحلے ہوتے مگر بدقسمتی سے سنہ عیسوی گیارہویں صدی میں عربی علما کی مجلسوں اور مشوروں میں ایک نیا اور مضر اثر محسوس ہونے لگا جو آہستہ آہستہ زور پکڑتا گیا اور آخرش اس نے دینی ترقی کے سرچشموں کو بالکل مندمل کر دیا یعنے اس زمانہ میں تاتاری جن کی سمجھ کم ہوتی ہے گو ان کی قوت بازو اور جنگ و جدل کی مہارت میں کلام نہیں اسلامی دنیا میں اوّل اوّل ہی نمودار ہوئے ان کو غور و خوض کی بالکل عادت نہ تھی اور اسلام اختیار کرنے کے بعد ان کو اس کے متعلق مزید استدلال کرنے کی کوئی ضرورت معلوم نہ ہوئی قرآن شریف اور احادیث کی زبان ان کو بالکل معلوم نہ تھی اور گو انھوں نے عربوں کی سلطنت کو فتح کر لیا تھا مگر ان کی فراست اور عقل کو دیکھکر دنگ رہجاتے تھے عربی علماء میں مذہبی مباحثے ہوتے رہتے تھے مگر جاہل تاتاریوں کو ان میں شریک ہونے کی جرات کہاں وہ اپنی بےسمجھی اور کم فہمی کو چھپانے کیلئے دینی مسائل کے حصن حصین میں پناہ گزیں ہوئے ان میں یہ طاقت کہاں کہ خود قانون کو ترقی دیں۔ پس جتنا تحریری قانون مل گیا اس کی اندھا دھند پیروی کرنے لگے ان کو ابو حنیفہ کا ضابطہ بالکل مکمل معلوم ہوا اور اس کو اپنی قانونی استدلال کا تکیہ بنالیا پھر جب ان کو بتدریج ہر طرح کے اختیارات حاصل ہوگئے انھوں نے مزید علم حاصل کرنے کو الحاد قرار دیا اور دراصل مکاتب کو بند کر دیا۔ سولھویں صدی میں ان کی فوجی فتوحات سے اسلام کی ذہنی ترقی پر گویا مُہر لگ گئی اور اس وقت سے آج تک قدیم اسلامی مدارس میں مسلمانوں کے خیالات کو روشن کرنے والا کوئی مباحثہ نہیں ہوا عقل

سلسلہ منقطع ہو گیا تھا مسلمانوں کو اپنے کاروبار اور فعل و عمل میں اپنی عقل سے کام لینا پڑا اگر الہام یا یوں کہو کہ کلام الٰہی ان کے استدلال کی بنیاد کا کام دیتی رہی اور شارع علیہ سلام کی پاک تعلیم کو وہ نئے قانون کی سند گردانتے رہے حتی الامکان نئی ضروریات اور حالتوں میں آیات یا نص قرآنی سے اور ان کی عدم موجودگی میں حدیث سے کام لیا جاتا تھا ضرورت کے وقت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ کے اصحابوں سے مشورہ لیا جاتا تھا اور ان کے اقوال و افعال جو لوگوں کو یاد تھے بطور سند پیش کئے جاتے تھے جب یہ ذریعہ بھی ختم ہو گیا تو تابعین کے مشورہ و اقوال سے کام لیا جانے لگا۔

اس طرح موجودہ محمدی قانون قرنوں کی محنت مقابلے اور استدلال سے تھا جیتا گو اسلام کی تیسری صدی میں خلیفہ کے حکم سے اسکو ایک ضابطہ کی صورت میں قلمبند کیا گیا یہ کام امام ابو حنیفہ کے سپرد ہوا جس نے احادیث اور موجود الوقت شرعی دستور العمل کا اختصار کر کے فقہ الدین اور فقہ الشریعت کی صورت میں مرتب کر دیا۔ ابو حنیفہ اور اسکے ہم عصروں نے آیات و احادیث و اقوال کی جن پر قانون مبنی تھا تحقیق کر کے قدیم علماء اسلام کے بعض اقوال کو تسلیم اور بعض کی تردید کر کے سب کو خاص ترتیب دی۔ اور محمد کی جورسپروڈنیس (اصول قوانین) کی بنیاد قائم کی۔

مگر معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے ضابطہ مرتب کرنے سے یہ مرکوز نہ تھا کہ یہ مسلمانوں کے واسطے آخری قانون کا کام دے۔ اور اسمیں کسی طرح کا تغیر نہ کیا جائے۔ اسمیں بہت سی ایسی احادیث اور اقوال درج تھے۔ جن کو خود جامع نے بالکل استعمال نہیں کیا بعض متضاد یا ذو معنے ہیں کہ کوئی اور شارح ان کے بالکل مختلف معانی و مطلب اخذ کر سکتا ہے۔ ابو حنیفہ نے اقوال کا اقتباس اور استدلال کیا ہے۔ مگر قول فیصل ظاہر نہیں کیا۔ اور جب تک اسلام میں عربی خیالات اور عربی علما غالب رہے معقول استدلال اور ترقی جاری رہے۔

امام ابو حنیفہ کے ضابطہ کے بعد امام مالک، الشافعی اور ابن حنبل اور دیگر علما کے ضوابطے مروج ہو گئے۔ مگر ان کی تعلیم بھی اسوقت متروک ہو گئی ہے سب کا منشا

کیجاتی ہیں اخلاقی ہمدردی تسلیم کیجاتی ہے کیونکہ مسلمان اور عیسائی دونوں حق و انصاف کے معترف ہیں۔ بلکہ میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر مین کے لوگ قسطنطنیہ سے آزاد ہو جائیں۔ تو ان میں بھی ویسے ہی ہمدردانہ خیالات سرایت کر جائینگے اور میں جانتا ہوں کہ یہ نجد میں بھی پائے جاتے ہیں۔ بلکہ حجاز میں ہی جو مذہبی سختی کا سرچشمہ خیال کیا جاتا ہے۔ اصلی عربی باشندے بہت آزاد منش ہیں۔ مرحوم شریف سے زیر حکومت جو عبدالحمید کی پولٹیکل چال کا شکار ہوا۔ اس قسم کے خیالات جلد جلد ترقی پکڑتے جاتے تھے۔ اور اگر وہ بے محل فوت نہ ہو جاتا۔ تو میں ایک مستند شہادت پر بیان کر سکتا ہوں کہ مسلمانوں کی ارض مقدس میں یورپین آمد و رفت کا سلسلہ شروع ہو جاتا اور غلامی یا کم از کم بردہ فروشی کا بالکل انسداد ہو جاتا۔

پس یہ امید ہو سکتی ہے کہ اگر اسلام میں پھر عربی خیالات زور پکڑ جائیں تو ان کا میلان قانون کے زیادہ وسیع اور زیادہ لبرل معانی اخذ کرنا ہوگا اور ممکن ہے کہ مناسب وقت تک عیسوی ممالک شاید خود مذہب عیسوی سے سچی مصلحت ہو جائے موجودہ صورت میں اصلاح کی راہ میں یہ بڑی مشکل پیش ہے کہ شریعت یا قانون کا تحریری ضابطہ متشرع مسلمانوں میں مستند اور قابل اعتبار خیال کیا جاتا ہے وہ قانون بذات خود عمدہ قانون ہے اور اسی وجہ سے دیانتدار اور خدا سے خوف کھانے والے آدمی اس کی پابندی پر ثابت قدم رہتے ہیں۔ مگر بعض امور میں یہ اسلام کی موجودہ ضروریات کیواسطے مناسب نہیں اور اسکا تبدیل کرنا جائز نہیں۔

جب یہ ضابطہ مرتب کیا گیا تھا تو کسی کو کیا خبر تھی کہ مسلمان کسی عیسائی طاقت کی رعایا ہونگے یا اسلامی سلطنت کو اپنی اندرونی پالیسی میں عیسائیوں کے مطالبات پورے کرنے پڑینگے اسمیں یہ خیال بھی مدنظر رکھا گیا تھا کہ زیادہ تر جدال و قتال شروع رہیگا اور غلامی اور کنیزکوں کے ساتھ عیش کرنا جنگ کے طبعی لوازمات خیال کیے گئے اسمیں یہ امر مدنظر رکھا گیا تھا کہ اگر اسلام کو اپنی ہستی منظور ہو تو اس کو اپنے پڑوسیوں کے ساتھ صلح و امن سے رہنا پڑے گا۔ یا کہ دنیا کی عام اخلاقی حس اسپر اتنا دباؤ ڈالیگی کہ خود مسلمانوں کے اعلےٰ اور حرکات و خیالات کو شادی اور طلاق کے متعلق اپنی قدیم اور وحشیانہ کثرت و آزادی کو بالضرورت

جو اوائل اسلام میں ایمان کی آنکھ تھی بالکل بند کر دیگئی اور بعض کہتے ہیں کہ یہ بالکل نابینا ہے۔

صرف موجودہ نسل میں ہی جب اسلام پر طرح طرح کے خطرات اور مصائب نازل ہونے لگیں پھر فرہنی طریقوں سے کام لیا جانے لگا اور صرف ایسے اسلامی ممالک میں جہاں عربی خیالات نہایت زبردست ہیں از سر نو دماغی زندگی کی علامتیں پائی جاتی ہیں زمانہ حال کا عربستان جہاں کہیں اس کا دنیا کی تہذیب سے واسطہ پڑا ہے اس کا مقابلہ کرنے کے واسطے تیار اور قابل ہے اور اب یہ بڑی متانت سے یہ سوال حل کر رہا ہے میری حیثیت کیا ہے اور میرے مذہب کا دنیا کی تہذیب سے کیا تعلق ہے۔ بے شک شمالی افریقہ میں اسلام کو تہذیب اپنی دشمن معلوم ہوتی ہے۔ لیکن جہاں اسکی عقل پر پولٹیکل زیادتیوں کے رنج سے بادل نہیں چھا گیا اس میں نہ صرف یورپ کے بہترین خیالات کے سمجھنے کی قابلیت ہے بلکہ مسلمان ان کو اپنے خیالات کے ہم جنس خیال کر کے ان سے ہمدردی کرتے ہیں چنانچہ اب قاہرہ میں قسطنطنیہ کا اثر کسی قدر دور ہو گیا ہے ہم دیکھتے ہیں کہ عربی علما یورپین خیالات کے اعلےٰ اصولوں کو اختیار کرتے جاتے اور اپنے اخلاقی شیوہ میں ہمارے اخلاق کی بعض باتیں ملا رہے ہیں مصر میں عام مذہبی رواداری کو قانونی طور پر جائز رکھنے سے اہل مصر ترکوں کی طرح یہ خیال نہیں کرتے کہ ان کے خیالی دقیہ میں فرق آگیا یا تیر کسی طرح کا دباؤ ڈالا گیا ہے بلکہ یہ لوگ خود بخود اپنی خانگی زندگی کی اصلاح اور بعض حالتوں میں ایک بیوی پر قناعت کرنیکے دستور کو اختیار کرنے لگے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دماغ میں اب وہی عمل شروع ہے جو ان کے آبا و اجداد کے دلوں میں پایا جاتا تھا آٹھویں صدی میں جب عربوں کا یونانی فلسفہ سے میل جول ہوا تو انھوں نے اسکو اپنی عقل کے فطری عمل سے اپنے اعتقادات میں شامل کر لیا اور اب وہ انیسویں صدی میں بھی اجنبی اخلاق کو اپنے اخلاق میں شامل کر رہے ہیں۔

نہ صرف مصر میں بلکہ عمان اور جزیرہ نما عرب میں مسلمانوں اور انکے مہمان عیسائیوں میں دلی دوستی کا واقعی خیال پایا جاتا ہے۔ زنگبار میں غلامی کا انسداد یورپین آرا اور یورپین طاقت دونوں کے مساوی اثر سے ہوا ہے اور عیسائی اور اسلامی سلطنت

تک معرض تحریر میں ۰ لا اٹھا ترمیم کر دیتے تھے۔

چنانچہ ابو بکرؓ کی نسبت بیان کیا گیا ہے۔ کہ آپ نے قانون متعہ کو منسوخ کر دیا۔ گو یہ قرآن مجید کی بعض آیات پر مبنی تھا۔ اور نا مکہ یہ صحیح احادیث کے مطابق نہیں ہے اور علی نے پھر اس فیصلہ کو منسوخ کر دیا۔ مگر سُنی اسی پر پابند ہیں۔ اسکے بعد خلفاے امیہ وعباس بطور نائب کے ذریعہ قانون وضع کرنے کا حق استعمال کرتے تھے۔ ان کے نام پر ابو حنیفہ اور دیگر مجتہدین نے قانون کے پہلے ضوابط بنائے اور آخری وقت تک انکے الفاظ اسی طرح مانے جاتے تھے۔ گو یا کہ وہ ملہم کلام ہیں۔

جب یہ مقدس منصب مقدس اور جائز خاندان سی منتقل ہو گیا۔ تو حرمت کا خیال جاتا رہا اور اسلام میں خلیفہ کی زندہ آواز کیطرف سے لاپرواہی ہونے لگی عثمانی فاتح نے امیر المومنین کا لقب اختیار کرنے پر تعلیم وتلقین کا اختیار حاصل کرنے کی جرأت نہ کی اور اگر وہ یہ دعوے کرتا بھی۔ تو مسلمان کب مانتے تھے۔ خاندان عثمان اول سے ہی ایسی بدکرداریوں اور خرابیوں میں منہمک تھا۔ کہ یہ دوسروں کو تعلیم دینے کی قابلیت نہ رکھتا تھا برٹرانڈن ڈیلا بروکیر نے پندرھویں صدی میں ترک اعظم کے دربار اور عادات کا جو ذکر کیا ہے۔ صریحًا بالکل مبالغہ آمیز نہیں ہے اور اس کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ عربی علما اس زمانہ کے ترکی سلاطین کا ملہم ہونا بالکل ناممکن خیال کرتے ہونگے۔ در اصل سلیم یا اس کے جانشینوں نے صوت الحی کا کبھی دعوے نہیں کیا مگر کسی با اختیار آواز کی عدم موجودگی کا متشرع مسلمانوں کو بھی زیادہ احساس ہو رہا ہے اور یہ بات یقینی معلوم ہوتی ہے۔ کہ کبھی اس کو کسی نہ کسی صورت میں پھر عام طور پر تسلیم کیا جائیگا۔ میں نے عبد الحمید کی دینی اور روحانی خواہش کا ذکر کیا تھا۔ تھوڑا عرصہ گذرا۔ کہ اس نے اپنی خلافت کے شرعی حقوق کو جن میں صوت الحی[1] کا حق بھی شامل تھا۔ باقاعدہ طور پر مرتب کرایا تھا۔ گو یہ ناممکن ہے۔ کہ مسلمان خاندان عثمان کو جبکہ اس کی حکومت عنقریب ختم ہونے والی ہے۔ اتنا اعلےٰ حق دیدینگے۔

---

[1] عبد المطلب نے اس حق کی تصدیق کر دی ہے۔ جو اس سال (سنہ ۱۹۰۶ء) عبد الحمید کی خلافت کی تائید میں حامیوں میں رسالۃ الراعیہ شائع کر رہا ہے۔

محدود کرنا پڑے گا ۔ مگر اس قسم کے واقعات ہوتے ۔ یا آنا فاناً ہو رہے ہیں ۔ اور اب اسلام نے بہترین غور و خوض کرنے والے قائل ہیں کہ اس قسم کے تغیرات ابھی یا کچھ دیر کے بعد ضرور کئے جانے چاہئیں ۔ مگر وہ صرف اسقدر اصرار کرتے ہیں کہ تغیر شرعی اور جائز طور پر کئے جائیں ۔ اور پہلے قانون کو منسوخ کر کے بزور مروج نہ کئے جائیں ۔

وہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ تغیر شرعی اور جائز سند سے کیا جائے مگر عثمانی سلطان یہ شریف ۔ شیخ الاسلام یا علما کی کوئی جماعت دنیا میں موجود نہیں جسکو تغیر کرنے کا جائز اختیار حاصل ہو ۔ ان میں سے کوئی بھی قانون میں دخل دینے کی جرات نہیں کرسکتا بلکہ مسلمانوں میں کوئی ایسی عام مسلمہ عدالت بھی نہیں جو قانون کے مناسب معانی کے متعلق انکے شکوک رفع اور ان کے جھگڑوں کا فیصلہ کرسکے اب صرف فتوے یا رائے دیجا سکتی ہے اور یہ صرف اس ملک پر عاید ہوتا ہے جہاں یہ صادر کیا گیا ہو لیکن ہے کہ قسطنطنیہ کے شیخ الاسلام کے فتوے سے مکہ یا قاہرہ کے مفتی کے پاس مرافع ہوسکے یا ان مفتیوں کا بجائے مفتی کے پاس مگر انمیں سے کوئی بھی باقی ماندہ کے فتووں کو بالکل منسوخ نہیں کرسکتا چنانچہ جب میں جدہ میں تھا تو بنگالی مسلمانوں کا ایک وفد وہاں پہنچا یہ لوگ اس امر کے متعلق مکہ سے فتوے لینے کے واسطے جا رہے تھے کہ آیا مسلمانوں کو یورپین لباس پہننا جائز ہے یا نہیں پہلے قسطنطنیہ سے فتوے لیا گیا تھا لیکن وفد خوش نہ ہوا ۔ اور اسکے ممبر کہنے لگے ہم شیخ الاسلام پر بھروسا نہیں کرسکتے اور مکہ کے مفتی کو ترجیح دیتے ہیں پس جو مسلمان شرع کی پابندی کے ساتھ ہی ترقی کے خواہاں ہیں ان کو ہمیشہ ایک شرعی رکاوٹ درپیش رہتی ہے یعنے ایسا کوئی شخص نہیں جو جواز یا عدم جواز کا فیصلہ کن فتوے دے سکے موجودہ صورت میں اس کا کوئی علاج نہیں ۔

مگر علما میں اب یہ رائے پائی جاتی ہے کہ اگر خلافت پر صوۃ الحی یعنے اسلام کی زندہ آواز بحال کیجائے تو متنازعہ فیہ امور کا فیصلہ ہوسکتا ہے جیسا کہ اسلام کے اوائل قرون میں بلکہ عباسی خاندان کے تباہ ہونے تک پیغمبر کے جانشینوں میں پائی جاتی تھی یہ ایک یقینی امر ہے کہ ابوبکر عمر عثمان اور علی کے زمانہ میں خلفا کو قانون وضع کرنے کا ایسا زندہ اختیار حاصل تھا اور وہ اپنے اختیار سے قانون کو جو اسوقت

لوگ فیصلہ صادر کرتے ہیں ان کو مسلمہ قانون میں کمی بیشی کرنے کا کوئی اختیار نہیں لیکن اگر کسی شخص کو اختیار ہو تو اسکے فیصلوں کی عام طور پر تائید کیجائیگی کم از کم مسلمانوں کے ساتھ گفتگو کرنے سے مجھے اُن کی یہی رائے معلوم ہوئی۔ ان باتوں کی جزئیات کی تفصیل وحل دلچسپ ہوگا اور مجھے امید ہے کہ میں کسی دن ایسا ہی کرونگا لیکن فی الحال مجھکو نہ ہی اسقدر فرصت ہے اور نہ ہی کافی علم ہے میں نے ایک طریقہ سوچھا دیا ہے جس سے مجھے گونہ اطمینان اور خوشی حاصل ہوئی ہے مگر میں اصلاح کی جزئیات کو حل نہیں کر سکتا۔

علمائے ازہر نے گذشتہ بہار میں ایک تحریر شائع کی تھی اس کے اقتباس سے حدیث کا وہ مصالح جسکی مصلحوں کو جستجو ہے معلوم ہو جائیگا۔ یہ تحریر پیغمبر علیہ السلام کے عربستان کے عیسائیوں کے ساتھ پہلے عہد نامہ کی عبارت بیان کیگئی ہے گو اسکے مستند ہونے کا وثوق نہیں ہے:

رسول اللہ محمد کا عیسائیوں کے راہبوں اور اسقفوں کے ساتھ معاہدہ ۲۵ ھ
محمد جسکو خدا تعالے نے تمام بنی نوع انسان کی طرف بشارت کا پیغام دیکر بھیجا ہے منشاء ایزدی کے مطابق یہ عہد کرتا ہے۔

جو شخص اس عہد کو مد نظر رکھیگا وہ سچا مسلمان اور خدا اسکے مذہب کا پابند سمجھا جائیگا اور جو شخص اس سے انحراف کریگا وہ خدا کا دشمن ہوگا خواہ وہ رعایا یا بادشاہ یا ادنی یا اعلے ہو۔

میں اسبات کا ذمہ لیتا ہوں کہ میں ان کے (عیسائیوں) ملک کی اپنے سوار و پیادوں اور چھاونیوں کے ساتھ کل دنیا میں حفاظت کرونگا میں ان کی اور ان کے معبدوں ان کے کلیسائیوں اور ان کے گرجوں ان کی خانقاہوں اور ان کی زیارت گاہوں کی جہاں کہیں وہ مجھکو ملیں خشکی پر یا تری پر مشرق یا مغرب میں پہاڑ یا میدان میں یا بن یا شہر میں حفاظت کرونگا میں انکی پشت پناہ ہونگا تاکہ ان کو کسی طرح کا گزند نہ پہنچے اور کہ میرے پیرو ان کو شر سے بچائینگے میں ان کے ساتھ یہ عہد کرتا ہوں میں ان کو ایسے تمام معاملات میں جن سے مسلمان معذور قرار دئے گئے ہیں معذور کرونگا۔ میں یہ بھی حکم دیتا ہوں کہ ان کے کسی اسقف کو انکے گرجا سے نہ

کر دیا گیا جب اس لقب کا شرعی مستحق ملجائیگا۔ تو اسکو مقدس منصب کے حقوق عطا کر دیے جائین گے۔ اور اس وقت آخرکار شرعی مشکل رفع ہو جائے گی۔ قانون کا ہاتھ اسوقت مردہ نہ ہوگا۔ بلکہ ایک زندہ آواز اور ارادے سے تائید یافتہ ہوگا۔

چونکہ ہم بہت سی باتون کا تصور کر رہے ہین۔ اگر ہم مندرجہ ذیل امر کو تصور کر لین تو نامناسب نہ ہوگا۔ کہ قریش کا مفروض خلیفہ جسکو مسلمان منتخب کر کے مکہ مین مسند نشین کرینگے حج کے دنون مین ہر ملک کے علما کو بلائیگا۔ اور ایک مجلس منعقد کر کے نیا مجتہد مقرر کرے گا۔ اور اس امر کی تشریح کریگا۔ کہ شریعت مین اسلام کی بہبودی کے واسطے بعض ترمیمین۔ جو حدیث سے اخذ ہو سکتی ہین ضروری ہین دینی مسائل مین نہین بلکہ صرف قانون میں تغیر کرنا پڑیگا فقہ الدین میں بمشکل کسی ترمیم کی ضرورت ہوگی فقہ الشریعت کے بعض باب از سر نو مرتب کیے جائینگے بلاشک اگر آج پیغمبر مارے درمیان زندہ ہوتا تو وہ اس قسم کے تغیرات کرنیکا حکم دیدیتا اور انکے زمانہ کے مسلمان ان تغیرات کو قرآنی تعلیم کی ضروری اور جائز ابزادی تسلیم کرتے۔

اس بارہ میں مزید تحقیقات کی اور اس قسم کی تجویز کی جزئیات معرض تحریر میں لانی بھی دلچسپ ہونگی مذہب اسلام کو یورپ کے ساتھ پہلو بہ پہلو چلنے میں شرعی زندہ قانون کی ضرورت ہے اور اس امر کی کہ قانون اسلامی کو بعض امور میں جن پر یورپ اصرار کرتا ہے معقول بنا دیا جائے تاکہ کوئی وجہ خصومت نہ رہجائے یہ ظاہر ہے کہ ان عیسائیوں کو جو مسلمانوں کے زیر حکومت رہتے ہیں قانونی مساوات دینی اور برعکس اسکے بعض امور میں مسلمانوں کو جو عیسائیون کے زیر حکومت رہتے ہیں اجنبی قانون کے کسی قدر پیروی کرنیکی اجازت ہونی چاہئیے۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ کسی ذریعے سے غلامی کو ناجائز قرار دیا جائے اور شادی۔ کنیز کو رکھنے اور طلاق کے متعلق قرآنی جواز کے محدود معنے لیے جائیں اگر ان فتوؤں کو جو امور متذکرہ صدر کے متعلق مسجد ازہر کے بعض علمانے دیئے ہیں دیکھا جائے تو کچھ شک باقی نہیں رہ سکتا کہ یہ سب تغیرات سے استدلال اور قرآن شریف کے معنے کو محدود یا وسیع کرنے سے معقول طور پر ہو سکتے ہیں۔ فی الحال عام مسلمانوں کو یہ فیصلے اطمینان بخش معلوم نہیں ہوتے کیونکہ جو

سکے تو "مجھے تو اپنی لڑکی دیدے" نہ ہی کوئی مسلمان عیسائی کی رضا کے بغیر اسکی لڑکی کو لے سکیگا اور اگر کوئی عیسائی عورت کسی مسلم کی کنیز ہو جائے تو اس عہد کے رو سے اسپر لازم ہوگا کہ وہ اس عورت کو اپنے مذہب پر رہنے دے اور وہ اس کو اپنے مذہبی بزرگوں کی نافرمانی کرنے پر مجبور نہ کر سکیگا یہ خدا کا حکم ہے اور جو شخص اس سے انکار یا نافرمانی کریگا خدا اسکو جھوٹا خیال کریگا۔

"مزید براں یہ میرے پیروؤں کا فرض ہوگا کہ وہ عیسائیوں کے گرجوں کی مرمت کریں اور یہ خدمت صرف فی سبیل اللہ اور رسول خدا کے انکے ساتھ عہدنامہ کو مدنظر رکھنے کی غرض سے کریں اور احسان نہ جتائیں۔

"کسی عیسائی کو لڑائی کے وقت اپنے لوگوں کے خلاف بطور ایلچی یا جاسوس بھیجنے پر مجبور نہ کیا جائے"۔

"یہ حقوق ہیں جو محمد خدا کے رسول نے عیسیٰ کے پیروؤں کو عطا کئے ہیں اسکے معاوضہ میں اس نے ان کو اپنے اور مسلمانوں کے ساتھ حسب ذیل سلوک کرنے کی ہدایت کی"

"(۱) کوئی عیسائی جنگ کے وقت علانیہ یا در پردہ اسلام کے دشمنوں کو امداد نہ دے سکے"

(۲) "وہ اپنے گرجوں یا مکانات میں اسلام کے دشمنوں کو پناہ نہ دیں"

(۳) "وہ ان کو اسلحہ خوراک گھوڑوں یا آدمیوں کی مدد نہ دیں"

(۴) "وہ اسلام کے علانیہ دشمنوں سے صلاح و مشورہ نہ کریں ان کو اپنے مکانات میں نہ آنے دیں اور ان کے پاس روپیہ نہ رکھیں"

(۵) "وہ ان تمام مسلمانوں کو جو ان کے ہاں مہمان ہوں کم از کم تین روز تک ضیافت دیں لیکن کوئی مسلمان ان کو اپنے واسطے خاص کھانا پکانے پر مجبور نہ کر سکے گا اور وہ اپنے میزبان کے ساتھ معمولی کھانا کھائے۔

(۶) "اگر کوئی مسلمان کسی عیسائی کے ہاں پناہ گزین ہو تو عیسائی اس کو پناہ دینے سے انکار نہ کرے اور اسکو اسکے دشمنوں کے حوالہ نہ کرے"۔

"جو عیسائی میری ان ہدایات سے انکار کریگا وہ اس عہدنامہ کے حقوق میں جو میں نے اسقفوں راہبوں اور عیسیٰ کے دیگر پیروؤں سے کیا ہے شامل نہ سمجھا

نکالا جائے کسی عیسائی کو زبردستی مذہب تبدیل کرنے پر مجبور نہ کیا جائے کسی
راہب کو اس کی خانقاہ سے کسی گوشہ نشین کو اسکے حجرہ سے خارج نہ کیا جائے میری
یہ خواہش ہے کہ ان کے کسی مقدس مکان کو میرے لوگ تباہ نہ کریں یا مسجد یا اپنے مکان کے
واسطے نہ لیں جو شخص اس قانون سے نفرت کریگا وہ عند اللہ مجرم اور اسکے رسول کے عہد
سے نفرت کرتا ہے میں تمام راہبوں اور سقفوں اور ان کے دست نگروں کو جزیہ معاف کرتا ہوں باستثنا ایسے
لوگوں کے جو خوشی دینا منظور کریں عیسائی تاجر جو بحری تجارت کرتے ہوں یا موتی نکلواتے ہوں یا
زر و سیم یا جواہرات کی خاطر کانیں کھدواتے ہوں خواہ وہ متمول اور مقتدر ہی کیوں نہ ہوں بارہ درم
سالانہ سے زیادہ خراج ادا نہ کریں یہ مقدار ان عیسائی تاجروں کے واسطے مقرر
کیجاتی ہے جو عرب میں آباد ہوں گے مگر جو لوگ اس ملک میں سیر و سیاحت کرتے
آئے اور اجنبی ہوں ان کو معاف ہوگا نیز وہ لوگ جن کے پاس زمین اور
میوہ اور باغات اور غلہ کے کھیت ہیں اپنی استطاعت سے زیادہ ادا نہ کریں ۔
"وہ لوگ جن کو یہ خدمتی قرار پایا ہے اپنی حفاظت کے واسطے لڑنے پر مجبور نہ کئے
جائینگے بلکہ مسلمان ان کی حفاظت کرینگے اور ان سے اسلحہ، گھوڑے یا جنگ کے
واسطے گھوڑے نہ لئے جائینگے باستثنا ان چیزوں کے جو وہ اپنی خوشی سے دیں لیکن
اگر کوئی مسلمانوں کو جنگ میں روپیہ یا مدد دے تو وہ شکریہ کیساتھ قبول
کئے جائینگے ۔

"یہ حکم دیا ہوں کہ کوئی مسلمان عیسائی کے پیروؤں کو دق نہ کرے اور اگر بحث
کریں تو چاہیے شائستگی سے پیش آئیں اگر کوئی عیسائی کسی شخص کو گزند پہنچائے تو
مسلمانوں کا فرض ہوگا کہ نقصان پہنچانے والوں کو روک دے اور انکے درمیان صلح کرا دے
اگر گرجوں کے واسطے مدد کی ضرورت ہے تو زر فدیہ دلوا دے میری یہ خواہش ہے کہ
میرے پیرو عیسائیوں سے لاپرواہی نہ کریں کیونکہ میں نے خدا تعالی کو حاضر و ناظر
جان کر ان کے ساتھ عہد کیا ہے کہ وہ میری نظر میں مسلمانوں کی طرح ہونگے اور سب
چیزوں میں باقی ماندہ لوگوں کے ساتھ شریک اور شامل ہونگے شادی کے
معاملات میں ان کو تکلیف نہ پہنچائی جائیگی کوئی مسلمان کسی عیسائی کو یہ نہ کہ

کرنے سے تباہ نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اسکو تسلیم کر کے حوصلہ دلانا چاہیئے۔ تسلیم کرنے سے میری مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کا خواہ انگلستان چاہے یا نہ چاہے دنیا پر نیک یا بد اثر ضرور رہے گا۔ حوصلہ اسواسطے دلانا چاہیئے کہ اس مذہب میں وہ خوبیاں ممکن ہیں جن کی بجائے انگلستان اپنا کوئی مذہب یا فلسفہ نہیں لا سکتا وہ ان ممکنات کو بہت کچھ مدد دے سکتا ہے کیونکہ فی الحال ان کا انحصار اسکی پولیٹیکل کارروائی پر ہے جیسا کہ دنیا میں ہر جگہ دیکھا جاتا ہے اسلام میں برائی اور بھلائی دونوں ہیں گو اب تک انگلستان نے برائی کو ہی مادی مدد دی ہے مگر اس کو اسکے نتائج کی کچھ خبر نہ تھی۔ مجھے یقین ہے کہ جب اسکو یہ معلوم ہو جائیگا تو وہ یہ تسلیم کر لیگا اس نے بیخبری کی حالت میں کیا نقصان کیا ہے اور چونکہ ابھی تک وقت ہے اپنی غلطی کی اصلاح کر دیگا۔

اس کتاب کے آیندہ اور آخری باب میں اس پالیسی کا ذکر کرتا ہوں جو انگلستان کو اپنے اعلے فرایض اور اپنی اصلی فواید کا لحاظ کر کے اسلام کے ساتھ مدنظر رکھنی چاہیے۔

پانچواں باب

انگلستان کا اسلام سے تعلق

اب میں صرف اس اخلاقی سبق کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں جو ان مضامین سے اخذ ہو سکتا ہے ناظرین کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ اب تک میں نے یہ بیان کرنے سے حتی الامکان اجتناب کیا ہے کہ عیسائی ممالک اسلام کی قسمت پر براہ راست کون سا پولیٹیکل اثر ڈال رہے ہیں اور روز بروز پہلے سے زیادہ ڈالتے جائینگے میری خواہش یہ تھی کہ پہلے پہل اس امر کو بالبداہت ظاہر کیا جائے کہ انسانی دماغ کی تمام بڑی بڑی تحریکوں میں ترقی یا تنزل کی قوت زیادہ تر اندرونی نہ کہ بیرونی ہوتی ہے اور دوسرے اپنے مضمون کو ایسا سادہ بنایا

جائیگا اور میں اور میرے پیرو خدا کو حاضر ناظر سمجھکر یہ عہد کرتے ہیں اور میں مسلمانوں کو حکم دیتا ہوں کہ وہ اس اصول پر اب اور تا روز قیامت ثابت قدم رہیں۔"

"مندرجہ بالا عہدنامہ مندرجہ ذیل اشخاص کی موجودگی میں پیغمبر خدا نے لکھوایا اور اسکو شہر مدینہ میں جسکے مالک پر خدا کی رحمت ہو سنہ ہجری کے چوتھی سال کے چوتھے مہینے کے آخیر پر بروز دوشنبہ معاویہ ابن ابوسفیان نے لکھا۔"

دستخط

" ابوبکر الصدیق

" عمر ابن الخطاب

" عثمان ابن عفان

" علی ابن ابوطالب

اور کتیس اور دستخط

"اس عہدنامہ کے مضمون کا خدا شاہد ہے۔ خدا جو زمین کا مالک ہے حمد و ثنا کے لائق ہے۔"

اس مضمون کے خاتمہ پر میں یہ ظاہر کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ گو مسلمانوں کو اپنی شریعت اور کانشنس کے قواعد کے رو سے ہی دوبارہ قومی زندگی حاصل ہوگی مگر نوری نتائج پر عیسائی ممالک بھی بہت کچھ اثر ڈال سکتے ہیں میرا خیال ہے کہ مسلمانوں اور عیسائیوں کی مذہبی نفرت کا زمانہ عنقریب اختتام پر ہے اور گو بدقسمتی سے شمالی افریقہ میں پولیٹیکل خصوصیت قدیم تنازعہ کی تجدید کر رہی ہے مگر یورپ کے اسکو صلیبی جنگ گرداننے کا اندیشہ نہیں عیسائی ممالک اسلام کو تبدیل کر دینے کے بے فایدہ کام سے دستکش ہو گئے ہیں جب اسلام نے یورپ کو فتح کرنے کا خیال ترک کر دیا ہے اور یقیناً اب وہ وقت آگیا ہے کہ اخلاقی ہمدردی انسان کی ان دو بڑی جماعتوں کو جو ایک ہی خدا پر ایمان رکھتے اور اس کی پرستش کرتے ہیں متحد کر دے۔

کم از کم انگلستان کو اب مسلمانوں کو ایسی قوم تسلیم کرنا چاہیے کہ وہ محض لڑائی

قومی کانشنس کسی قسم کی تحریک کے بغیر بحیرہ روم کی موجودہ مطلق العنان مسلمان سلطنتوں پر اقتدار حاصل کرنے سے پہلو تہی نہ کرے گا۔ اور عامہ رائے اس فعل کی کامیابی یا ناکامی کو مدنظر رکھکر ہی فیصلہ صادر کرے گی۔

پس بطور ایک پولیٹیکل جماعت کے اسلام کی مستقبلہ حالت کا اندازہ کرکے اور اس امر کو مدنظر رکھکر جدید یورپ اور اس کے قدیم حریف کی مادی طاقت میں تمام امور میں مسلمہ فرق ہے یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ کہ اسلام کو تھوڑے عرصہ کے بعد اپنی یورپین سرحد پر بہت اور نقصان گوارا کرنا پڑے گا۔ اقصائے مغرب کی حالت پر خیال کیا جائے تو بہت کم لوگوں کو شک رہے گا۔ کہ اگر فرانسیس اس عربی تحریک کو جو انہوں نے ٹیونس میں مشتعل کی ہے۔ بالکل پامال کرنے میں کامیاب ہوں۔ اور جو غالباً آئندہ موسم گرما میں مراکش اور طرابلس تک پھیل جائے گی۔ تو آئندہ صدی کے شروع میں بربری ساحل کے باقی ماندہ حصہ پر۔ سپین بحیرہ روم کے بالمقابل ساحل کی قابل زراعت زمین کے بہت سے حصہ پر جہاں ان کی بستیاں قابض ہیں۔ ان کا یا سپین اور اٹلی کا قبضہ ہو جائے گا فرانس نے الجزائر میں جو کچھ کیا ہے۔ یا کرنے کی کوشش کی اسکے دونوں پڑوسی مراکش اور مغربی طرابلس میں غالباً اس سے بھی زیادہ کامیابی حاصل کرسکتے ہیں۔ کیونکہ اہل سپین اور اٹلی دونوں قومیں نوآبادیات بسانے کی خوب مہارت رکھتی ہیں۔ اور بربر کا کوہستانی ملک آب و ہوا کے لحاظ سے خود ان کے ملکوں سے زیادہ مختلف نہیں ہے۔ سلطنت عثمانیہ کے شیرازہ درہم برہم ہونے پر اٹلی کے مُدبّر طرابلس کو ضرور للچائی نظروں سے دیکھینگے۔ اور سپین کا ساحل افریقہ پر تطاوین میں پہلے ہی قدم جما ہوا ہے۔ پس ممکن ہے۔ کہ ساحل بھر کی عمدہ اراضی پر ایسے کاشتکاروں کا ان دونوں ملکوں سے عموماً بلیٹ اور دیگر مقامات میں دولت کی تلاش میں نکل جاتے ہیں سیلاب اُمڈ آئیگا۔ اگر یہی حالت ہوئی تو مسلمانوں کو اپنے مقبوضہ اراضی سے دست بردار ہوکر کم از کم تھوڑے عرصہ کے واسطے جنوب کیطرف جانا پڑیگا۔ اور اس ملک میں اسلام کی پولیٹیکل طاقت کو بہت زوال ہو جائے گا۔ مگر میرے خیال میں یورپ کو کوہ اطلس کے جنوب میں آبادیات بسانے میں یقینی کامیابی حاصل نہ ہوگی اور صحرا کے مسلمانوں سے اپنی موجودہ مذہبی خصلت بھی مفقود نہ ہوگی خواہ مسلمانوں کی حالت کتنی ردّی ہو جائے

منظور تھا کہ معمولی خواندہ آدمی آسانی سے سمجھ سکیں مگر اب ہم اس مقام پر پہنچ گئے ہیں کہ ایک بالکل مختلف پہلو اختیار کرنا ضروری ہوگا یعنے اب ہم اسلام کو اسکے اندرونی ربط و ضبط کے لحاظ سے نہ دیکھینگے بلکہ اسباب پر غور کرینگے کہ بہیئت مجموعی دنیا اس پر کیا اثر ڈال رہی ہے ہم کو اب یہ تحقیقات کرنی چاہیئے کہ یورپ کا مادی دباؤ لیونٹ افریقہ اور وسطی ایشیا میں اسلام پر کیا اثر ڈالیگا اور مزید برآں ہم کو اسلام کے ساتھ خود اپنے تعلق کو زیادہ تعمق کی نگاہ سے دیکھنا اور یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ فرض اور فایدہ کو مدنظر رکھکر ہم کو اپنی ہندوستانی سلطنت کی کثیر التعداد مسلمان آبادی سے کیا سلوک کرنا چاہیئے۔

ہمارا سے میں براعظم یورپ کا۔ میں انگلستان کا ذکر نہیں کرتا۔ مسلمانوں کیساتھ وہی قدیم خیال چلا آتا ہے یعنے سوشل، تمدنی خصومت اور پولیٹیکل اقتدار باوجودیکہ یورپ کے مذہبی خیالات میں تغیر عظیم واقعہ ہوگیا ہے۔ اور زمانہ حال میں آراء کے متعلق بردباری کے مسئلہ پر زور دیا جاتا ہے مگر شمال اور مغرب میں اسلام کا جن اقوام سے قریب میل جول ہے اُنھوں نے اسی قدیم پالیسی میں کہ ان کافروں سے مفتوحہ عیسائی ممالک لیئے جائیں کوئی واقعی تغیر نہیں ہوا یہ درست ہے کہ ان میں سے اکثر قومیں مذہبی سرگرمی کو اپنی کارروائی کی تحریک بیان نہیں کرتیں یا عیسیٰ علیہ السلام کی مقدس قبر پر قابض ہونا ان کا فوری مدعا نہیں۔ لیکن تہذیب کے نام سے وہ فی الحقیقت متواتر مذہبی جنگ کر رہی ہیں اور وہ اپنی تمام کوششوں کو اس امر پہ مبذول کر رہی ہیں کہ یورپ کو پھر ان تمام صوبوں میں جو کسی زمانہ میں رومی سلطنت میں شامل تھے پولٹیکل اقتدار حاصل ہوجاے۔ یہ خیال ابتدا میں انصاف پر مبنی تھا۔ مگر اب یہ زیادہ تر مختلف عیسائی سلطنتوں کی خودغرضی پر دلالت کرتا ہے کیونکہ ان کو عیسویت کے فایدہ میں ذاتی فایدہ بھی منظر آتا ہے۔ یہ ایک قدیم اور قابل تعظیم اخلاقی اصول کے لحاظ سے جو بذات خود ایک بھاری طاقت ہے۔ قابل تحریف ہے۔ یہ ایک یقینی امر ہے کہ فرانس سپین اٹلی یا آسٹریا کا

انگلستان بیچ بچاؤ کرے گا۔ مجھکو اس بات میں بالکل شک نہیں۔ کہ سلطنت عثمانیہ کا شیرازہ آسانی سے درہم برہم کیا جاسکتا ہے۔ قسطنطنیہ کی فوجی طاقت گو اندرونی انضباط کے واسطے بہت کچھ ہے۔ مگر وہ یکہ وتنہا کسی یوروپین سلطنت سے پھر مقابلہ کرنے کی جرات نکرگی۔ اور یہ بالکل ناممکن ہے۔ کہ سلطان کو کوئی عیسائی سلطنت مدد دیگی۔ فارس کی تسخیر سے روسی افواج کے واسطے ایشیا کوچک کا راستہ صاف ہوگیا ہے اور سانسٹی فانو اور برلن کے عہدناموں کے رو سے جو علاقہ دیا گیا ہے۔ اسکی وجہ سے رومیلیا کا راستہ آسٹریا والوں کے واسطے صاف ہوگیا ہے۔ بابعالی کے ساتھ تنازعہ ہونے پر دونوں ملک ایک ساتھ پیشقدمی کرینگے۔ اور کوئی بڑی بھاری لڑائی بھی نہ ہوگی اور ترکی زبان بولنے والی قومیں کسی مشکل کے بغیر مطیع ہوجائیں گی۔

فوجی لحاظ سے سلطنت کی کمزوری کی یہ وجہ ہے۔ کہ اسکا تمام دار و مدار بحری اقتدار پر ہے۔ اگر اسکو یہ پوزیشن حاصل ہو۔ تو یہ حسب ضرورت مختلف مقامات پر سرعت سے فوج لے جاسکتی ہے۔ مگر دوسرے درجہ کے بحیرہ روم کی کوئی طاقت اس سے یہ پوزیشن چھین سکتی ہے۔ اگر بحری ناکہ بندی سے سلطنت عثمانیہ کی آمدورفت بند کردی جائے۔ تو سلطنت مزید لڑائی کے بغیر تباہ ہوسکتی ہے۔ سلطان کو اپنے علاقہ سے باہر خواہ کتنے ہی وفادار پیدا ہوگئے ہوں۔ خود ایشیا کوچک میں بالکل قومی مزاحمت کا جوش نہیں ہے۔ بلکہ وہ صوبے جہاں مسلمانوں کی سب سے زیادہ آبادی ہے۔ حملہ آور فوج کو سلطان سے اپنے آزاد کنندہ کے طور پر خیر مقدم کریں گے۔ اگر ان کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا جائے تو وہ سلطان کی حمایت بلاتردد ترک کردیں گے۔ اور ٹرکی کے ساتھ کسی یوروپین سلطنت کی آیندہ لڑائی نہ صرف ٹرکی کی آخری لڑائی ہوگی۔ بلکہ یہ اس لڑائی کی تکمیل کی کوشش بھی نہ کریگی۔ (واقعات اس ہرزیاں کی کافی تردید کرچکے ہیں مترجم)

میرے خیال میں سلطنت عثمانیہ کی بربادی اور ترکی صوبوں کی کسی غیر سلطنت میں ملحق ہونے سے اسلام کو اتنے علاقہ کے ضائع ہونے سے محض پولیٹیکل نقصان ہی نہ ہوگا۔ بلکہ اس سے تمام شمال مغربی ایشیا کی دنیا کے واسطے بڑے بڑے اخلاقی نتائج سرزد ہوں گے۔ میری اس رائے کی اکثر روشن ضمیر جدید ایشیائی مدبر تائید کرتے ہیں۔ کہ سلطنت عثمانیہ کی تباہی سے مذہب اسلام کو سخت ضرر

جنوبی مراکش اور فیضان ہمیشہ مطلق العنان اسلامی ریاستیں اور بربریں مذہبی زندگی کا مرکز اور شمالی اور جنوبی افریقہ کے مسلمانوں کے درمیان اتحاد کا ذریعہ رہینگی اس سے آگے مشرق کیطرف مصر کا روزافزوں اثر مسلمانوں کی دماغی اور ذہنی حالت کے واسطے مفید ہوگا۔ مگر زمانہ استقبال میں اسلام کا مذہبی مرکز مغرب کی جانب میں وسطی افریقہ ہوگا۔ وہاں منطقہ حارہ کی حبشی قوم کا بہت سا حصہ اسلام قبول کر چکا ہے۔ اور اسلام کا بحیرہ روم کے ساحل پر جو نقصان ہوگا۔ یا ہو چکا ہے۔ اس کا خاطر خواہ معاوضہ ہو جائے گا۔ ممکن ہے۔ کہ صحرا اور ایسی آب وہوا سے جو یورپینوں کو موافق نہیں آتی محفوظ رہکر اسلام کو وہاں صدیوں تک پولیٹیکل اور مذہبی آزادی حاصل رہے حبشی اقوام نہ صرف محمدی ہو جائیں گی۔ بلکہ عربی ہو جائیں گی۔ اور زبان اور رسم ورواج کی یگانگت کی وجہ سے سوڈان کا ملک سے اور بدیں وجہ اسلام کی عام زندگی سے تعلق رہے گا۔ پس افریقہ میں اسلام کے جو نقصانات ہونگے۔ وہ ظاہری نہ کہ واقعی ہونگے اور ممکن ہے۔ کہ وہ انجام کار نئی طاقت کا ذریعہ ثابت ہوں۔

مگر یہ بھی ممکن ہے۔ کہ فرانسیسوں کو شکست ہو جائے۔ میرا خیال ہے۔ کہ گذشتہ چالیس سال کے عرصہ میں ہمارے معاونوں (اہل فرانس) کی ملٹری پوزیشن اپنی نوآبادی میں موجودہ زمانہ کی طرح کبھی مخدوش نہیں ہوئی۔ اور ان کے دشمنوں کے ذرائع کبھی زیادہ نہیں ہوئے۔ افریقہ میں فرانسیسی طرز حکومت کی یہ کمزوری ہے۔ کہ اس میں ولسی آبادی کو حکومت کا جزو بنانے کی کوشش نہیں کی گئی مگر آبادی کو جہاں تک کہ عرب آبادی کا تعلق ہے فرانسیسی نہ ... خیالات کے جذب کرنے سے کچھ فائدہ ہوگا۔ ممکن ہے۔ کہ الجیزائر کی فتح کے اثر سے تمام ساحل بربر پر از سر نو محمدی پولیٹیکل زندگی شروع ہو جائے

فی الحال یورپ اور مغربی ایشیا میں اسلام کو نقصان ہو سکتا ہے۔ اس جانب میں متعدد سالوں میں عثمانی حکومت کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اور سلطنت عثمانیہ کے وہ ملک جو ترکی زبان بولتے ہیں۔ اسکے ان زبردست پڑوسیوں میں جو مدت سے اسکے مقبوضات کو للچائی ہوئی نظر سے دیکھتے رہے ہیں۔ مدغم ہو جائیں گے۔ آسٹریا اصالتاً یا وکالتاً موجودہ صدی کے اختتام پر خاص ٹرکی کے یورپین اور روس ایشیائی صوبوں کا وارث بنیگا اور شام اور مصر صرف اسوجہ سے مسلمانوں کے ہاتھ سے نہ جائیں گے۔ کہ غالباً

مکہ یا مصر میں جو خلیفہ ہو۔ ان کے واسطے کچھ نہیں کرسکتا اور ترکی زبان بولنے والے سنیوں کے واسطے بخارا سے قریب تر کوئی یونیورسٹی نہ ہوگی۔ اسپارہ میں انکی حالت مور قوم سے خواہ وہ یورپ کی عام طور پر مطیع ہو جائے۔ زیادہ ردی ہو جائیگی اور انکا مذہبی تعلق تھوڑے سے ہی عرصہ میں بالکل منقطع ہو جائے گا۔

پس میری رائے ہے۔ کہ اسلام کو نہ صرف یورپ اور مغربی ایشیا میں پولیٹیکل اقتدار کے نقصان۔ بلکہ اس اسلامی آبادی کے نقصان کے واسطے جو سلطنت عثمانیہ سے چھنکر روس میں ملحق ہو جائے گی۔ تیار رہنا چاہیئے۔ اگر عثمانی ترک جن کو یورپ بہت سی صدیوں سے اسلام کی علامت خیال کرتا رہا ہے۔ اسلام سے دست بردار ہو جائیں۔ تو یہ تاریخ کا عجیب و غریب واقعہ اور انتقام ہوگا۔ تاہم اس انتقام کو ہمارے بچے یا پوتے ضرور دیکھینگے۔

شاید یہ رائے دینا بہت مشکل ہے۔ کہ اس مذہبی تغیر کے پورے پورے نتائج مشرق کیجانب میں کہاں تک پھیل جائینگے۔ ایران کے شمال مغربی صوبے جن میں مخلوط نسل کے ترکی بولنے والے مسلمان آباد ہیں۔ اور ان میں ارمنی عیسائی بھی بکثرت پائے جاتے ہیں میری رائے میں مغرب کی تقلید کرینگے۔ اور آخر عیسائی مذہب کو غالب دیکھکر قبول کر لینگے۔ مگر بحیرہ خضر کے مشرق میں سنی اسلام کو گو سخت صدمہ پہنچے گا۔ ممکن ہے۔ کہ یہ صدیوں تک باقی اور اپنی جگہ پر قائم رہے۔

روس کی موجودہ پالیسی خواہ یورپ میں کچھ ہی ہو۔ وسط ایشیا میں اسلام کے مخالف نہیں۔ بلکہ بطور مذہب کے اسکی حفاظت کیجاتی ہے۔ اور گورنمنٹ اسکے واعظوں کو اپنے بت پرست میدانی قبائل اور بدھ مذہب کے پیرووں میں جو مشرقی قطعے میں اسکے مسائل کو بہت کچھ قبول کر چکے ہیں تبلیغ اسلام حوصلہ دلاتی ہے۔ ابتک خانی علاقوں میں عیسائیوں کی کوئی بستی قائم نہیں ہوئی۔ نہ ہی مذہب عیسوی کی کوئی دیسی جماعت موجود ہے۔ مزید برآں گو وسطی ایشیا کا قسطنطنیہ کے ساتھ ہمدردانہ تعلق رہا ہے۔ مگر یہ پولیٹیکل یا مذہبی طور پر اس پر منحصر نہیں رہا۔ بخارا کی خود اپنی یونیورسٹی ہے۔ جواب تک ایشیا میں علم و فضیلت کا صدر مقام مشہور ہے اور بحیرہ خضر کے مشرق میں جو سنی مسلمان رہتے ہیں۔ وہ فضیلت کی پگڑی حاصل

ہے کہ تمام مغربی ملکوں میں بطور ایک مستقل مذہب کے مہلک صدمہ پہنچے گا۔ بلکہ مشرق اقصیٰ کی تاتاری قوموں سائبیریا اور ترکستان کے خالی علاقوں کے سُنّی مسلمانوں اور چین کی بڑی دیوار تک ایسا صدمہ پہنچے گا۔ جس سے موجودہ سُنّی مذہب بمشکل سنبھلیگا۔ ان ممالک میں جو پہلے سلطنت عثمانیہ میں شامل تھے۔ اور اب اوس کے مطیع ہو گئے ہیں۔ متشرع مسلمان اس خیال سے مذہب پر ثابت قدم رہے ہیں کہ ابھی اسی سرحد پر ان کے ہم مذہب لوگوں کی ایک بڑی جنگ جو جماعت اپنے مسلمہ دینی سردار کے زیر حکومت موجود ہے۔

اس مذہبی محفل کا مرکز قسطنطنیہ رہا ہے۔ جہاں سلطان اور خلیفہ باسفورس کے سواحل پر تخت قیصری پر جلوہ افروز ہو کر یورپ اور ایشیا کے دو بر اعظموں پر حکومت اور ان مقدس مقامات کی حفاظت کرتا رہا ہے۔ جن کو مسلمان عقیدت کی نظر سے دیکھتے اور مذہب اسلام کا اصلی مرکز تصور کرتے ہیں۔ اس خیال سے ہی ان کی قومیت قائم رہی ہے۔ اور وہ اپنی قدیم روایات اور رسم و رواج پر ثابت قدم رہے ہیں۔ مزید برآں سینٹ صوفیا کا مدرسہ مذہبی علم کا سرچشمہ رہا ہے اور کازان ٹفلس اور استراخان کے علماء نے اسی یونیورسٹی سے دینی تعلیم پائی ہے اور ہر زمانہ میں قسطنطنیہ کے مذہبی مشائخ ان لوگوں میں سیر و سیاحت کرتے رہے ہیں۔ اور ان کو یہ یاد دلاتے رہے ہیں۔ کہ تم کسی زمانہ میں شاہ روم کی رعایا تھے۔ گو پولیٹکل لحاظ سے وہ بالکل روسی ہو گئے ہیں۔ مگر مذہبی پہلو سے ان میں وفاداری پائی جاتی ہے۔ لیکن اگر ان کا پولیٹکل مرکز تباہ ہو گیا تو وہ بعینہٖ ان بھیڑوں کی طرح ہوں گے۔ جن کا چرواہا نہ ہو۔ ان کی چھوٹی چھوٹی جماعتیں عیسائیوں کی کثیر التعداد آبادی میں منتشر ہو جائیں گی۔ اور اپنے مذہب کی باڑے سے نکال دیئے جائیں گے۔

قسطنطنیہ ان مسلمان زائرین کا مقام اتصال ہے۔ جو کوہ یورال کے مغرب میں رہتے ہیں۔ اور بحیرہ اسود کی راہ سے وہاں پہنچتے ہیں۔ اگر آگے بڑھ کر جنوب کی طرف عربی اقوام میں کوئی سینٹر قائم کیا جائے۔ تو وہ قسطنطنیہ کا کام نہ دے سکیگا۔ کیونکہ ان کو عربی اقوام کے ساتھ بہت کم ہمدردی یا براہ راست مذہبی تعلق ہے۔

پس مفتوح ہونے پر اس کے روسی یا عیسائی ہونے کا خطرہ نہیں۔ چونکہ اس کی ذہنی قابلیت روسیوں سے زیادہ ہے۔ اور جہاں تک آبادی کے گروہ کثیر کا تعلق ہو ایرانی کی جسمانی ساخت بھی عمدہ ہوتی ہے۔ آپ یہ فرض کر سکتے ہیں۔ کہ گو وہ سیاسی طور پر مطیع ہو جائے۔ اسکی نسل باقی رہے گی۔

مجھکو معلوم ہوا ہے۔ کہ فی الحال طہران میں نہایت شد و مد سے یہ کوشش ہو رہی ہے۔ کہ سلطنت کو برل اصولوں پر از سر نو منضبط کیا جائے۔ گو اس کی کامیابی پر یقین کرنا حماقت ہے۔ مگر اس کو ممکنات میں خیال کر سکتے ہیں۔ قسطنطنیہ کی طرح محمدی مذہب وہاں اصلاح کے سد راہ نہ ہوگا۔ کیونکہ ایرانی تشیع بالکل روم کی ٹاک کے مشابہ ہے اور برخلاف اسکے یہ خیال کیا گیا ہے۔ کہ اس کو تمدنی اصلاح کا آلہ بنایا جا سکتا ہے۔ مگر جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں۔ اسکی کامیابی پر پورا پورا یقین کرنا حماقت ہے۔ اہل فارس میں بعض اخلاقی نقص پائے جاتے ہیں۔ جو مبصروں کو حوصلہ نہیں دلاتے۔ مگر شیعہ مسلمان خواہ فارس روس میں ضم ہو جائے۔ یا نہ ہو اسلام کے استقبال کے عام ریویو میں بالکل بیوقعت ہیں۔ اور اگر ہم ان کو اس طرح نظر انداز کر دیں کہ اس بحث کے ضروری سوال سے ان کو براہ راست کوئی تعلق نہیں تو نامناسب نہ ہوگا۔

پس یہ تسلیم کرکے کہ شمال کی جانب میں غالبًا۔ بلکہ یقینًا اسلام کو یورپین دشمنوں کے سخت دباؤ سے بہت سے سیاسی اور ملکی نقصانات گوارا کرنے پڑینگے ہم کو یہ دیکھنا چاہیئے۔ کہ باوجود اسکے اسلام کی یقینی وراثت کیا ہوگی۔ اور ان تغیرات کا جن کے پہلے سے آثار نظر آرہے ہیں اس کی عام زندگی پر کیا اثر ہوگا۔ اگر مذکورہ بالا جانب میں مسلمانوں کا مذہبی رتبہ کم ہو جائے۔ تو ان کو مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ یا ان کے دشمنوں کو اس خیال سے اترانا نہیں چاہیئے۔ کہ قسطنطنیہ کی تباہی سے اسلام کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔ برخلاف اسکے میری رائے ہے۔ کہ اگر مستقبل زمانہ میں عثمانیوں کی فوقیت جاتی رہی اور شمالی اقوام کو باوجود مذہبی اعانت کے مومنوں کی کونسلوں سے خارج کیا جائے۔ مگر آئندہ میں ایک ایسی امید ہے۔ جو بادشاہت کے نقصان یا مسلمان باشندوں کے اسلام سے خارج ہو جانے کی نسبت بھی زیادہ وزنی ہو۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے۔ کہ قسطنطنیہ مسلمانوں

کرنے کے واسطے سینٹ صوفیا کی بجائے بخارا میں جاتے ہیں۔
پس محمدی مذہب کو مشرقی ایشیا میں مغرب کی طرح فوری خطرہ درپیش نہیں
ممکن ہے۔ کہ بخارا کی پولیٹیکل آزادی ضائع ہوجائے۔ مگر بہت سی آیندہ قرنوں تک
قسطنطنیہ کیطرح اسکے عیسائی ہونے کا خطرہ نہیں۔ بلکہ ممکن ہے۔ کہ قسطنطنیہ
کی تسخیر کے بعد یہ موجودہ حنفی فرقہ کے سنی مسلمانوں کا بڑا مرکز ہوجائے اور باقی
ماندہ اسلام کے حنفیت ترک کرنے کے بعد بھی مدت تک ایسا رہے۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ
خاقانی علاقے چونکہ جغرافیہ کے لحاظ سے اسلام کی عام زندگی سے منقطع ہیں۔ بخارا قسطنطنیہ
کی موجودہ مذہبی اقتدار کا کمزور قائم مقام ہوسکتا ہے۔ اور مسلمانوں کے عام خیالات پر
زیادہ اثر نہ ڈال سکے گا۔ اس کا صرف ہندوستان میں ہی اثر ہوسکے گا۔ اور کسی
طرح کا پولیٹیکل رعب داب اس کا مؤید نہ ہوگا۔ چنانچہ زمانہ استقبال میں غالباً یہ دوسروں
کی راے کی سرداری کرنے کی بجائے ان کی تقلید کریگا۔ ورنہ اسکو باقی ماندہ اسلام سے
الگ تھلگ رہنا پڑے گا۔

ایران میں شیعہ مسلمانوں کی مستقل حالت پر راے زنی کرنا اس سے بھی زیادہ
مشکل کام ہے سلطنت ایران کو باقی ماندہ وسط ایشیا کی طرح روسیوں کے حملہ کا خطرہ
رہتا ہے۔ اور جب تک اس کی اندرونی حالت میں فوری اور کامل انقلاب نہ ہو سیاسی
لحاظ سے یہ مطیع ہوجائے گا۔ مگر اصلی ایرانی کی پوزیشن ایشیا کے مسلمانوں میں بالکل
نرالی ہے۔ اور ممکن ہے۔ کہ وہ اسی وجہ سے فاتح عیسائیوں میں کامل طور پر مخلوط
نہ ہوں گے۔ وہ عربوں کے سوا ہر محمدی قوم سے بالکل مختلف ہیں۔ یعنے
ان کی قوم بالکل علیحدہ ہے۔ ترک فاتح گو وہ ہمیشہ سے ترک چلا آتا ہے۔ مگر اس
نام کو استعمال نہیں کرتا۔ اور اپنے آپ کو صرف مسلمان پکارتا ہے۔
اسی طرح وہ قومیں۔ جو زیادہ مشہور نہیں اور ترکوں کے مطیع ہوگئی ہیں۔
ایسا ہی کرتی ہیں۔ لیکن اہل فارس ایسا نہیں کرتے۔ وہ ایرانی ہے۔ اور اپنے آپ کو
ایرانی پکارتا ہے۔ بلکہ اس نے اپنے واسطے خود اپنا محمدی مذہب بنالیا ہے۔ ایرانیوں کو
اس بات کا فخر ہے کہ ان کی تاریخ اور علم ادب اسلام سے بہت زیادہ قدیم ہے
اور اس کو یہ بات فراموش نہیں ہوئی۔ کہ اسلام زمانہ جہالت سے شروع ہوا ہے

جوق در جوق نظر نہ آئینگی۔ مستقبل خلیفہ خواہ وہ کسی شہر میں اپنا صدر مقام بنائے زیادہ تر دینی نہ کہ دُنیاوی بادشاہ ہوگا۔ اور موجودہ مادی شرائطا اسکے اختیار کو نہ روک سکیں گے۔ وہ مطلق العنان حکومت کے بارِ عظیم سے سبکدوش ہوگا۔ محصول اور خراج مقرر کرنے کے کلنک سے مبرّا اور ناخوش باشندوں کو جبراً سپاہ میں بھرتی کرنے کے لئے تردد فوجی طاقت سے اپنے اختیار کو قائم رکھنے کی کشمکش اور رقیب مسلمان بادشاہوں کے خلاف متواتر سازشوں سے بے خطر ہوگا۔ غالباً تمام بادشاہ اس خلیفہ کی برائے نام بادشاہت کو جوان پر فوجی دباؤ نہ ڈال سکیگا۔ بخوشی تسلیم کریں گے۔ اور متشرع مسلمان محمدی بادشاہت کے سست ہونے پر اس کی دینی بادشاہت کی اطاعت قبول کریں گے۔ اس طرح عالمگیر اسلام کا خواب و خیال پورا ہونا ممکن ہے۔ گو وہ اس صورت سے بالکل مختلف ہو۔ جو عبدالحمید اور قسطنطنیہ کے علما مسلمانوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

اس امر پر یقین ہوسکتا ہے۔ کہ اسلام کو دینی صورت میں مشرقی اور جنوبی ایشیا میں فوجی طاقت کے استعمال کی نسبت زیادہ نمایاں فتوحات حاصل ہوسکتی ہیں۔ اور ممکن ہے۔ کہ یہ اس برِ اعظم کا عام مذہب ہو جائے۔ مجمع الجزائر ملایا چین۔ تاتار اور ہندوستان میں انہیں دنوں اسلام نے جو اخلاقی ترقی کی ہے۔ اس سے اس خیال کو تقویت ہوتی ہے۔ کہ اجنبی حکومت میں محمدی مذہب اپنے آپکو نہ صرف قائم رکھ سکے گا۔ بلکہ اپنے تمام رقیبوں پر غلبہ حاصل کریگا اور منطقہ حارہ میں بُدھ مذہب کے زوال پر اسلام نہ کہ عیسویت کے دستورالعمل کے موافق خدا کی عبادت کیجائے گی۔ ڈچ حکومت کے ماتحت ملایا اور اس کے جزیروں میں اسلام نے حیرت انگیز ترقی کی ہے۔ اور اگر اسکے ساتھ ہی وسطی افریقہ کی نمایاں اسلامی ترقی کو مدِ نظر رکھا جائے تو ان مسلمانوں کے جو شمالی جانب میں بادشاہت کے ضائع ہونے سے اسلام کا زوال مراد لیتے ہیں۔ آنسو پونچھ جائیں گے۔ اگر اس قسم کی اصلاح جس کی میں نے گذشتہ باب میں صلاح دی ہے۔ ہو جائے تو اسلام میں دوسرے مذہبوں کے لوگ پہلے سے دگنی تعداد میں شامل ہونے لگیں گے خواہ اسلامی سلطنتوں کو اپنے قدیم صدر مقامات میں پولیٹیکل فروغ حاصل نہ ہو۔ یلس ہیری رائے میں اسلام کے ساتھ سے

کے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ تو مسلمانوں کی زیادہ سے زیادہ ایک کروڑ بیس لاکھ آبادی کل اسلام کے گروہ کثیر سے الگ ہوجائے گی۔ اور جب یہ خیال آتا ہے۔ کہ یہ آبادی کل اسلامی مردم شماری کا دسواں حصہ بھی نہیں۔ اور یہ نسبت ہمیشہ گھٹتی جاتی ہے تو ظاہر ہے۔ کہ نقصان مذکور مذہب کے واسطے مہلک ہونا ضروری نہیں۔ شمالی اقوام مسلمانوں کی جسمانی قوت ظاہر کرتی ہیں۔ مگر یہ صرف ظاہری بات ہے۔ اور یہ قوت ذہنی قوت کے نقصان سے حاصل ہوئی ہے۔ ترکوں کی پولیٹیکل کامیابی سے اسلام کا اخلاقی معیار صدیوں سے قائم نہیں رہا۔ اور ان کے اسلام کی اعلےٰ کونسلوں سے معدوم ہونے پر ان اقوام کی زیادہ قدر ہوجائے گی۔ جو مذہبی فوائد کی زیادہ پاسداری کر سکتے ہیں

قسطنطنیہ کی بجائے قاہرہ۔ یا مکہ اور تاتاریوں کی بجائے عرب قائم مقام ہونگے اور اس تبادلے پر دماغی لحاظ سے اسلام کا کوئی سچا خیر خواہ افسوس نہ کرے گا۔

قسطنطنیہ کے تسخیر سے ایک بڑا نتیجہ جو میری رائے میں مفید ہوگا۔ یہ ہوگا کہ محمدی مذہب کو اس سے زیادہ مذہبی ہیئت حاصل ہوگی۔ جو اسکو کئی صدیوں سے حاصل نہیں ہوئی۔ اور چونکہ مسلمانوں کو دنیاوی اسلحہ کی بجائے اپنی اسلحہ پر بھروسا کرنا پڑیگا انکو اپنی گم شدہ اخلاقی زندگی جو ملک گیری سے ہرگز نہیں مل سکتی۔ حاصل ہو جائے گی اگر ترکوں اور عربوں کی قومی تفریق کا لحاظ نہ بھی کیا جائے۔ میرے خیال میں اسلامی سلطنت کی تباہی سے اسلام بادشاہی کے اس بار عظیم سے۔ جسکو وہ موجودہ دنیا کے مقابلہ میں برداشت نہیں کر سکتا سبکدوش ہوجائے گا۔ وہ اس پولیٹیکل نقص کے داغ سے جو آب اوسکے دامن عزت پر لگا ہوا ہے پاک وصاف ہوجائے گا اور اس کے مقاصد سادہ اور بے زور ہوجائیں گے۔

میں یہ رائے بیان کر چکا ہوں۔ کہ مسلمانوں کو آئندہ عرب کو اپنے مذہب و ملت کا مرکز خیال کرنا چاہیئے۔ اور خلافت کے مکہ میں تبدیل ہونے کے معنے محض پولیٹیکل تغیر نہ ہوں گے یہ ظاہر ہے۔ کہ اس قسم کی سلطنت جو قسطنطنیہ میں قائم ہے۔ وہاں ناممکن ہوگی۔ اور لشکر دنیاوی طمطراق ظاہر کرنے والے وسیع محل اور غلاموں کے

امر ثابت ہوتا ہے۔ یعنے مسلمان انگلستان کی حکومت کو دوستانہ خیال کرتے ہیں۔
اور مسلمان اس شک کے بغیر جو دیگر دول یورپ کے دوستانہ تعلقات کیطرف منسوب
کیا جاتا ہے۔ انگلستان کی زیر حفاظت رہنا چاہتے ہیں۔ بلکہ ہندوستان میں بھی جہاں
انگریز مسلمانوں کو برطرف کر کے حکمران قوم بن گئے ہیں۔ جہاں تک میرا خیال ہے بمقابلہ
ہندوستان کے دیگر قوموں کے مسلمان برٹش حکومت کے بہت کم مخالف ہیں۔

بیشک دہلی اور پنجاب کے مسلمان اس ملک میں جسکے وہ تھوڑا عرصہ پیشتر مالک تھے
پھر عملی اختیار حاصل کرنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ مگر ان کو اس بات کا بھی علم ہے۔ کہ اب
وہ ایسے مضبوط نہیں۔ کہ اس قسم کا اقتدار حاصل کر سکیں اور وہ انگریزی حکومت کے
یقیناً اس سے زیادہ مخالف نہیں جیسے کہ وہ ہندوں کے جو ان کی سابق رعایا اور موجودہ
حریف اور معاند ہیں۔ اگر انڈین گورنمنٹ ان کی مذہبی فوائد کی خاص طور پر حفاظت کرے
میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں۔ کہ وہ نہ صرف انگریزی حکومت سے خوش بلکہ اس کی مستعد
وفادار رعایا ہو سکتے ہیں۔

پس موجودہ صورت میں یہ ایک طبعی امر معلوم ہوتا ہے۔ کہ قسطنطنیہ کے مفتوح ہونے پر
عام بدنظمی کے زمانہ میں مختلف اسلامی قومیں زیادہ تر انگلستان سے اپنی پولیٹیکل مشکلات
کی بابت بڑی توقع رکھینگی۔ بلکہ یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ وہ مسلمانوں کا مشیر اور محافظ ہوگا۔ عثمانی
سلطان کے غائب ہونے پر دنیا میں کوئی بڑی اسلامی بادشاہت نہ رہجائے گی۔ اور
ہندوستان کی محمدی آبادی جو اب نہایت مالدار اور بے شمار ہے مسلمانوں کی مجالس
میں نہایت ممتاز ہو جائے گی۔ تاج برطانیہ سے یہ بھی توقع رکھی جائے گی۔ کہ یہ مغلوں
کے قدیم محمدی لقب کو جائز طور پر اختیار کرنے کے واسطے کسی نہ کسی طرح اسلام کا پولیٹیکل
ہیڈ بنے۔ حضور قیصرہ (یا ان کا جانشین)۔ اسلام کی نہایت زبردست
بادشاہ ہونگی۔ اور اگر اس کے مشیر چاہیں۔ تو تمام اسلامی معاملات پر نہایت زبردست اثر
ڈال سکینگے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ وہ ایسی خواہش کرینگے بلکہ مگر ان کو دنیا بھر کے مسلمانوں کے
طرز خیال کی راہنمائی کرنے اور بنی نوع انسان اور ترقی و تہذیب کے مقاصد کے واسطے
ایشیا کی نہایت زبردست مذہبی طاقت سے فائدہ اٹھانے کی ایسی قدرت اور
موقع حاصل ہوگا۔ جو کسی عیسائی گورنمنٹ کو نہیں ملا۔ مجھ کو خود کامل یقین ہے کہ انگلستان

نکل جانے پر دنیا میں اس کی اخلاقی اور ذہنی و دماغی قوت کو زوال نہ ہوگا۔

مگر اس موقعہ پر اس امر پر بالخصوص غور کرنی چاہیے۔ کہ انگلستان مسلمانوں کی آئندہ قسمت میں کیا حصہ لیگا۔ اگر میں نے انگلستان کی تاریخ کو ٹھیک ٹھیک طور پر سمجھا ہے تو اس کا باقی اندر یورپین سلطنتوں کی نسبت اسلام سے بالکل مختلف تعلق ہے۔ میں بیان کر چکا ہوں۔ کہ دوسری یورپین سلطنتیں صلیبی جنگوں اور لاطینی اور یونانی سلطنتوں کے عثمانی ترکوں کی روزافزوں طاقت کے ساتھ سخت جنگ و جدل کو فراموش نہیں کرتیں اور بدستور سابق پیشقدمی کو جاری رکھتی ہیں۔ عثمانی ترکوں کے ساتھ انگریزوں نے کوئی لڑائی نہیں کی۔ کیونکہ بوجہ مذہبی تفریق کے انگلستان عیسائی یورپ کے عام فوائد سے بیشتر علیحدہ ہو چکا تھا۔ اور صلیبی جنگوں سے وہ باعزت پیچھے ہٹ گیا تھا۔ پس اسکو کسی ذلت یا توہین کا انتقام نہیں لینا ہے۔ پس جب انگلستان نے موجودہ زمانہ میں تعلقات قائم کئے۔ تو اس کو ان کے خلاف کوئی تعصب نہ تھا۔ اور وہ ان کے مذہبی اور پولیٹکل لٹما میں زیادہ نرمی اور فیاضی سے برتاؤ کر سکتا تھا۔ اس نے ان سے فتح کی نسبت تجارت کے زیادہ عمل فوائد چاہے ہیں اور ہر مسلمانوں نے بھی انگلستان کے اپنے ساتھ خاص تعلق کی قدردانی کی ہے۔

گو گذشتہ چند سالوں میں بعض امور میں فریب اور دغا سے کام لیا گیا ہے۔ اور ہمکے ساتھ متذبذب یا صلیبی حیثیت اختیار کی گئی ہے۔ اسلام کی موجودہ آزاد قومیں انگلستان کو اپنا دشمن یا مسلمانوں کے انکے حقوق سے لاپروا نہیں تصور کرتیں۔

مسلمانوں کی آزاد قوموں کو انگریزوں سے کم از کم مذہبی سختی کا اندیشہ نہیں۔ بلکہ ان میں سے بعض اس ہمدردی کو جو وہ انگریزوں سے کرتے ہیں۔ مبالغہ سے بیان کرتے ہیں چنانچہ بعض اسلامی ممالک کے جاہل لوگ انگریزوں کو موحد اور دوسرے عیسائیوں کو مشرک خیال کرتے ہیں۔ اور وہ انگریزوں اور ترکوں کے اتحاد کی یہی وجہ بیان کرتے ہیں۔ بلکہ ان میں یہ بھی خیال پایا جاتا ہے۔ کہ خود انگلستان اسلام کا ایک حصہ [illegible] اس کا طبعی معاون ہے۔ خیر یہ تو جاہلوں کا خیال ہے۔ مگر ان سے بھی ایک اعلیٰ قسم

سے[1] عربوں کا خیال ہے۔ کہ جب مسلمانوں نے شام کو فتح کیا۔ تو بنی غسان سے لئے عیسائی ہو کر جنہوں نے حضرت عمرؓ کا مقابلہ کیا تھا۔ نقل مکان کر کے برطانیہ میں چلے گئے۔

بذات خود بھی یہ تعداد بہت بڑی ہے۔ لیکن دراصل وہ ظاہری امر سے زیادہ اہم تحریر
دلالت کرتی ہے۔ ان اعداد کی پوری پوری وقعت ذہن نشین کرنے کے لئے امور
مندرجہ ذیل کا لحاظ رکھنا چاہیئے۔ اوّل اسلامی آبادی بہت کچھ بڑھتی جاتی ہے۔ نہ
صرف واقعی اعداد کے لحاظ سے بلکہ جزیرہ نما ہند کی دیگر اقوام اور مذاہب کی
نسبت سے میرا خیال ہے۔ کہ یہ امر ۱۸۸۱ء کی مردم شماری کی روئداد کے شائع
ہونے پر کافی طور پر ثابت ہو جائے گا[1]۔ دوم جغرافیہ کے لحاظ سے اسلامی
آبادی اس طرح آباد ہے۔ کہ یہ ملک کی پولیٹکل زندگی اور سرگرمی کے بہت کچھ مطابق
ہے صرف پنجاب اور ممالک مغربی و شمالی میں ہی ایک کروڑ تیس لاکھ مسلمان آباد ہیں۔
سوم یہ کہ ہندوستان کی تمام قوموں سے زیادہ ہمجنس ہے۔ گو کل ہندو آبادی سے
قریب دو ثلث کے کم ہے۔ مگر یہ اس آبادی کی کسی یکساں جماعت کی نسبت بہت زیادہ ہے۔
پس یہ تعلیم وسے ہند میں ایک بھاری اہل الرائے جماعت ہے۔
چہارم عموماً یہ نہایت روشن ضمیر آبادی ہے۔ ہندوستانی قوموں میں سے اسلامی جماعت
ہی ایسی ہے جسکو اپنی تاریخ معلوم ہے۔ اور یہ اپنی ضائع شدہ پولیٹکل وقعت کی روایت
کو قائم رکھتی ہے۔ اور اگر ایک مسلمان سرکاری ملازمت کے واسطے دیگر اقوام کے ساتھ
مقابلہ کرنے سے علٰحدہ رہے ہیں۔ تو اس کا باعث فخر شدہ عدم قابلیت تھی جو مسلمان
گورنمنٹ سروس میں داخل ہوتے ہیں۔ وہ لائق اور صاحب قابلیت شخص تھے آخری
دلیل یہ ہے کہ مسلمانوں کی جماعت بالکل الگ تھلگ نہیں ہے۔ بلکہ اسکا دنیا بھر میں
اپنے ہم مذہبوں سے گہرا تعلق جاری رہتا ہے۔ پس ہندوستان کی مسلمان آبادی مستثنیٰ
اور نیز بہت بڑی ہے۔
محمدی مذہب کے ساتھ ہمارا دوسرا تعلق مصر میں ہے۔ کہ اس ملک میں جو ہماری
تجارت کی کلید ہے۔ ہم ایک اعد تمام و کمال مسلمانوں کی آبادی پاتے ہیں جسکی بہبودی
کا ایک خاص حد تک ہم نے ذمہ لیا ہوا ہے۔ اور جس کے آئندہ پولیٹکل حالت کیساتھ
ہم کو ایک گہرا تعلق ہے۔ یہ خیال بالکل درست ہے۔ کہ اگر مصر کے لوگ ہمارے مخالف
ہو جائیں تو ہم اپنی پوزیشن کو قائم نہیں رکھ سکتے اور قاہرہ میں مذہبی مخالفت یا اگر ہم بزور
شمشیر غالب بھی ہو جائیں۔ پھر بھی ہم کو ہمیشہ خطرہ رہے گا۔ یہ بھی فرض نہیں کیا جا سکتا

---

[1] ۱۸۸۱ء و ۱۸۹۱ء و ۱۹۰۱ء کی مردم شماریوں سے یہ قیاس بالکل درست ثابت ہوا ہے کہ مسلمان صرف بڑھتے ہی نہ رہے۔ بلکہ انکی ترقی تعداد کی نسبت دیگر اقوام سے بہت زیادہ ہے (مترجم)

کی مملکت ہند پر قابض رہنے اور جنوبی ایشیا کو مہذب بنانے کے سوال کا حل زیادہ تر اسی امر پر منحصر ہوگا کہ وہ مذکورہ بالا مشن کو قبول کرے۔ یا اس سے انکار کردے۔

آؤ ہم دیکھیں کہ مذہب اسلام کے ہمارے ساتھ واقعی تعلقات کیا ہیں۔ اور اگر وہ ایشیا میں ہمارا خیرخواہ بنا رہے تو ہم کو کہاں تک فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ پہلے ہندوستان کو لیں ہنٹر کے گزیٹیر کی تازہ ترین شہادت سے مجھے ذیل کے شمار و اعداد معلوم ہوئے ہیں۔

ہندوستان کے مسلمانوں کی مردم شماری

بنگال	۱۹۵۵۲۸۳۱
آسام	۱۱۰۴۶۰۱
ممالک مغربی شمالی	۴۱۸۹۳۴۸
اجمیر	۴۷۳۱۰
اودھ	۱۱۹۷۷۲۴
پنجاب	۹۳۳۷۶۸۵
میزان اول	۳۵۴۳۰۴۹۹
بقولیت میزان اول	۳۵۴۳۰۴۹۹
ممالک متوسط	۲۳۳۲۴۷
برار	۱۵۴۹۵۱
میسور	۲۰۸۹۹۱
کورگ	۱۱۳۰۴
برٹش برہما	۹۹۸۴۶
مدراس	۱۸۵۷۸۵۷
بمبئی	۲۸۷۰۴۵۰
میزان کل	۴۰۸۴۷۱۴۵

رعب بیٹھ گیا ہے۔ پس ہم ایشیا کو چک کی ساحل بحر اور خلیج فارس سے آگے حفاظت نہیں کرسکتے۔ مگر اس قسم کی رکاوٹ شام کی روک تھام میں حائل نہ ہوگی۔ وہاں اگر ہم چاہیں تو اپنے اقتدار کو بنا سکتے ہیں۔ وہ قوم جس کو بحر پر غلبہ حاصل ہو۔ ساحل کے ایک چھوٹے سے قطع پر تسلط کر کے صحرا کو پشت پناہ بنا کر شام کی آسانی سے حفاظت کرسکتی ہے۔ کیونکہ شمال کی طرف سے اسپر قریبًا ایک سو میل کی تنگ سرحد سے ہی حملہ ہوسکتا ہے۔ غالبًا اگر خلیج سکندرون سے فرات تک ریل بنائی جاسکے اور اوس کی حفاظت کے واسطے صرف ایک اہم قلعہ بنایا جاوے تو ان کی فوجی حفاظت سالہا سال تک ہوسکے گی۔ اور اس طرح شام کو خود حکومتی کا موقع اور ان مصائب کا جن میں ہمنے بھی بہت سا حصہ لیا ہے۔ کچھ معاوضہ مل جائے گا۔ لیکن انگلستان کے واسطے یہ تعلق اور دلچسپی عزت نہ کہ پولیٹیکل ضرورت کے خیال سے ہے۔ اور وہ شخص بہت ہی زود اعتقاد ہوگا۔ جو انگریزوں کی موجودہ مزاج کے علم کے باوجود یہ کہے کہ ان کی گورنمنٹ اس قسم کی تحریکوں سے کارروائی کرے گی۔ مگر دوسری صورت میں یعنے اگر انگریز شام کی آزاد سلطنت کو اپنے زیر حفاظت نہ لیں۔ تو اسکی آزادی زیادہ تر شام کے مسلمانوں کی ہمت پر منحصر ہوگی جو آبادی کا بڑا حصہ ہیں۔

چوتھا تعلق بھی اخلاقی ہے۔ لیکن اس کو انگریزوں کی مسلمہ پالیسی سے تعلق ہے یعنے افریقہ کی تجارت غلامی کے انسداد کی کوشش۔ گو یہ امر لا کلام ہے۔ کہ محمدی مذہب غلامی کو انسانی سوسائیٹی کی طبعی حالت کے طور پر جائز رکھتا اور اب تک اسے جائز سمجھتا ہے۔ مگر یہ بھی بالکل درست ہے۔ کہ افریقہ اور عرب کے سواحل کے مختلف مسلمان بادشاہوں کی اعانت کے بغیر اس کا انسداد ناممکن ہے۔ سوائے اسکے کہ بحیرہ قلزم کے تمام شہروں کے قلعوں میں اور گارڈ فوئی سے جنوب کی طرف موزمبیق تک یورپین فوج قابض ہو۔ یا برعکس اسکے عرب کے تمام آزاد مسلمان مطیع کر لئے جائیں۔ تجارت غلامی کا واقعی خاتمہ یا واقعی روک نہیں ہوسکتی۔ ہاں اگر خود مسلمان اس کو روکنا چاہیں۔ تو اور بات ہے۔ اس ضرورت کو سلاطین ٹرکی زنگبار اور عمان اور مصر کے ساتھ بے شمار عہدناموں اور قراردادوں میں کامل طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ گو میں یہ نہیں کہہ سکتا۔ کہ کسی مسلمان بادشاہ نے قراردادوں کو بر رضا

کو ساحل پر برکیطرح مصر جس کسی کے قبضہ میں چلا جائے گا۔ اسی کی تقلید میں اپنی مذہبی
ہیئت کو تبدیل کریگا۔ ڈلٹا کی آبادی حد سے زیادہ مختلف صوفی مشرب۔ اور قابل فریب ہے اور
اس کو اہل اٹلی۔ یونان و مالٹا کے مقابلہ سے خطرہ نہیں۔ چونکہ مصر منطقہ حارہ میں آباد
ہے۔ اور وہاں شدت کی گرمی پڑتی ہے۔ یہ کبھی یورپین بستی نہ ہوگی۔ ممکن ہے۔ کہ
شہروں میں اجنبیوں کا سیلاب امنڈ آئے۔ لیکن وسط ملک میں تغیر واقع نہ ہوگا۔
اور ہندوستان کی طرح یہ کسی بیرونی ملک کی تہذیب اختیار کر کے اپنی حالت کو
از سر نو نہ سلجھائے گا۔ پس محمدی مذہب مصر میں بے خطر رہے گا۔ اور اس کی بہبودی کا
ہم کو بالضرورت خیال رکھنا پڑیگا۔[1]

تیسرا تعلق ہمکو ایشیائی ٹرکی سے ہے۔ ہمنے برلن کے عہدنامہ ضمانت لی ہے۔ کہ اس کو
اجنبی دشمنوں کے حملوں سے محفوظ رکھا جائے گا۔ گو ہم نے برائے نام سلطان کے واسطے
نہ کہ سلطنت کے باشندوں کیلئے حلف اٹھایا ہے۔ اور گو وہ حلف ایک غیر ممکن امر ہے یعنے
انتظامی اصلاح پر منحصر ہے۔ اور اسی وجہ سے اس کی پابندی ہر حالت میں لازمی نہیں۔ ہمیں
بھی یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ کہ ہم کو ایشیا کوچک اور شام کے مسلمانوں کے ساتھ اخلاقی لحاظ
سے بھی ہمدردی کرنی پڑے گی۔ ابھی یہ دیکھنا ہے۔ کہ ہم اسکو کہاں تک پورا کر سکینگے۔ یا اسکے
پورا کرنے کی خواہش کرینگے۔ میری رائے میں انگلستان کو ترکی بولنے والے ملکوں کی حفاظت
کے واسطے مزید مداخلت نہ کرنی پڑے گی کیونکہ یہ ملک جغرافیہ کے مقام و قوموں کے لحاظ
سے ہمارے موثر فوجی غلبہ و اقتدار کی حد سے باہر ہیں اور گو اپنے قول سے ہٹ جانا بے
غیرتی ہوگا۔ مگر ممکن ہے۔ کہ بالضرورت ہم کو ایسا کرنا پڑے۔

یہ سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ انگریزی فوج ایشیا کوچک اور میسوپوٹیمیا (دوآبہ فرات و
دجلہ) کو روسیوں کے حملے سے کس طرح محفوظ رکھ سکتی ہے۔ کارس پر قابض ہونے
سے روس کا دجلہ اور فرات پر اور ان کے ساتھ ہی آرمینیا۔ کردستان اور عراق پر

[1] اس مضمون کے لکھنے کے بعد اہل یورپ کو مصر میں حیرت انگیز پولیٹکل زندگی کے آثار نظر آ
رہے ہیں۔ اور میرے خیال میں وہاں بھی تجارت اور آزادی کا جنس خود بخود نکال لیگا۔ یہ ایک ایسا وسیع
منظر ہے کہ اس مختصر حاشیہ میں اسکا بعد پورا ذکر نہیں ہوسکتا لیکن مصنف ناظرین کو اس امر کی طرف خاص
توجہ دلانا چاہتا ہے کیونکہ یہ اسکی تمام دلائل سے زیادہ قابل غور ہے (مصنف)

بعض مسلمانوں کے ساتھ اس نے اپنے قول واقرار کئے ہیں جن سے وہ منکل بچو
ہٹ سکتا ہے۔ پس یہ ناممکن ہے۔ کہ انگلستان ان کے بالکل مختلف کارروائی کرے۔ بطور
عیسائیوں کے انگریزوں کو اس سے افسوس ہوگا۔ لیکن بطور عملی آدمیوں کے یقیناً
وہ دانشمندی سے کام لیکر اس امر کو تسلیم اور اس کے لازمی فرائض کو قبول کرینگے
اور یہ فرائض محض اس پالیسی سے۔ کہ انگلستان کوئی کارروائی نہ کرے ادا نہیں
ہو سکتے۔ انگلستان کو مذہبی بردباری کے عام مسئلہ اور اس بارہ میں تمام مذاہب
کی مساوات کو ظاہر کرنے سے زیادہ کارروائی کے واسطے تیار رہنا چاہیئے۔ مذہب
اسلام محض رائے نہیں ہے نہ کسی خاص پولیٹیکل انضباط اور دنیا کے خاص جغرافیکل علاقے
میں رہنا۔ اس کی زیست کی شرط ہے۔ مزید براں یہ ایک ایسی قوت ہے۔ جو نیوٹرل لینے
الگ تھلگ نہیں رہ سکتی یعنے یہ دشمن یا دوست ضرور ہوگی۔ آیندہ دس سالوں میں
مسلمانوں کے واسطے کچھہ نہ کرنا۔ ان کی مخالفت ہے۔ ان کی حالت سے لاپروائی کرنے
سے کام نہ بنیگا۔ اور اب وہ وقت قریب آرہا ہے۔ کہ کم ازکم دو باتوں میں ان کی پولیٹیکل حفاظت
سرگرمی سے کرنی پڑیگی یعنے اول ان کی خلافت دنیاوی بادشاہت کی کسی نہ کسی شکل میں
گو سلطنت نہ سہی قائم رکھنی پڑے گی۔ اگر ان کے واسطے اتنا بھی نہ کیا جائے۔ اور انکو
بطور حاجیوں کے مکہ میں آزادانہ آمد ورفت کی اجازت نہ ہو تو مسلمانوں سے یہ کہنا
فضول ہوگا۔ کہ ہم ان کے فوائد کی حفاظت کر رہے ہیں۔ یا ان کے متعلق اپنے کسی
فرض بادشاہت کو انجام دے رہے ہیں۔ یہ کوئی نہیں کہ سکتا کہ ہندوستان میں
مذہبی مساوات قائم رکھنے کے مسئلہ کو مسلمانوں کے ساتھ پولیٹیکل انصاف
کرنے سے نقصان پہنچے گا۔

پس سلطنت عثمانیہ کی تباہی سے خواہ یہ واقع کبھی ظہور پذیر ہو۔ انگلستان کا
اسلام کے ساتھ سلوک صاف صاف طور پر نظر آئیگا۔ خلافت گو سلطنت نہ ہوگی۔
مگر پھر بھی ایک آزاد بادشاہت ہوگی۔ انگریزوں کو چاہیئے۔ کہ اسکو اپنے زیر حفاظت
لے لیں۔ اور اس کی پولیٹیکل زیست کی عام طور پر ضمانت لے لیں۔ اور یورپ کو
اس پر غلبہ پانے نہ دیں۔ باسفورس پر اس قسم کی کوئی ضمانت نہیں دیجا سکتی۔
کیونکہ وہاں فوجی لحاظ سے اس کی حفاظت ناممکن ہے انگلستان ایک بحری طاقت

رغبت خود تسلیم کیا ہے۔ مگر ان کی اعانت اور ہوا خواہی سے ہی غلامی کا پورا پورا انسداد ہوسکتا ہے۔ اس کا ایک عمدہ ثبوت یہ ہے۔ کہ جب سے ترکی گورنمنٹ کا انگریزوں سے تنازعہ ہوگیا ہے۔ بحیرۂ قلزم میں اس تجارت کی بالکل آزادی ہے۔ اور انگریزوں کے پاس اس کے روکنے کا کوئی ذریعہ نہیں۔

زمانہ حال میں غلاموں کی اس قدر تعداد حجاز اور یمن میں کبھی نہ آئی تھی جو گذشتہ ۱۸ ماہ کے اندر آئی تھی۔ اور جب تک باب عالی۔ یا اس ملک میں اسکے نائب حکمران کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم نہ کئے جائیں۔ تجارت غلامی جاری رہے گی۔ میں تجارت غلامی کے مخالف الزامات سے جو اسلامی ممالک پر عائد کئے جاتے ہیں۔ خود پوری پوری ہمدردی نہیں کرتا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں۔ کہ ان کے ہاں حبشیوں کی سوشل حالت خاصی بلکہ مفید بھی ہے۔ تاہم میری یہ خواہش ہے۔ کہ غلامی معدوم ہوجائے۔ اور میرا خیال ہے۔ کہ مسلمانوں کے ساتھ مستقل مگر دوستانہ تعلق رکھنے سے غلامی اور دونسلوں میں بالکل محو ہوجائے گی۔ مگر ان کے ساتھ کشیدگی پیدا کرنے سے یہ عرصۂ دراز تک بری طرح جاری رہیگی۔

آخری امر یہ ہے۔ کہ شاید انگلستان کو کاعشر قوم کے تھوڑا عرصہ بعد مذہب اسلام اختیار کرنے سے اور اسلام کی سرحد جنوبی افریقہ میں وسیع ہونے سے بھی تعلق ہو۔ البتہ اس سے خائف ہونا قبل از وقت ہے۔ کیونکہ یہ واقعہ موجودہ نسل کے حین حیات پیش نہ آئے گا۔ لیکن مذہب اسلام ایسا مذہب نہیں ہے جو افریقہ یا ایشیا میں سو۔ یا دو سو سال میں معدوم ہوجائے۔ بلکہ یہ خط استوا سے جنوب میں بہت دور تک پہنچ گیا ہے۔ آج کیپ کولونی میں کوئی پندرہ ہزار مسلمان آباد ہوں گے۔

ان وجوہات سے انگلستان کا اسلام کے ساتھ سلوک کرنے میں یورپ کی مذہبی جنگ کرنے والی سلطنتوں کے ساتھ شریک ہونا مشکل ہے۔ اس کی حالت ان تمام سلطنتوں سے بالکل مختلف ہے۔ اور اس کے فوائد کی سوائے اہل فرنچ کے عیسائی اقوام میں کوئی نظیر نہیں ملسکتی۔ اس نے مسلمانوں کی بے شمار رعایا کو بھلائی اور برائی دونوں کے واسطے اپنی مشترق جماعت میں شامل کرلیا ہے اور

جو مسلمانوں کے مذہبی احساس کو ناگوار گذریں گی۔ در اصل یہ امر خلافت کے عرب میں آخری دفعہ واپس جانے کی تمہید ہوگی۔ جس کے عربی لوگ بہت خواہشمند ہیں۔ شریف مکہ ایسے امیرالمومنین کی اطاعت کو ہرگز گوارا نہ کریگا۔ جس کو اپنے عہد کے بڑے بڑے اختیارات حاصل نہ ہوں اور وہ اُن کو معرض عمل میں نہ لاسکے الغرض قریب یا بعید زمانہ میں خلافت کسی نہ کسی شکل میں اپنے اصلی صدر مقام کی طرف لوٹ آئے گی۔ اور یہ اس کی آخری جلائے استراحت ہوگی۔

جب مسلمانوں کا خلیفہ مکہ میں مسند نشین ہو جائیگا۔ تو ہمارے واسطے اسلام کی حفاظت بالکل سادہ بات ہوگی۔ تمام فوجی مقاصد کے واسطے حجاز یورپین لوگوں کے واسطے ناقابل گذر ہے اور اگر خلیفہ کو مسلمان فوج دینے کی ضرورت پڑے تو مکہ ساحل بحر سے صرف ایک منزل کی مسافت پر ہے۔ اور رات بھر میں وہاں پہنچ سکتے ہیں عربستان میں عیسائیوں کے حقوق کی حفاظت کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور کوئی یورپین سلطنت دخل اندازی کا دعوے نہیں کر سکتی یمن جس کی طرف بعض اوقات یورپین لوگوں کے خیالات مائل ہوتے ہیں میرے خیال میں بخوشی انگریزوں کے زیر حفاظت آنا قبول کرے گا۔ جیسا کہ عمان کو پیشتر بہت سے عمدہ نتائج حاصل ہوگئے ہیں۔ اور ممکن ہے۔ کہ انگریزی عربی ساحل کے دیگر مقامات پر بھی کسی کو نہ گھسنے دیں الغرض عربستان کو خلافت کا طبعی صدر مقام اور مسلمانوں کے مذہب کے سر تاج بھی جائے۔ رہائش مشتہر کیا جا سکتا ہے۔ اس کی اندرونی انضباط میں دخل دینے کی کوئی حاجت نہ ہوگی۔ نہ ہی اس کی حفاظت کے واسطے ان کو کسی طرح کا خرچ گوارا کرنا پڑے گا۔

یہ بیان کیا جا چکا ہے۔ کہ عربی خلافت اسلامی ترقی کے خیالات پر بہت مفید اثر ڈال سکتی ہے۔ یہ بھی یقینی امر ہے۔ کہ وہ انگلستان کی مخالف نہ ہوگی خواہ خلیفہ مکہ میں رہے۔ یا نہ رہے۔ شریف کبیر کو وہاں ہمیشہ رہنا اور حج کو جاری رکھنا چاہیئے۔ اور ہم کو امید ہو سکتی ہے۔ کہ موخرالذکر زیادہ تر انگریزوں کے دامن اقبال میں ہو کیونکہ بیشک کچھ کا انتظام کرنا اسلامی دنیا میں ہمارے اثر کو قائم رکھنے کے واسطے ایک ضروری فرض اور شرط ہے اور اگر ہم اس سے غفلت کریں تو یہ ہماری سخت

تاہم پس خلافت کے صدر مقام کو خشکی کی طرف سے بھی تمام حملوں سے بچانا ضروری ہے۔ مسلمان اور بالخصوص ہندوستان کے مسلمان اپنے مذہب کے نئے صدر مقام کے متعلق فیصلہ کرسکینگے۔ اور وہ اپنی موجودہ آزاد ملکوں کی تنگ حدود کے اندر ہی ایسا انتخاب کرسکینگے۔ اگر اس وقت شام آزاد ہو تو دمشق اگر عراق آزاد ہو تو بغداد صدر مقام ہوسکتا ہے۔ اور اس کا مصر عرب اور وسطی ایشیا میں ہونا بھی ممکن ہے۔
مگر یہ ظاہر کہ جہاں تک یورپ کے مقابلہ پر انگریزوں کے اس کی حفاظت کرنیکا تعلق ہے۔ یہ عیسائی ملکوں سے جتنا دور اور سمندر کی طرف سے جتنی آسانی سے وہاں پہنچ سکیں۔ اتنا ہی بہتر ہے۔ میں پہلے یہ رائے دے چکا ہوں۔ کہ اس قسم کی تحریک پہلے جنوب اور آخر شرق عرب کی طرف ہوگی۔ مگر ممکن ہے۔ کہ اس کا پہلا مرحلہ قاہرہ سے آگے نہ ہو۔ خلافت قسطنطنیہ سے مصر میں پہنچے۔ اور ممکن ہے۔ کہ یہ اسی راستہ سے واپس آئے اور بعض بالکل تازہ علامتوں سے پایا جاتا ہے کہ یہی طریقہ اختیار کیا جائیگا۔ گذشتہ سال میں مصر میں جو واقعات ہوگئے وہ معنی خیز ہیں۔ مصر کی جدید تاریخ میں دریائے نیل پر ایک زبردست قومی فریق پیدا ہوگیا تھا۔ اور اسکے علماء ازہر نے جواب اسلام میں مذہبی رائے کی ایک نہایت زبردست جماعت ہیں۔ اس کی پوری پوری تائید کی ہے۔ وہ پولیٹیکل طور پر سلطان کے مخالف ہیں اور گو ان کا اسکی خلافت کے لقب سے انکار کرنے کا ارادہ نہیں ہے لیکن غالباً بدقسمتی کے زمانہ میں وہ اس کے وفادار نہ رہینگے اور سلطنت قسطنطنیہ کی تباہی پر بیشک وہ اپنا خلیفہ مشتہر کرینگے۔ محمد علی کا خاندان اگر اس وقت ہر دلعزیز ہوا تو انکو دوست حاصل کرنے کی امید ہوسکتی ہے۔ یا ممکن ہے۔ کہ خلیفہ جو اب خاندان قریش سے کوئی سید یا شریف ہو۔ پھر کیونکہ قاہرہ میں خلافت کا قیام ممکنات سے ہے۔ اور جو انگلستان کی پولیٹیکل ہدایت اور ہمدرد ضمانت کئے ہوئے ہیں۔ مگر جب کہ اسکو پوری پوری بادشاہت حاصل ہو۔ اس مشکل کا ایسا حل ہے۔ جو مسلمانوں کی حسب خواہش ہوگا اور انگریزوں کے فوائد کے بھی مخالف نہ ہوگا مگر میری رائے میں یہ ایک عارضی انتظام ہوگا مستقل بندوبست نہ ہوگا۔ اور مصر میں اجنبی فوائد کی پیچیدگی کے باعث مسلمان خلیفہ کو ایسی پابندیاں اور قیود گوارا کرنی پڑینگی

ہر دلعزیزی حاصل ہو گئی ہے۔

حج کے متعلق میں ایک نہایت ممتاز اور وفادار ہندوستانی مسلمان کی رائے کا اقتباس کرتا ہوں۔ جو گورنمنٹ ہند کو اپنے ہم مذہبوں کے حقوق یاد دلاتا رہا ہے۔ اور ان حقوق اور دیگر امور میں گورنمنٹ سے ان کی حفاظت کی درخواست کرتا رہا ہے۔ سلطان عبدالحمید کی عام اسلامی اتحاد کی تجویز کا ذکر کر کے جس کی بقول اسکے ہندوستان میں بہت زیادہ تائید نہیں ہوئی۔ وہ کہتا ہے "مگر میں اتنا اقرار کرتا ہوں۔ کہ اس قسم کے خیالات کی اشاعت یا اسلامی اتحاد کی تحریک پیدا کرنے کی خواہش کا نہایت خوفناک ذریعہ مکہ کے حاجیوں میں رسالجات تقسیم کرنا ہوگا۔ مکہ میں سالانہ حج کے وقت ہندوستان کے بہت مسلمان ہندوستان کے تمام حصوں سے جاتے ہیں اور واپسی کے وقت ان کے دوست اور پڑوسی ان کے ساتھ نہایت تعظیم سے سلوک اور ملاقات کرتے ہیں۔ اور حاجی طبعاً یہ سوال کرتے ہیں کہ مقدس شہروں میں تازہ بتازہ خبریں یا کونسی مسائل کی تشریح ہوئی ہے۔ پس جن لوگوں کا خیال یہ ہے۔ کہ اسلام کو متحد کیا جائے۔ ان کے واسطے اپنی آرا کی اشاعت کا نہایت مؤثر طریقہ یہ ہوگا۔ کہ وہ حاجیوں کو اپنے زیر اثر لائیں۔ اسطرح وہ مفصل کے نہایت بعید دیہات تک پہونچ جائیں گے۔

پھر وہ گورنمنٹ کو اس کے مخالف اثر ڈالنے کے واسطے یہ صلاح دیتا ہے کہ حاجیوں کو جدہ میں خود لیجایا کرے اور ایک ہندوستانی گماشتہ مقرر کرے جو ارض مقدس میں ان کے فوائد کی نگہداشت کرتا رہے۔ اس مضمون کے خاتمے پر وہ کہتا ہے۔

"اس قسم کا انتظام کرنے سے جس کی میں نے صلاح دی ہے۔ ہندوستان کی تمام محمدی آبادی کو نہ صرف انگریزی گورنمنٹ سے نیک خیال پیدا ہو جائے گا۔ بلکہ حاجیوں کو یہ بھی مسرت ہوگی۔ کہ وہ ایک ایسی سلطنت کے مطیع اور اس سلطنت سے حفاظت کرا سکتے ہیں۔ جس کی عربستان کے لوگ مطیع نہیں جو ترکی حکومت کے تابع ہیں۔

مجوزہ امداد ان تکالیف سے جو حاجیوں کو مکہ میں بد انتظامی سے اور سفر

غلطی ہے۔ پہلے باب کے جدول سے ظاہر ہوگیا ہوگا۔ کہ عرب کے تقریباً تمام حاجی اب سمندر کیطرف سے جاتے ہیں۔ یہ کہ انگریزی علاقہ سے تمام قوموں کی نسبت حاجیوں کی سب سے زیادہ تعداد آتی ہے۔ پس اگر مادہ استقبال انگریزوں کے زیر حفاظت مصر، یا شام میں خلافت قائم ہوجائے۔ تو انگلستان مقدس شہروں کی تجارتی قیمت پر غالب اثر ڈال سکے گا۔

حجاز کے محاصل جو حاجیوں سے لئے جاتے ہیں۔ تیس لاکھ پونڈ شمار کئے گئے ہیں۔ یہ تعداد بالکل صحیح ہے ۔۔ حجاز کی بندرگاہوں میں جس میں خاک پیدا وار نہیں ہے۔ درآمد برآمد سے بہت زیادہ ہے۔ اور اگر انگلستان کو اتنی بڑی آمدنی کے نصف یا دو ثلث کی سرپرستی حاصل ہوجائے، تو اس کی طرف کوئی شخص آنکھ اوٹھا کر دیکھ سکے گا۔ اگر ایک سال تک حاجیوں کی آمدورفت کو بالکل بند کردیا جائے۔ یا صرف ایسا کرنے کی دھمکی دیجائے تو ہر ایک حجازی کی کیسہ زر پر اثر پڑے گا۔ اور نہایت سرکش اور منہ زور خلیفہ یا شریف مخالفت سے باز آجائے گا۔ اور اگر گورنمنٹ انگریزی حج کا باقاعدہ طور پر خود انتظام کرے اور جدہ سے مکہ تک ریلوے تعمیر کردے اور بڑے بڑے اسلامی بندرگاہوں میں عمدہ جہاز چلانے کا انتظام کردے بجائے کہ ان سب باتوں سے ان کی لاگت کا پورا پورا معاوضہ مل جائے گا۔ ہر سال انگریزوں کے اثر کو نیا رعب داب حاصل ہوجائے گا۔ اس کے مزید ازدیاد کے لئے ایک سادہ تجویز یہ ہے۔ کہ گورنمنٹ اس جائداد وقف کی آمدنی کو جو ہندوستان میں شریفوں کے نام پر ہے۔ سرکاری طور پر جمع کرکے پہنچا دیا کرے۔ کہتے ہیں۔ کہ اسکی مقدار ساڑھے پانچ لاکھ پونڈ نقد ہے۔ اور ٹرکی کیطرح اس کو بھی گورنمنٹ وظیفہ یا امداد کی صورت میں بھیج سکتی ہے۔ سنے الحال پرائیویٹ کارندے اسکو جمع کرتے ہیں اور شریفوں کے پاس قطع و برید کے بعد پہنچتی ہے۔ بلکہ میں نے سنا ہے کہ جمع کرتے کرتے اس کے دو ثلث اُڑ جاتے ہیں۔ چنانچہ اس جائز فرض کے اختیار کرنے سے ہندوستانی حکام مکہ کے شریفوں کو بڑی معقول رقم بھیج سکینگے اور اسکے جمع کرنے والوں کو اسی نسبت سے اختیار حاصل ہوگا۔ اسیطرح کی ایک اور نظیر بھی ہے۔ یعنے گورنمنٹ کربلا کے مقدس مقامات اور مشہد علی کے واسطے روپیہ جمع کررہی ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے، کہ انگریزوں کو زیادہ اثر اور زیادہ

اسکے اقبال کے بہت سے دشمن ہیں۔ وہ بیشک اسلام کی عصبیت کو اسکے خلاف ایک آلہ قرار دیں گے۔ اگر ہندوستان کے مسلمانوں سے وہی طاقت غفلت کرے۔ جس پر انکے فوائد کی حفاظت لازمی ہے تو وہ بیشک اسکے جانی دشمن ہوجائینگے۔ اور گو وہ اپنی مخالفت کو فوراً موثر نہ کرسکیں۔ ہماری ناکامی کا دن بیشک آئے گا۔ اور اس سے ان کو موقع ملجائے گا۔ اسلام کے ساتھ عداوت کرنے سے ہندوستانی آبادی کو اپنی حکومت سے خوش کرنے کا خیال ہمیشہ کے واسطے ناممکن ہوجائیگا۔ وہ کسی اور جگہ لیڈر تلاش کریں گے اور ممکن ہے کہ وہ روس یا جرمنی بلکہ فرانس کو جو مصر میں ہمارے فوائد کا رقیب ہے اپنا راہنما بنالیں۔

گو یہ لیڈر ان کی بہبودی کا خیال نہ رکھیں۔ بلکہ صرف ہمارے نقصان کے لئے ایسا کریں اور مسلمانوں کی رفاقت کا دم ہمیں پامال کرنے کی نیت سے بھریں۔

خلافت ایک آلہ ہے۔ جسے جو چاہے استعمال کرسکتا ہے۔

روس اس کو بغداد میں فرانس دمشق میں یا ہالنڈ۔ خواہ جرمنی ہمارے برخلاف اس کو مکہ میں استعمال کرسکتا ہے۔ اگر ان قوموں میں سے کسی نے خلافت کی حفاظت کی تو ہم ہندوستان میں اپنی پوزیشن قائم نہ رکھ سکینگے۔ مسلمانوں کی ہماری عداوت کی کوئی حد نہ رہجائیگی جسکا ایک ادنےٰ ثمرہ قسطنطنیہ میں اسلام کی عالمگیر سازشوں سے دکھائی دے رہا ہے۔

اس بارہ میں اتنی ہی دلائل کافی ہیں۔ کیونکہ یہ تجویز خودغرضی پر مبنی ہے اور ایک عالی خیال قوم کے لائق نہیں بڑی بات یہ ہے۔ کہ انگلستان کو ایشیا، میں نیکی کے موجودہ عناصر کو ترقی دلانے کے اعتماد کو جو اس نے قبول کیا ہے پورا کرنا چاہیئے۔ وہ اسلام کو تباہ نہیں کرسکتا اور اس سے قطع تعلق بھی نہیں کرسکتا۔ پس خدا کے نام پر وہ اسلام کی دستگیری کرکے اس کو دلیری سے نیکی کے رستہ پر حوصلہ دلائے یہ ایک عمدہ رستہ ہی اور یہ دانشمندانہ بھی ہے۔ یہ مذہبی جنگ کی ایک سالم صدی سے بھی زیادہ دانشمندانہ اور عمدہ فعل ہوگا خاتمہ پر میں مسلمانوں

مدینہ میں برداشت کرنی پڑتی ہیں بالکل مختلف اور اطمینان بخش ہوگی۔ مزید براں عملی طور پر گورنمنٹ کی یہ اعانت ان اثروں کی مزاحمت کرنے کا جو عام اسلامی تحریک پیدا کرنے والے حاجیوں پر ان کو ہندوستان میں برٹش فوقیت کی مخالفت پر آمادہ کرنے کے واسطے ڈالنا چاہتے ہیں۔ نہایت کارگر طریقہ ہوگا۔ میرا خیال بلکہ یقین ہے کہ اگر ہندوستانی گورنمنٹ اس قسم کا انتظام کرنے کی کوئی خواہش کرے۔ تو اس کے اخراجات کی بھی خود اسی سے کوئی نہ کوئی سبیل نکل آوے گی۔ میں بالکل یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اس تجویز کا مسلمانوں کے انگریزی حکومت کے متعلق پولیٹیکل خیالات پر غیر معمولی مفید اثر پڑے گا۔"

اگر انگلستان کو محض اپنے فوائد کا ہی خیال ہو۔ تو اس کو چاہیئے کہ یا اسی قسم کی کوئی اور کارروائی اس صدی میں شروع کردے اور آئندہ صدی میں اسپر عملدرآمد کرتی رہے۔ ایشیا میں اس کو اپنے یہ فرائض تسلیم کرنے چاہئیں۔ کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں امن اور حفظ مال وجان کو رونق دے۔ مصر کے لوگوں میں اپنی طرف سے حسن ظن پیدا کرے اور اسلام کے زیادہ ہمدردانہ خیالات کو ہر جگہ مفید نشوونما اور ترقی دے۔ یہ باتیں انگلستان اسی صورت میں کرسکتا ہے کہ وہ اس منصب کو اختیار کرے۔ جو مشیت ایزدی نے اس کو اسلامی دنیا کے ترقی وتہذیب کیطرف راہنمائی کرنے کے واسطے دیا ہے۔ یہ ایک اعلیٰ مشن ہے وہ اسکے قبول کرنے کے لائق ہے۔ اور اسکے پاس ان کے انجام دینے کے واسطے کافی اسباب موجود ہیں۔ اور اسکا انکار اگر وہ انکار کرے سنجیدہ اور فوری خطرے کے بغیر نہ ہوگا۔ اسلامی دنیا کو اپنے پولیٹیکل اور اخلاقی خطرات کا ایسا احساس ہو رہا ہے۔ جو اس کی تاریخ میں پہلے ہرگز نہ ہوا تھا۔ اور یہ ایک ایسے لیڈر کی خواہ اس کا کوئی سا نام یا قوم ہو۔ جو اس کی جماعت کا بیڑا اٹھانے کے واسطے تیار ہو چاروں طرف تلاش کر رہی ہے۔ اس میں ہرگز شک نہیں۔ کہ اگر انگلستان اتنی بڑی طاقت کی راہنمائی کرنے سے دست بردار ہو جائیگا۔ تو اسکا کوئی زیادہ مستقل مزاج پڑوسی دعویدار بنیگا۔

تمام دنیا ایشیا میں برٹش سلطنت کو حسد ورشک کی نظر سے دیکھتی ہے اور

ضمیمہ فیوچر آف اسلام

یہ مضمون مصنفہ مسٹر بلنٹ رسالہ ہئے فورٹ نیٹلی ریویو ماہ ستمبر و اکتوبر سنہ ۱۸۸۴ء مطبوعہ انگلستان سے ترجمہ کیا گیا ہے

موسم سرما ئے گذشتہ میں میں نے ہندوستان کا سفر کیا - اور وہ ایسے حالات میں جو آجکل ایک انگریز کے لئے ایک استثنائی حالت رکھتے ہیں - اثنائے سفر میں جو خیالات میرے دل میں پیدا ہوئے ہیں میں ان کو جلد ظاہر کیا چاہتا ہوں - کیونکہ ابھی وہ میری طبیعت میں تازہ ہیں - اور جو مختلف پولیٹیکل امور بالفعل گرماگرمی سے ہندوستانی اور ہندوستان کے انگریزی اخبارات میں زیر بحث ہیں اُنپر مختصراً اپنی رائے لکھتا ہوں - بلاشبہ ہندوستان کی حالت اہم بحث کے لائق ہوتی جاتی ہے اور اگرچہ اسوقت مصر کا معاملہ زیادہ تر پیش نظر ہو رہا ہے - لیکن ہندوستان کا معاملہ کہیں زیادہ اہم ہے - اور اسی نسل موجودہ میں انگریزوں کو اس مسئلہ کا حل کرنا لازم پڑیگا - یہ بات اچھی ہو - خواہ بری بہرکیف ہماری قسمت بحیثیت شاہنشاہی کے ہندوستانیوں کی قسمت سے وابستہ ہے ہمکو ان کے متعلق فرائض ادا کرنے ہیں - اور نیز ایسی احتیاطوں کو عمل میں لانا ہے کہ اگر اُن سے غفلت کیجائے تو کلیتہً بربادی سلطنت کے اسباب پیدا ہو جائیں - ہمنے ہمیں میلان طبع اس جانب ہے کہ پولیٹیکل امور التوا اور آہستگی میں ڈالدئے جائیں لیکن مصر کے معاملہ نے ہمکو اچھا سبق پڑھا دیا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اس مضمون میں ان برائیوں پر آگاہی اور خبرداری دیدوں کہ جن سے چشم پوشی ہو رہی ہے - اور وہ بڑھتی جاتی ہیں اور ایک خاص وقت پر اسقدر بڑھ جائینگی کہ اسوقت کیسی ہی گورنمنٹ کیوں نہ حکمران ہو ان کی اصلاح اس کے اختیار سے بالکل باہر ہوگی - جزیرہ لنکا یعنے سیلون سے میں نے اپنا سفر شروع کیا اور جنوبی ہندوستان سے ہندوستان میں در آیا

کو کہنا چاہتا ہوں۔ کہ اگر میں نے انکو ان کی قریبی پولیٹیکل قسمت کی بھیانک تصویر دکھلائی ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے۔ کہ مجھہ کو ان کی طرف سے مایوسی ہے۔ دنیا میں ان کی سلطنت کا زمانہ عنقریب ختم معلوم ہوتا ہے۔ مگر ان کی خود حکومتی کا زمانہ شاید پھر شروع ہو جائے۔ گو موجودہ حالات سے بالکل مختلف حالتوں میں ہو۔ میں دیکھتا ہوں۔ کہ آئندہ میں ان کو افریقہ اور جنوبی ایشیا میں دینی اور روحانی وراثت ملجائے گی۔ اور چونکہ جن قوموں کو وہ اسلام میں داخل کرینگے ان کی فراست ان کے موجودہ فرمانرواؤں کی سطح کے برابر ہو جائے گی۔ اور جو بہ اپنے کام سے اکتا کر ایشیا، اور افریقہ کی گورنمنٹ سے دست بردار ہو جائیگا۔ اسطرح دنیاوی وراثت بھی انکو ملجائے گی۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے۔ کہ کتنی دیر کے بعد ملیگی۔ ان کے پیغمبر نے پیشگوئی کی ہے۔ کہ اسلام کو دو ہزار برس نہ گذرنے پائیں گے کہ مہدی کا نزول ہوگا۔ اور تیرہ سو ان سال اہی گذر رہے ہے۔ اور میرے خیال میں ان کی آزادی بہت دیر کے بعد نہ ہوگی۔ ایک عادل شخص اب ہی ان کے خیال کو تازہ کرسکتا ہے۔ مگر موجودہ جنگجویانہ تحریک اور کوشش یا خون کے سمندروں سے گذر کر ملکیطرف جانے سے ایسا کرنا ممکن نہیں جب ان کی زبون حالت ختم ہوگی۔ تو شاید وہ دیکھینگے کہ اسلام کی ترقی کا نیا دور پہلے سے ہی شروع ہو چکا ہے۔ اور جو لڑائی مہدی نے کرنی تھی وہ عمل میں آچکی ہے۔ یعنے مسلمان بڑی خصلتوں پر غالب آکر پھر صراط مستقیم پر آگئے ہوئے ہیں۔

تمت

اور جب ہر جگہ کا کاشتکار سامنے آجاتا تھا اس سے چند سوالات کرتا تھا۔ شاید کوئی کہے
کہ جو کچھ میں نے سنا سچ نہ تھا۔ کیونکہ میں اس ملک کی مختلف زبانوں سے واقف نہ تھا۔ اور
چونکہ تمام مشرقی لوگ خوشامد کرتے ہیں۔ لہٰذا میری خوشامد انہوں نے یہی سمجھی ہو کہ
حالات کو نہایت برے پیرایہ میں بیان کریں۔ لیکن میں نے اپنے تئیں اس دہوکہ
میں پڑنے سے محفوظ رکھنے کی احتیاط کرلی تھی۔ ہر نئے مقام پر میں ایک نیا ترجمان
ساتھ لیتا تھا۔ جس کی ان لوگوں کے ساتھ کوئی سازش نہ ہوسکتی تھی۔ اور اگر اس
ترجمان کو کاشتکار کے ساتھ میری ہمدردی کی نسبت کچھ شبہ بھی ہوتا تو اس کے لئے
یہ امر ناممکن تھا کہ کاشتکار کو ان جوابات سے خبردار کردیتا جو میں نے اس سے پہلے
دوسرے مقامات میں حاصل کئے تھے اور میری دانست میں کوئی شخص یہ نہیں قرار
دیسکتا کہ ایک ہی امر کی نسبت ایک ہی قسم کے بیانات میں برابر ان مواضع میں حاصل
کرتا جو ایک دوسرے سے فاصلہ بعیدہ پر واقع تھے بجز اس کے کہ وہ بیانات صحیح تھے۔
پس میں نے ان بیانات کو جانچا اور ہندوستان میں سب سے زیادہ مفلس و محتاج یعنی
مزارعان دکن کا مقابلہ بنگال اور دوسرے اضلاع رعایتی سے کیا اور مجھکو اطمینان
ہے کہ میں نے عام طور پر اس باب میں صحیح علم حاصل کرلیا گو بلاشبہ وہ کامل نہیں ہے،
تاہم بہ نسبت اس علم کے جو انگلستان میں کتنے ہی پڑھنے اور تحقیق کرنے سے حاصل
ہوسکتا ہے بہت زیادہ واقعی اور صحیح ہے۔ میں یہ بھی کہتا ہوں کہ اس زراعتانہ
مصائب کی نسبت جس کا جی چاہے میری ہی طرح ناظر فدارانہ طور پر طریقہ انصاف کا برتاؤ
کرے۔ سرکاری رپورٹیں شاید مجھ سے اختلاف کریں۔ لیکن میری مضبوطی تو خود ان
مزارعین کی شہادت سے ہے۔ کلکتہ میں میں عین اس وقت پہونچا کہ البرٹ بل
کی نسبت طبائع میں خوب جوش تھا۔ میں نے کلکتہ میں اپنے تئیں ایک پولیٹیکل کرہ
میں پایا جہاں سلف گورنمنٹ کے اعلے درجہ کے اصول و مسائل پر بحث ہو رہی
تھی۔ ان وجوہ سے جنکی تصریح کی مجھکو کچھ ضرورت باقی نہیں رہی میں نے فوراً سب کے
دلوں میں جگہ پالی اور سب نے مجھ پر اعتماد کیا اور چند ہی ہفتوں میں مجھ کو ان
باتوں سے آگاہی ہوگئی جن کے دریافت کرنے میں ہمارے سولین افسر
اپنی عمریں بسر کرتے ہیں۔ اور پھر بھی ادھوری اور مشتبہ اطلاعیں حاصل کرتے ہیں

سیلون کا اگرچہ انتظام جزیرہ نمائے ہندوستان سے علیحدہ ہے لیکن اس کے حالات کے دریافت کو میں نے بہت ضروری اور معنے خیز پایا۔ کیونکہ اس سے وہ طریق ظاہر ہوتے ہیں جس پر ہندوستان کی ترقی آئندہ کی امید ہوسکتی ہے۔ چنانچہ اس لحاظ سے نظر کر کے مجکو اس انتظام کی برائیاں معلوم ہوئیں جنپر بعدہ میری نظر پڑی۔ سیلون تخت انگلستان کی ایک کالونی یعنے نو آبادی ہے۔ ہماری جو دوسری اصلی نو آبادیاں ہیں وہاں نظم ونسق کا نصف النہار ہے۔ اور ہندوستان کا نصف النہار بمنزلہ شب تاریک کی ہے گورنمنٹ سیلون کی حالت ان دونوں کے درمیان میں ہے۔ سیلون کو آزادی کی ایک جھلملاتی ہوئی روشنی حاصل ہے جو مجکو دراثنائے قیام اسقدر کم معلوم ہوئی کہ میں نے مطلق پسند نہ کیا اور بعدہ اسقدر زیادہ معلوم ہوئی کہ میں اسپر اعتبار نہ کرسکا۔ جب میں نے آبنائے سے عبور کیا تو اپنے تئیں نئی آب وہوا اور نئی عملداری میں پایا۔ جنوبی مدراس اگرچہ سو برس سے انگریزی انتظام کے امن وامان میں ہے لیکن میں نے ہر جگہہ دیکھا کہ گورنمنٹ کی جانب سے خلائق کو بے اعتباری ہے حکام اور عہدہ داروں کا ڈر دلوں میں بیٹھا ہوا ہے اور خاص چھپی طبائع میں ہے جو بلاشبہ قوی علامت اسبات کی ہے کہ ہر طرح خیریت نہیں ہے۔ میں نے ہر منہہ سے غربا کی روز افزوں مفلسی کی ٹیکس کی روز افزوں بوجھ کی۔ اور ان احکام کی جو اخراجات ملک کے منتظم ہیں روز افزوں خود غرضی کی شکایت سنی۔ بعد ازاں میں مدراس کے قحط زدہ اضلاع میں گذرا۔ اور وہاں اگرچہ ناقص طور پر رہا لیکن تاہم مجھکو ان امور کی صحت کی تصدیق کا موقعہ ملا جن کو میں نے شہروں میں نسبت حالات رعایائے دکن کے سنا تھا۔ اور ان لوگوں کی زراعتانہ ضرورتوں اور مالی شکائتوں کی نسبت کسیقدر رائے قائم کی۔ شاید کوئی یہ خیال کرے کہ ایک اجنبی کیلئے جو عاجلانہ طور پر سفر کر رہا ہو ان باتوں کا دریافت کرنا ناممکن تھا۔ لیکن نے الواقعہ قطعی طور پر تو میں نے اس کو ناممکن نہیں پایا۔

ایشیا میں حقیقت اراضی بہت کچھ ایک نوع پر ہے اور ہندوستان اس سے مستثنے نہیں ہے اور جس شخص نے سلطنت عثمانیہ کے ملکوں میں چشم بصیرت کھول کر سفر کیا ہو اس کو وہ خرابیاں جو ہند کے دہقانوں پر ڈالی گئی ہیں صاف نمایاں ہیں جہاں کہیں میرا مقام ہوتا تھا میں چند دیہاتوں کو ملاحظہ کرتا تھا اور جو کوئی ہوشیار

مجھ سے استدعا کی گئی کہ مسلمانوں کی تعلیم پر لکچر دوں چنانچہ میں نے ایسا کیا اور اس وجہ سے مسلمانوں کی احتیاجوں اور دقتوں اور امیدوں سے خوب آگاہ ہوگیا۔ ہنوز یہ خیال کرنا غلط ہے کہ مسلمانان ہندوستان اور گورنمنٹ ملکہ معظمہ میں کوئی ناقابل اصلاح بدولی اور علیحدگی ہوگئی ہے۔ یہ کہنا کہ ان کو ہمارے ساتھ محبت نہیں ہے بیشک سچ ہے۔ لیکن محبت نہ ہونے سے جو معنے پیدا ہوتے ہیں اس اعتبار سے یہ بات کچھ مسلمانوں پر ختم نہیں ہے۔ بلکہ تمام ہندوستانی رعایا کی نسبت بھی کہا جا سکتا ہے کہ ان کو محبت نہیں ہے۔ ہمارے اور ہندوستانیوں کے درمیان میں خواہ وہ مسلمان ہوں یا ہندو یا پارسی یا عیسائی محبت ضائع نہیں کی گئی کیونکہ ہم نے اپنی محبت پیدا کر لینے کے لئے کچھ نہیں کیا اور اس وجہ سے وہ بھی اپنی محبت کو ضائع نہیں کیا چاہتے۔ لیکن بلحاظ بعض امور کے مسلمان لوگ بہ نسبت دوسروں کے حالت موجودہ کے کم مخالف ہیں۔ بعض باتوں میں مسلمانوں کو تکلیف کم ہے اور بیشک جزوی طور پر انقلاب انگیز خیالات کی طرف ان کا میلان کم ہے۔ اگر مسلمانوں کے حقوق پر زیادہ تر توجہ کی جائے اور ممالک غیر میں اسلام کے ساتھ کسی قدر زیادہ سچائی کے ساتھ ہمدردی کی جائے تو ممکن ہے کہ مسلمان لوگ عملی طور خیر خواہ سلطنت ہو جائیں۔ یہ بات صرف پچھلے چند برسوں میں ہوئی ہے کہ مسلمان لوگ اس عام بدگمانی میں شریک ہو گئے ہیں جو ہماری گورنمنٹ کے ساتھ بجا اور انصافانہ طور پر پیدا ہوگئی ہے۔ میں نے بڑے بڑے شہروں میں خصوصاً شہرہائے اسلامیہ میں گذر کیا۔ بڑی فروگذاشت یہ تھی کہ پنجاب رہ گیا۔ بالآخر چند ہفتہ میں نے حیدرآباد کی خود مختار ریاست میں بسر کئے۔ اور وہاں ایک نہ ایک طور پر میں ہندوستانی اور انگریزی ریاست کا مقابلہ کر سکا۔ مجکو وہاں یہ عزت بھی حاصل ہوئی کہ زمانہ حال میں ریاستوں میں جو سازشیں اور بندشیں ہوتی ہیں ان میں سب سے زیادہ تعجب خیز تماشا دیکھنے میں پس پردہ شریک تھا۔ اس تماشا نے مجھ کو بہت کچھ سکھا دیا کہ شہنشاہی اور زبردست گورنمنٹوں کے تعلقات موجودہ کیا ہیں۔ اور اگرچہ اس مقام پر میں اُن کی تفصیل نہیں کیا چاہتا۔ لیکن بسبب اس کے کہ مجھ کو ان کا علم حاصل ہوگیا ہے میں بھروسہ کے ساتھ اپنی بعض رائیں ظاہر کر سکتا ہوں۔ سیندھیا اور ہولکر کی عملداری

وہ وقت نمائشگاہ کے کھیلنے کا تھا اور تمام ہندوستان اس دارالسلطنت کی طرف کھنچ آیا تھا اور شاید ہی نیٹو سوسائٹی کی کوئی بات جس پر لیاقت یا درجہ یا اچھی یا بُری شہرت کا اطلاق ہو سکتا ہے میرے علم سے باہر رہ گئی ہو کیونکہ میں مشرقی خیالات سے ہمدردی کرتا تھا اور ان کی بہتری کا خواہاں تھا۔ انگریزی مضمون نگار ہمیشہ ظاہر کیا کرتے ہیں اور یقین دلاتے رہتے ہیں کہ صرف کلکتہ کے بابو لوگ ہی ہیں جنہوں نے کافی طور پر ایسی تعلیم پائی ہے کہ اپنے ملک کی پولیٹیکل ترقیوں پر خیالات بڑھایا کریں لیکن یہ بات سچائی سے نہایت دور ہے۔ کلکتہ کے پولیٹیکل بحث کرنیوالے بیشک انگریزی نگاروں میں پیش پیش ہیں۔ اس لئے کہ وہ کلکتہ کے ہیں جو ہندوستان میں سب سے زیادہ انگریزی شہر ہے۔ اور اس لئے کہ ان کو عام طور پر زبان انگریزی کا علم زیادہ حاصل ہے۔ لیکن بمبئی کے پارسی اور مرہٹے کچھ کم ان کے مدمقابل ہیں اور بلحاظ مضبوط اور قدیمی خیالات اور سچے ملیدرانہ فہم و ادراک کے میں نے کلکتہ میں کسی کو مدراس کے مشاہیر برہمنوں کے برابر نہیں پایا۔ علیٰ ہذا القیاس ممالک مغربی و شمالی کے مسلمان اہل بنگالہ کی بہ نسبت خیالات کی آزادی اور پولیٹیکل ولیرقالی میں کہیں زیادہ بڑھے ہوئے اور سربرآوردہ ہیں۔ البتہ کلکتہ مثل لندن کے اصل مرکز بحث مباحثہ کا ہے۔ اور یہ بات وائسرائے کی کونسل کی وجہ سے ہے کہ وہاں جنگ زور شور سے ہوتی ہے جب میں کلکتہ میں تھا تو کونسل کی نشست ہوتی تھی اور ہندوستان کے ہر حصہ کے آدمی وہاں جمع ہوئے تھے۔ اور بڑے بڑے مسائل اسوقت زیر بحث تھے۔ میں نے دیکھا کہ جو لوگ بحث میں شریک تھے ان کی قابلیت اور سمجھ قریب قریب عمدگی کے ساتھ صرف ہوتی تھی۔ ان تمام اجلاسوں میں میں شریک رہا۔ اور میں ہی ایک یورپین تھا جس کو یہ امتیاز حاصل تھا۔ اگرچہ یہ سچ ہے کہ بنگال کے قائمقام اس جلسہ میں بیجا طور پر زیادہ تھے لیکن قریب قریب انگلستان میں بھی یہی حالت اس شہر کی ہوتی ہے جو قومی مجمع کے لئے منتخب کیا جاتا ہے۔ یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ہندوستان میں پولیٹیکل قابلیت صرف بنگال کے ہندو قانون دانوں تک محدود ہے۔ ہرگز نہیں۔ اس سے کہیں آگے بڑھی ہوئی ہے۔ بعد ازاں میں نے شمال و مغرب ہندوستان میں گذر کیا اور وہاں میں نے ہندوستان کے مسئلہ پر بلحاظ مسلمانوں کے غور کیا اور انہی کو دریافت کیا۔

ہندوستان کے غیر صحیح مالی انتظام کو بڑا تعلق ہے۔ دوم قومی تکبر اور ہندوستانیوں سے تنفر
اس باب میں مختصر طور پر اور مسائل کا ذکر بھی کیا جائیگا جو بالفعل ہندوستان کے شہروں میں
زیر بحث ہیں۔ سوم مسلمانوں کی حالت۔ یہ معاملہ ایسا ہے کہ اچھی طرح سمجھا نہیں گیا۔
لیکن اسوقت اسکو جس قدر وقعت اور عظمت دیجائے وہ خالی از مبالغہ ہوگی بلکہ بمبالغہ
مشکل ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ انہیں ابواب مصرحہ بالا میں مجھکو جن باتوں سے متنبہ کرنا ہے
جو صلاحیں دینی ہیں۔ بہر کیف جو کچھ لکھنا ہے ان سب کی تصریح ممکن ہوگی۔ متنبہ کرنا اسلئے
کہ مجھکو شبہ نہیں ہے کہ اگر صورت معاملہ بدستور رہی تو شورش و انقلاب ضروری نتیجہ ہے۔
اور صلاحیں دینا اس لئے کہ اس بات میں بھی کچھ شبہ نہیں ہے کہ اگر وقت پر اصلاح ہوگئی
تو آنیوالی برائی رک سکتی ہے۔

اس تمہید کے بعد مصنف نے نہائت محققانہ و عالمانہ طور پر حصہ اول میں زراعت پیشہ
لوگوں کی حالت سے بلحاظ اصول پولٹیکل اکانومی کی بحث کی ہے اور ملک کی آمدنی
وخرچ اور اس کے انتظام پر نکتہ چینی کی ہے اور بے شبہ وہ بہت غور اور دلچسپی کے
ساتھ پڑھنے کے لائق ہے۔ لیکن میں نے حصہ دوم کو عام طبائع پر لحاظ کرکے
زیادہ دلچسپ سمجھا۔ اس لئے حصہ اول کے ترجمہ کو کسی وقت آئندہ پر منحصر رکھکر اسوقت
حصہ دوم کا ترجمہ پیش کرتا ہوں۔

من مترجم

خیالات ہندوستان کی نسبت

حصہ دوم۔ قومی تکبر اور ہندوستان سے تنفر

ہندوستان میں فساد و شورش پیدا ہونے کے احتمال کے لئے زراعتانہ مصیبت
اگر اول درجہ کی وجہ ہے تو دوسرے درجہ کی وجہ اس کے شہروں میں پولٹیکل تعلیم ہے
وہ پولٹیکل تعلیم جس کے ساتھ ہی ساتھ پولٹیکل قوت و اختیار کو ترقی نہیں دیجاتی۔ اگرچہ

دیکھنے کا مجکو وقت نہیں ملا۔ اور بجز اس کے کہ میں نے عاجلانہ طور پر راجپوتانہ کی ریاستوں سے گذر کیا اور مجھکو کسی طور پر کچھہ تجربہ اس باب میں نہیں ہوا لیکن مشرقی حکومتوں کی برائیاں اور بھلائیاں دوسرے ملکوں میں دیکھہ چکا ہوں۔ اور اس سال سفر کرنے سے میری غرض یہ نہ تھی کہ ان برائیوں اور بھلائیوں پر غور کروں بلکہ ہندوستان میں برٹش حکومت کا جانچنا میرا اصلی مقصود تہا۔ پانچ مہینے کے بعد میں بمبئی سے ایک مرتبہ پہر بہ عزم انگلستان جہاز پر سوار ہوا۔ پس انہی حقوق کی بنا پر ہندوستان کے مسئلہ کے متعلق میری باتیں قابل سماعت ہیں۔ بلاشک یہ حقوق غیر مکمل ہیں لیکن ایسی صورت میں کہ بے غرضانہ اور بے لگاؤ واقفیت کا کمال ہے یقیناً میرا بیان قیمتی ہے میرا تجربہ ویسا ہی ہے جیسا کہ ایک سیاح کا تجربہ ہوتا ہے لیکن مجکو اطمینان ہے کہ ہندوستان میں ہماری سلطنت کے متعلق جو نہایت نازک اور اہم امور ہیں بخوبی ممکن ہے کہ ان کو ایک سیاح چھہ مہینے میں بخوبی دیکھہ لے۔ سن لے اور سمجھہ لے اور مجھکو یقین ہے کہ اگر وہ چشم بصیرت رکہتا ہو اور اس کی طبیعت میں ہمدردی ہو اور بلا کسی تعلق سرکاری کے سفر کرتا ہو تو اس کو صرف ایک ہی موسم سرما میں اصلی حقیقت پر پہونچ جانیکا زیادہ موقع ہے بہ نسبت اُن افسران سرکاری کے جو اپنی عمریں سرکاری نوکری میں کاٹتے ہیں۔

ہندوستان میں مثل اور مشرقی ملکوں کے حیثیت سرکاری حصول واقفیت کی سد راہ ہوجاتی ہے۔ اور سرکاری حمائت ہمیشہ اس کے مانع اور مزاحم پڑتی ہے۔ جہاں کہیں ممکن تہا۔ میں گورنمنٹ ہاؤس اور کلکٹروں کے بنگلہ سے بچتا رہا لیکن میں ہمیشہ اس بات میں کامیاب نہ ہوا اور جب کبہی کسی مہمان نواز یورپین کی ڈیوڑہی سے گذرتا تہا تو مجکو وہ دعوتیں فوراً یاد آجاتی تہیں جو پاشاؤں اور مدیروں کی طرف سے دوسری سرزمینوں میں مجکو کثرت سے دیجاتی تہیں۔ جب کسی سرکاری افسر کے مکان میں میں رہا تو فوراً معلوم ہوتا تہا کہ مجھہ میں اور خلق خدا میں ایک بدگمانی اور اشتباہ کا پردہ پڑ گیا اور مجھکو حیرت ہوتی تہی کہ وہی معزز ہندوستانی جو چند گھنٹہ پیشتر دوستانہ اور مساوی طور پر ملے جلے تہے قریب قریب نوکروں کی طرح ملتے تہے۔ پس یہ افسوسناک حالت ہے اور حاکم اور محکوم میں سوشیل برتاؤ دراصل کچھہ بھی نہیں ہے اور اسیوجہ سے وہ ایک دوسرے کے خیالات سے بالکل ناواقف ہیں۔ میں اپنے تجربہ کے نتائج کو مفصلہ ذیل رپورٹ میں جمع اور مرتب کیا چاہتا ہوں۔ اولاً ذرا غفانہ خطرہ جس سے

بلن میں سنے ان طبایع کو اسیوجہ سے ممتاز پایا کہ ان میں پرجوش مبالغوں کا نام بھی نہیں
ہے۔ اگرچہ ان بعض عام اسپیچوں میں جو میں نے کلکتہ میں سنیں صنائع بلاغت و فصاحت
کی یقیناً کمی نہ تھی لیکن باایں ہمہ وہ بحثیں تمامتر واقعات اور دلائل پر مبنی تھیں اور مقبولیات
اور طمع کو دخل نہ تھا۔ خانگی صحبتوں اور جلسوں میں بہت کچھ آزادی کے ساتھ تقریر کی
جاتی ہے۔ لیکن ان مواقع پر بھی ان کی تقریروں میں اس قدر کم گرمی اور تیزی پائی گئی کہ
خود مجھکو اپنی طبیعت کا کئی مرتبہ یہ میلان محسوس ہوا کہ بہ نسبت اس کے زیادہ گرمی و تیزی
سے تقریر کرنا چاہیئے۔ مجھکو یہ معلوم ہوا کہ راست بیانی کی حدود میں رہکر بھی وہ اور بہت
کچھ کہہ سکتے ہیں لیکن نہیں کہتے۔ اکثر یہ ہوتا ہے کہ برائیوں کو نہایت خفیف کرکے
بیان کرتے ہیں۔ فوائد اور عمدگیوں پر بہت کچھ زور دیتے ہیں اور عام میلان طبع
اس جانب ہے کہ معاملات زیربحث کو بہ نسبت اس کے کہ بڑھاکر پیش کریں گھٹاکر ظاہر
کرتے ہیں۔ اثنائے مکالمت میں اکثر میرا جی چاہ اٹھتا تھا کہ انگلش پولیٹیکل کارروائی
پر ان لوگوں کو (جو سرغنہ خیالات کہلاتے ہیں) سادہ لوحی سے جو بیجا بھروسہ ہے۔ دلیل
اور انصاف سے آنکھ بند کرکے جو انہوں نے امید لگا رکھی ہے اور اس بات پر جو یقین
کر لیا ہے۔ کہ جب ہم اپنی تکلیفوں اور مصیبتوں کو اچھی طرح ثابت کر دینگے تو داد اور نجات
ملجائیگی۔ اس بھروسہ اور امید اور یقین پر اعتراض کروں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انگلستان
میں ہندوستان کی نسبت مخالف فریقوں کی وجہ سے جو خودغرضی اور بے پروائی موجود ہے
اس سے وہ لوگ (یعنے ہندوستانی) عمداً چشم پوشی کرتے ہیں اور باوجود پولیٹیکل
دھوکہ بازیوں کے ہنوز دھوکہ میں پڑے رہنے کو بدل و جان تیار ہیں۔ جب اس بات
پر خیال کیا جائے کہ حالات موجودہ پر کس قدر واقعی موقع شکایت و فریاد کا ہے۔ کسقدر
ٹھیک اور قوی اسباب ذاتی غصہ و رنج کے موجود ہیں۔ جن سے خلائق کی طبیعت تہ و بالا
ہو رہی ہے۔ اور کسقدر روزانہ زندگی کے حالات میں خلائق کو دردناک حس اس بات کا
ہوتا رہتا ہے۔ کہ ایک غیر قوم ان پر حکومت کر رہی ہے۔ اور کس قدر کم امید اس
بات کی ہے کہ صورت حالات میں کوئی فوری تبدیلی پیدا ہوگی تو حقیقت میں
تعجب ہوتا ہے کہ باایں ہمہ ہندوستانی خیالات کے ابھارنے والوں میں ایسے
لوگوں کی کس قدر کمی ہے کہ جو پوشیدہ طور پر بھی انگلستان سے لگاؤ اور علیحدگی کی

مجھکو بہت یقین تہا کہ ایشیا ترقیاں کر رہی ہے - لیکن میں اقرار کرتا ہوں کہ حال کے سفر ہندوستان سے پہلے مجھکو ذرا بھی امید نہ تھی کہ ہندوستان اسقدر ترقی کر گیا ہوگا جیسی ترقی کہ فی الواقع اس نے کی ہے - اور ابتدا سے انتہا تک مجھکو اس سطح کی بلندی پہ حیرت رہی جس پر پولیٹیکل علم میں ہندوستانی خیالات اب قائم ہیں - اس وقت تک یعنے ہندوستان آنے سے پہلے میں ہندوستانیوں کے پولیٹیکل خیالات کی وقعت کا اندازہ ہندوستان اخبارات کے انتخابات سے جس میں بحث اور نکتہ چینیاں مندرج ہوتی تہیں کیا کرتا تہا - اور وکثر وہ مضامین انگریزی ایڈیٹر ایک مخالفانہ پیرایہ میں نقل کیا کرتے تہے - حقیقت میں میں نے غلط اندازہ کیا تہا - ہندوستان کے اخبارات اگر سب نہیں تو بیشتر وہ جو انگریزی میں شایع ہوتے ہیں نہ تو ہمارے انگریزی اخباروں کے مساوی ہوتے ہیں اور نہ ان کو کوئی مساوی مطابقت ان لوگوں کے قوائے باطنی اور خیالات ذہنی سے ہوئی ہے جن کی رایوں کو وہ ظاہر کرتے ہیں - میرا یہ مطلب ہے - کہ انگلستان کا تو یہ حال ہے کہ اخبار ٹیمز میں یا اور کسی نامی اور مستند اخبار میں کسی خاص مضمون پر کوئی آرٹیکل لکہا جاتا ہے تو حسب معمول بلاغت اور معقولیت میں وہ آرٹیکل اُن اسپیچوں پر فوق رکہتا ہے جو مدبران ملک اسی مضمون پر کہتے ہیں - لیکن ہندوستان میں بحث وتقریر زبانی ہمیشہ عمدہ ترین درجہ رکہتی ہے - میں بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ دنیا میں ایسی قومیں کم ہیں جو پولیٹیکل طور کے مباحث میں ہندوستانیوں کی برابری کر سکیں اور ہمکو خود اپنے ہاوز آف کامنز سے ایسے لوگوں کو انتخاب کرنا مشکل ہوگا کہ کسی نہایت اعلے درجہ کے تعلیم یافتہ ہندوستانی سے کسی ایسے خاص امر میں جسکا ہندوستانیوں کی غرض متعلق ہو کامیابی کے ساتھ مباحثہ ومناظرہ کر سکیں - پس اسی بات پر برابر مجھکو حیرت ہوا کی - ہندوستانی طبیعت تیز اور شفاف ہے اور مجھکو ایسا معلوم ہوا کہ وہ طبیعت بہت کچھ جوڈیشل[a] بھی ہے - مجھکو خیال دلایا گیا تہا کہ ہندوستانیوں کی طبیعت ایسے مبالغوں سے بھری ہوئی ہے جو پر جوش جذبات سے پیدا ہوتے ہیں

[a] عدالتانہ - قانونی - حاکمانہ

نامکمل رہ جاتا ہے۔ جو کچھ میں نے دیکھا اور سنا اُن تمام باتوں سے مجھ کو یقین
پیدا ہو گیا ہے کہ کدورت ناراضی جو اس وقت ہندوستان میں وہاں کے انگریزوں
اور دیسی انسانوں کے درمیان پیدا ہو رہی ہے۔ ایسی ہے کہ اگر زیادہ ترقی یا اضافہ نہ پائے
سے اس کی تخفیف نہ کی جاوے گی تو چند روز میں اس کی وجہ سے مسلسل تعلق درمیان
ہندوستان و انگلستان کے بالکل ناممکن ہو جائیگا۔ اور بالآخر ان دونوں ملکوں کے
درمیان جو دوستانہ تعلقات ہیں ان میں قطعاً شکست پیدا ہو جائیگی جس سے دونوں کو
بیشمار مصائب کا سامنا ہوگا اور ممکن ہے کہ ایسی کشاکشی اور زدوجبر کی حالتیں نمودار
ہو جائیں جن کی شدت دونوں ملکوں کی پچھلی تاریخوں کے واقعات سے بڑھ جائے
ہم اپنی یاد ہی کے عہد میں دیکھ چکے ہیں کہ آئرلینڈ میں دوستانہ خیالات یک قلم معدوم
ہو گئے جس کی ابتدا بوجہ ناانصافی کے ہوئی لیکن بعد کو اس کی وجہ غلط فہمی تھی۔ آج انہیں
امور کا اعادہ انہیں وجوہ سے ہم مصر میں دیکھ رہے ہیں۔ اور کل کو ہم ہندوستان
کی حالت بھی ایسی ہی مایوسانہ پا سکتے ہیں۔ میرا یہ یقین نہیں ہے کہ ایسی حالت فی الحال
ابھی سے موجود ہے۔ لیکن ناانصافی وہاں موجود ہے اور خلائق نے خواب غفلت سے
جاگنا شروع کیا ہے اور اس بات پر ان کو رنج و ملال ہے کہ جو انگریز بہ قائم مقامی
انگلستان ہند میں ہیں وہ کیسی بیوقوفی اور بےپروائی سے انکا مقابلہ کرتے ہیں۔
پس انگلستان کے انگریز جن کے ساتھ ہندوستانی قوموں کو ابھی کوئی جھگڑا
نہیں ہے اگر خود اپنی بےپروائیوں کے خطرہ پر نظر نہ کرینگے تو بالآخر وہی قومی
نفرت کے ناقابل اصلاح نتائج پیدا ہو جائینگے۔ یہ بات البتہ یاد رکھنی چاہیئے۔ کہ
ممالک آئرلینڈ اور مصر بلحاظ وسعت اور آبادی کے کچھ ممتاز نہیں ہیں اور اسی
وجہ سے ان کو فوجی قوت سے دبا دینا آسان ہے لیکن ہندوستان ایک بہت
بڑا ملک ہے جس میں ہم سے دس گنی زیادہ خلقت آباد ہے۔ اور اگر کبھی شورش
پیدا ہوئی تو وہ ہمارے تمام تجربوں سے وسیع تر اندازہ پر ہوگی اور اسی وجہ سے
زیادہ تردد خیز ہوگی۔ آئرلینڈ اور مصر کی طرح ہندوستان کو ایک دفعہ متحد و متفق اور تمام
انگریزیت سے متنفر ہونے پر تبدیل ہو جانے دو اور اسی وقت بطور امر واقعہ ہماری
حکومت معدوم ہو جاویگی۔ ایک دفعہ اس کو انگریزی انصاف سے قطعاً مایوس ہو جانے دو

خواہش کا اظہار کرتے ہوں۔ میرے اثنائے سفر میں تو مجھ کو شائد ایک بھی ایسا
نہیں ملا جس کی فی الواقعہ ایسی خواہش ہو ان کو اپنی پہلی تاریخ کی خرابیاں سب یاد
ہیں اور بلحاظ ان کے آئندہ خطرات سے وہ غافل نہیں ہیں اور اپنے اقوال افعال
میں احتیاط کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں یہ باتیں قابل لحاظ نہیں اور ایسے شخص کو
جیسا کہ میں تھا اور اپنی آپ حکومت کرنیوالی قوت اور تخم اور بنیاد کا ہندوستان میں
سراغ لگاتا تھا ان باتوں سے عمدہ امید کے آثار پائے گئے۔ ہیجان وخروش
غضبناکی۔ پرجوش دھمکیاں اور تخویف ہندوستانیوں میں سے بہت کم پائی۔ منطقی
دلائل بہت پائے۔ ایسی دلیلیں جو واقعات صحیحہ سے پیدا ہوتی ہیں اور جو عمدہ
ترین دلائل ہیں اور جن کو پولیٹیکل اصطلاح میں کامن سنس یعنے عام معقولیت
کہتے ہیں۔
لیکن اگرچہ میں نے دیکھا اور تصدیق کرتا ہوں کہ جو لوگ نیشنل کانگریس (ہندوستانی
رائے عوام) کی ذمہ وار پیشوا اور حامی کہے جا سکتے ہیں ان میں بدرجہ غایت اعتدال
ہے لیکن تمام طبقہ کے تعلیم یافتہ لوگوں سے جو میں نے گفتگو کی یہ بات ضرور مجھ پر
کھل گئی کہ ذاتی نفرت و ناپسندی کا خلیج روز بروز وسیع ہوتا جاتا ہے جس نے
ان کو ان خاص انگریزوں سے جدا کر رکھا ہے جو ان پر حکمران ہیں۔ ہندوستان
میں امتیاز نسل اور قومی تنفر کی بحث میں در آنا ایک بہت نازک کام ہے اور میں
خوب سمجھتا ہوں کہ اسپر ذرا بھی گفتگو کرنے میں میں کچھ تھوڑی ذمہ واری اپنے اوپر
نہ لونگا اور اگر میں نے اس بحث کے چھیڑنے کا ارادہ کرلیا ہے تو اسکی یہ وجہ ہے
کہ میری دانست میں جو شخص ہندوستان کا حال لکھے اور زمانہ حال کی ہندوستانی سوسائٹی
کی ایسی روز افزون بحث سے قطع نظر کرے تو اس کا یہ فعل بالکل داخل تضیع ہوگا
اور یہ کہ بعض امور ایسے ہیں کہ جو کچھ ہوا انہیں سچ سچ حال ظاہر کر ہی دینا چاہیئے۔
کیونکہ گو کیسے ہی افسوسناک اور عبرت دہ واقعات ہوں ایسے وقت میں کہ ہنوز
سکون و اطمینان سے ان کا بیان ہو سکے ان کو کھول کر صاف صاف بیان کر دینا بہتر ہے
بہ نسبت اس کے کہ وہ اس لئے چھوڑ دئے جائیں کہ کسی دن ایک شدید پیرایہ
میں خود اپنے تئیں ظاہر کریں اور جب ٹھنڈی طبیعت سے سوچنا اور فیصلہ کرنا

نافذ کرتا تھا ۔ ہندوستان کے نفاذ میں اپنے اعزاز کا خیال رکھتا تھا ۔ وہ خلائق کے حالات سے اچھی طرح آگاہ ہونے کے لیئے محنتیں اٹھاتا تھا ۔ اور رفتہ رفتہ ان کے حالات سے اچھی طرح آگاہ ہوتا تھا ۔ بجز نہایت ہی اعلے درجہ کے افسروں کے اس تک رسائی آسان تھی ۔ وہ زیادہ تر خلائق ہی کے درمیان میں اور انہیں کی رسموں کے مطابق رہتا تھا اسی نوعیت کے لوگوں سے دوستی کرنے میں کچھ تامل نہیں ہوتا تھا اور کبھی کبھی وہ ان لوگوں میں شادی بھی کر لیتا تھا یا کم سے کم وہ ہندوستانی عورتوں سے ایک نصف ازدواج کا تعلق پیدا کر لیتا تھا ۔ اور طور پر ان بالوں کے بُرے نتائج پیدا ہوتے ہونگے لیکن اس طریق عمل سے وہ قومی تعصب کی کھاری مشرق و مغرب کے درمیان منہدم ہوتی تھی اور اس افسر کو خلائق سے ایک ایسا ذاتی تعلق ہو جاتا تھا جس کو عہدہ و ڈیوٹی کا خیال گو وہ کتنا ہی زیادہ اور بلند ہو ہرگز پیدا نہ کر سکتا تھا ۔ اس زمانہ کا انگریز ہندوستان پر بطور اپنے دوسرے وطن کے نظر کرتا تھا اور اچھائی کے ساتھ برائی کو بھی قبول کر کے ہند کے ساتھ بطور دوسرے وطن کے برتاؤ کرتا تھا ۔ انگلستان کی پہونچ صرف کیپ کی راہ سے ہو سکتی تھی ۔ سفر کرنا دشوار تھا اور بڑا خرچ کرنا پڑتا تھا ڈاک کا انتظام عمدہ نہ تھا ۔ بہت سے پنشن یافتہ افسر اپنی ملازمت ختم کر کے اپنی اختیار کی ہوئی سرزمین سے ایسے وابستہ ہو جاتے تھے کہ وہ اپنی زندگی کے بقیہ ایام کو وہیں بسر کرتے تھے اور ایک نئی ہجرت و مسافرت کے لیئے جہاز پر سوار ہونا پسند نہ کرتے تھے ۔ پس اس بیان سے اس بات کا سمجھنا آسان ہے کہ اینگلو انڈین افسر کمپنی کے زمانہ کا ہندوستان کے ساتھ ایسے طریق سے محبت رکھتا تھا کہ جناب ملکہ معظمہ کے افسر کو اب اس کا خیال خواب میں بھی نہیں آتا ۔ یہ بات بھی ہے کہ وہ افسر بہ سبب محبت ہند کے ہند کی خدمت بھی بہ نسبت اب کے بہتر کرتا تھا اور اس کے عوض میں بہ نسبت اب کے پہلے اسکے ساتھ محبت بھی اچھی طرح کی جاتی تھی لیکن دخانی جہازوں کے ذریعہ سے انگلستان کے ساتھ جو سلسلہ قائم ہو گیا اور اسکی وجہ سے وطنی میل جول اور مصاحبت قائم رکھنے میں جو آسانی ہو گئی وہ یہاں کے افسروں کی طرز معاشرت میں کمپنی کے شکست ہونے سے پہلے ہی ایک تبدیلی پیدا کر چلا تھا اور وہ اچھی تبدیلی تھی ۔

پھر انگریزی فوج کی ہرگز یہ طاقت نہ ہوگی کہ اسکو دبا کر حد اطاعت میں لا سکے - علامت
ہند کا عظیم الجثہ[۱] چارپایہ بطور ایک پالو جانور کے ہے اور ایک بچہ اس پر سوار ہو سکتا
ہے - وہ سمجھدار ہے معتدل المزاج ہے - اور آسانی سے رام ہو جاتا ہے -
لیکن بےعقلی ہمیشہ کے لئے وہ برداشت نہ کریگا اور جیسے حقیقت میں وہ غضبناک ہو جائیگا
تو بعض اس کے جثہ کی بڑائی اور فراوانی ہی اس کو خطرناک بنا دیگی اور بڑے بڑے
شہ زور کی قوت سے بھی یہ بات باہر ہوگی کہ اس کو اپنی راہ پر چلا دے یا قابو میں رکھ
بہت بوڑھے اور بڑے واقف کار ہندوستانیوں نے جن سے مجھے تعارف ہوا
(اور میں اس جگہ بنگالی بحث انگیزوں کا ذکر نہیں کرتا - بلکہ ان لوگوں کا جو گورنمنٹ
کے اونچے منصبوں پر مامور تھے یا شائد مامور ہیں اور جنپر گورنمنٹ کو واجبی طور پر
اعتبار اور بھروسہ ہے) مجھ سے حالات اس امر کے کہ ان کی یاد کے زمانہ کے
اندر اندر ان میں اور ہندوستان کے انگریزوں میں کیونکر بتدریج اجنبیت اور مغائرت
پیدا ہوتی گئی بیان کئے ہیں - اور ان حالات سے میں نے بہت کچھ سیکھا ہے
وہ کہتے ہیں کہ قریب چالیس سال کے گذرے ہمارے لڑکپن کے ایام میں
اگرچہ کمپنی کے افسروں میں ایسے آدمی ہمیشہ ہوتے تھے جو اپنے اختیارات کو
بیجا نافذ کرنے کے سبب سے لوگوں کو ناپسندیدہ ہوتے تھے اور واجبی طور پر لوگ
ان سے ڈرتے رہتے تھے تاہم انگریزی سویلینوں کی جانب ہندوستانیوں کے
عام خیالات ادب آگین بلکہ محبت آمیز ہی تھے - ہندوستانیوں کی خصلت میں
محبت اور سرگرمی اور ناموری پرستی داخل ہے اور ابتدائی زمانہ میں انگریز لوگ بہ سبب
مرجح علم اور مضبوط وضع کے ہندوستانی طبیعت کو بہت کچھ قابو میں کر لیتے تھے -
قریب قریب بہت بوڑھے آدمی بعض معلموں کا ادب اور عزت سے ذکر کرتے ہیں
جنہوں نے ان کو لڑکپن میں تعلیم دی اور بعض اپنے سابق کے مربیوں کا تذکرہ کرتے
ہیں جنکی بدولت ان کو زندگانی مابعد میں کامیابی ہوئی اور وہ خوشی سے اس بات کا
اعتراف کرتے ہیں جو ایسی شخصی مثالوں سے ان پر اور ان کی نسل پر پڑا - وہ کہتے
ہیں کہ اس زمانہ کے انگریزی افسر کو بہ نسبت افسر زمانہ حال کے زیادہ اختیارات
تھے لیکن وہ ان اختیارات کو بہت سمجھ بوجھکر اور اپنی بڑی ذمہ واری تصور کرکے

۱؎ یعنے ہاتھی کا

زیادہ تر وحشتناک اور سنسان نہیں ہوتی جس میں ہندوستانی اور ان نے انگلو انڈین (ہندوستانی انگریز) مربی جمع ہوتے ہیں ۔ گویا یہ ایک کی دعوتیں ہیں جہاں ہر چیز بجز گوشت اور شراب کے غیر واقعی اور موہوم ہوتی ہے ۔ اور اس کے سوا جو کچھ ہوتا ہے وہ ایک ایسی بے اعتباری ہوتی ہے جو بڑے طور سے مخفی کی جاتی ہے ۔ یعنی اچھی طرح چھپ نہیں سکتی میں ایسے جلسوں میں ایک دفعہ سے زیادہ شریک ہوا ہوں لیکن ہر دفعہ دل کو تکلیف ہوئی ۔ انگریز میزبان گویا بان حال سے یہ کہتا جاتا ہے کہ میں آپ کو اپنے میز پر دیکھنا پسند کرتا ہوں ۔ کیونکہ میں انگلش جنٹلمین ہوں اور چاہتا ہوں کہ آپ سب لوگ بے تکلف اپنا گھر سمجھیں لیکن خدا سے مجھکو امید ہے کہ آپ لوگ ذرا سمجھ بوجھ کر باتیں کرینگے اور آزاد نہ ہو پڑینگے " بیچارہ گھبرایا ہوا مہمان (اگرچہ زبان سے نہیں مگر دل میں) یہ کہتا جاتا ہے کہ جناب میں یہاں یہ سمجھکر حاضر ہوں کہ اہل قوت و اختیار سے ذرا بنائے رکھنا عقلمندی کی بات ہے لیکن میں جانتا ہوں کہ آپ کی لیڈیاں مجھ پر قریب قریب اسی طرح نظر کرتی ہیں جیسے کسی جنگلی جانور پر اور آپ بھی غالباً شیمپین کے تیسرے گلاس کے بعد کسی قدر وحشی ہو جاتے ہیں ۔ بیان مذکورہ بالا کی توضیح میں میں ایک سے زیادہ قصہ بیان کر سکتا ہوں جو میرے سامنے گذرا ہے لیکن میں نہیں چاہتا کہ بے ضرورت اس معاملہ کی ایسی افسوسناک صورت کو اور بھی تلخ و تند کردوں ۔ یہ کہنا کافی ہے کہ ہندوستان کی انگریز نیں اپنی اس جلاوطنی کی سرزمین کو بلا محبت و تعلق محض ایک ایسا گھر سمجھتی ہیں جو مجبوری سے بنالیا گیا ہے اور وہاں کے باشندوں کو اپنے معوذ منہ دائرہ انسانی سے خارج سمجھتی ہیں اور اسوقت کو جب وہ ہندوستان کو ترک کریں نیک ساعت سمجھتی ہیں ۔ گویا وہی وقت ہے کہ ان کے افق امید پر ان کا ستارہ مراد روشن ہوتا ہے ممکن ہے کہ یہ خیالات نیچرل ہوں اور ان سے ان کو بچانا ممکن ہو کیونکہ تعصب قومی نے ہر جگہ عورتوں میں بہ نسبت مردوں کے زیادہ گہری جڑ پکڑی ہے لیکن میں یہ ضرور کہتا ہوں کہ یہ بات بڑی خرابی اور افسوس کی ہے اور بلحاظ حالات کے جو اس ملک میں تعلیم بڑھتے جانے سے پیدا ہو رہے ہیں یہ بات بہت بڑے روز افزوں خطرہ کی ہے ۔ ہندوستان کے انگریز عمدہ ہندوستانیوں سے سوشیل خلوص و اتحاد نہ ہونیکی توجیہ میں عموماً یہی عذر کرتے ہیں کہ ہندوستان کے قومی قواعد و دستورات واقعی میل جول کے

گرست ۱۸۵۷ء کے غدر نے اس کو بالآخر مکمل کر دیا۔ جوں جوں انگلستان کا جانا بتدریج
آسان ہوتا گیا رخصت کی درخواستیں زیادہ ہونے لگیں اور جب کوئی افسر رخصت
فرلو سے واپس آیا تو ایک نیا ذخیرہ مغربی تعصبات کا اپنے ساتھ لیتا آیا۔ اس زمانہ سے
پھر وہ یہ نہ سمجھا کہ میں اپنے خاص ملک کی پولیٹیکل زندگی سے منقطع ہو گیا ہوا۔ اور نہ
وہ پھر تمام ہندوستان کی پولیٹیکل حالت پر متوجہ رہا۔ ملازمت ہندوستان نے جو
ذریعہ اعزاز و امتیاز کے اس کے لئے مہیا کئے تھے وہ ان کو چھوڑ کر اور ذرائع
اعزاز و امتیاز کو ڈھونڈنے لگا۔ بالآخر خود ایام غدر نے ان تلخ یادگاریوں کے
ساتھ جن کو وہ چھوڑ گیا انگریزوں کے ہندوستانی عادتیں اختیار کرنے اور ہندوستانی
تعلقات پیدا کرنے کو بالکل ختم اور منقطع کر دیا۔ جب ریلیں چل نکلیں۔ ڈاکخانے تیز تر کام
دینے لگے۔ تار برقی کے پیغام جاری ہو گئے تو پھر انگلستان کی عورتوں نے ہندوستان
کو اپنا مسرت گاہ ازدواج بنانا خلاف تاک نہ سمجھا۔ پس ہر انگریز کو یہ خیال پیدا ہوا کہ جس
اسٹیشن میں رہوں اپنا انگلش گھر کر کے رہوں چنانچہ ہر سال اس کو انگریزی ہی چیزوں
اور انگریزی ہی تعلقات پر زیادہ توجہ ہوتی گئی۔ اور اس کے ساتھ ہی ہندوستانی چیزوں
اور تعلقات سے قطع نظر ہوتی گئی۔

اگرچہ بلاشبہ میرے اس بیان پر بہت غصہ پیدا ہوگا لیکن امر واقعی یہ ہے کہ گذشتہ تیس
سال میں درمیان انگریزوں اور ہندوستانیوں کے تلخ فیلنگ یعنے باہمی بُرے اور
کدورت آمیز خیالات کی نصف باعث یہی انگلستان کی عورتیں ہوئی ہیں۔ کانپور
اور لکھنؤ میں انہیں کی موجودگی کا باعث تھا کہ بعد غدر تیغ انتقام کھینچی تھی اور اب یہ انہیں
کا دائمی روز افزوں رسوخ اور دباؤ ہے کہ بُرے خیالات باہمی کے خلیج کو چوڑا کرتا
جاتا ہے اور باہمی میل جول کو روز بروز زیادہ ناممکن کرتا جاتا ہے۔ میں نے بارہا
اس بات پر نظر کی ہے اور پرائیویٹ سوسائیٹیوں میں اس کو پا لیا ہے۔ انگریز
کلکٹر یا انگریز ڈاکٹر یا انگریز جج ممکن ہے کہ بہترین خواہش اسبات کی رکھے کہ اپنے
ہندوستانی ہمسایہ اور ماتحت افسروں سے مساوی اور دوستانہ طور پر ملے لیکن اُن کی
بیبیاں ایسی ایک بات بھی نہ سنیں گی پس نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک عجیب سے بے معنی
برتاؤ افسردہ اخلاق ظاہری کا جانبین سے ہوتا ہے۔ دنیا میں کوئی چیز اس جلسہ سے

بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ گویا اُن لوگوں کے ساتھ ہنوز مراسم اتحاد پر قائم ہے۔ میں ہرگز ہرگز یہ نہیں کہتا کہ اس جنٹلمین نے دانشمندانہ افعال کئے۔ لیکن صورت خاص جو قابل غور ہے یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ اُس نے اُس کنونمنٹ کے انگریزوں سے جہاں وہ رہتا تھا دوستانہ لگاوٹیں کرنے میں کوئی بات اٹھا نہیں رکھی لیکن ان لوگوں نے ہرگز اس کو اپنی سوسائٹی میں داخل نہیں کیا نہ کسی طریق سے اس کو ایک ایسا شخص تسلیم کیا جس کے ساتھ ان کا میل جول ہو سکے۔ وہ جنٹلمین ایک بڑا صاحب دولت تھا۔ ٹاؤن کونسل کا ممبر تھا بڑا ذی علم اور صاحب دانش و فکر تھا اور اسکی وضع و انداز پر کوئی دھبہ نہ تھا۔ بایں ہمہ انگریز عیسائیوں سے جن کے دستورات کو اس نے اختیار کیا تھا وہ اسی طرح صاف الگ تھلگ رہ گیا تھا جس طرح وہ خود اپنے اُن پرانے فیشن کے ہندو رشتہ داروں سے علیحدہ ہو گیا تھا جن کو اس نے چھوڑ دیا تھا۔ میں خیال کرتا ہوں کہ اگرچہ وہ میرے سامنے یہ بات اپنی زبان پر نہیں لایا لیکن وہ ضرور اپنے دل میں تبدیل مذہب پر افسوس کرتا ہوگا۔ اور یقیناً وہ ہندوستان کے انگریزوں کے موجودہ طریق کے ایک ایسے سخت ترین دشمنوں میں سے تھا جن سے مجھ سے ملاقات ہوئی۔ انگلستان والے اس بات پر مشکل سے اعتبار کرینگے لیکن اس موجودہ سال فضل و برکت یعنے ۱۸۸۴ء میں بھی ہندوستان میں کوئی ہوٹل والا جرات نہیں کرتا کہ ہندوستانی مہمان کو اپنے ہاں جگہ دے کچھ اس وجہ سے نہیں کہ اس کو خود کوئی ذاتی بغض ہے بلکہ اس خیال سے کہ انگریز نہ بھڑک جائیں اور اس کے کاروبار میں خلل نہ پڑ جائے۔ موسم سرما میں جب میں بمبئی میں تھا تو ہندوستانی آبادی کے مختلف ممبروں نے نہایت مہربانی اور توجہ سے میرے ساتھ برتاؤ کیا اور سب سے زیادہ محمد علی روغی نے جو شہر کے مسلمان سر برآوردہ ہیں۔ انہوں نے یورپ میں سفر کیا ہے یورپین لباس میں ہیں اور یہاں تک ہمارے طور طریق کو اختیار کیا ہے کہ تمام خیرات خانوں میں چندہ دیا ہے اور خود جوڑی ہانکتے ہیں۔ تاہم ایکدن جو میں نے ان سے کہا کہ اسی ہوٹل میں میرے ساتھ کھانا کھائیے گا تو مجھ سے یہ بیان کیا گیا کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ کم سے کم پبلک روم یعنے عام کمرہ میں ایسا نہیں ہو سکتا۔ مبادا انگریز لوگ جو مقیم ہیں ناخوش ہو جائیں اور ہوٹل سے چلے جائیں بنگال اور شمالی ہندوستان میں تو اور بھی برا حال ہے میری دانست میں اس کہنے میں کچھ

مانع نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جو آدمی نہ آپ کے ساتھ کھائے نہ آپ کے ساتھ پیئے نہ اپنی بی بی کے سامنے مجالست میں آپ کو شریک کرے وہ کسی طرح آپ کے گھر میں واقعی بے تکلف نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن مجھ کو تو اس دلیل کا کچھ زور نہیں معلوم ہوتا۔ میں نے تو خوب تاؤ کیا ہے۔ میں نے تو قوم اور ذات کے تعصب کو کچھ بھی مانع نہیں پایا۔ اور بہت سے ہندوستانی جنٹلمینوں۔ اونچی ذات کے برہمنوں۔ مسلمانوں۔ پارسیوں اور ہندوستانی عیسائیوں سے نہایت ہی گرم اور دلچسپ تعلقات پیدا کئے۔ مجھ کو ایک بھی ایسا نہ ملا جو میرے ساتھ مصرانہ اور دوستانہ برتاؤ کرنے پر رضامند نہ معلوم ہوتا۔ میں نے اپنے اور ان کے خیالات میں کوئی ناقابل علاج فرق نہیں پایا۔ یقیناً اس سے زیادہ فرق نہیں پایا جو اس صورت میں ہوتا کہ وہ لوگ اہل سپین یا اہل اٹلی ہوتے۔ یہ بات کہ میرے ساتھ بیٹھکر روٹی نہیں توڑی یقیناً کسی طرح مانع اس بات کی نہیں ہے کہ ہمارے ان کے مہربانی اور محبت کے تعلقات ہوں۔ اور یہ امر تو صریح ظاہر ہے کہ کم سے کم ہندوستانی عیسائیوں کے باب میں تو یہ امر مطلق نہیں کہا جا سکتا۔ ان لوگوں کو ذات پات کی بنا پر کوئی چھوت اور تعصب نہیں ہے لیکن باایں ہمہ وہ لوگ بھی انگلش سوسائٹی سے اسی قدر خارج ہیں جس قدر اور لوگ۔ مجھے یاد ہے کہ مدراس پریزیڈنسی میں مجھ کو ایک ذی رتبہ اور بڑے دولتمند جنٹلمین سے ملاقات ہوئی وہ بسبب اس کے کہ ابھی نوجوان تھا ہر انگلش چیز کا فریفتہ و دلدادہ تھا۔ ازروے پیدائش کے وہ ایک بڑے اچھے برہمن خاندان کا لڑکا تھا۔ لیکن بیس سال کی عمر میں بغرض تکمیل تعلیم اس نے سفر یورپ پر اصرار کیا تو اپنی قومی اور ذاتی قواعد کو بالکل شکست کر دیا۔ وہ اسقدر بڑھ گیا کہ اپنے خاص مذہب و ملت کو بھی ترک کر دیا اور چرچ آف انگلینڈ یعنی انگلستان کے گرجا سے منسلک ہوگیا اور جب اس نے ہندوستان کو مراجعت کی تو ایک عیسائی لیڈی سے شادی کر لی اور اب اپنی اس لیڈی کے ساتھ ایک انگریزی مکان میں انگریزوں کی طرح انگریزی دستور کے مطابق رہتا تھا۔ بلا شبہ اس کو بہت کچھ سہنا پڑا اور اپنی قوم کے ساتھ اس کی [illegible] اس نے اپنے موروثی رسوم کو توڑا اور دستور [illegible] کو شکست کر دیا [illegible] البتہ [illegible] آمیز صورت [illegible]

بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ گویا اُن لوگوں کے ساتھ ہنوز مراسم اتحاد پر قائم ہے۔ میں ہرگز ہرگز یہ نہیں کہتا کہ اس جنٹلمین نے دانشمندانہ افعال کئے۔ لیکن صورت خاص جو قابل غور سننے کے ہے یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ اُس نے اُس گنوگمنٹ کے انگریزوں سے جہاں وہ رہتا تھا دوستانہ لگاؤ قائم کرنے میں کوئی بات اٹھا نہیں رکھی لیکن ان لوگوں نے ہرگز اس کو اپنی سوسائٹی میں داخل نہیں کیا نہ کسی طریق سے اس کو ایک ایسا شخص تسلیم کیا جو ساتھ اُنکا میل جول ہو سکے۔ وہ جنٹلمین ایک بڑا صاحب دولت تھا۔ ٹاؤن کونسل کا ممبر تھا بڑا ذی علم اور صاحب دانش و فکر تھا اور اسکی وضع و انداز پر کوئی دھبہ نہ تھا۔ با ایں ہمہ انگریز عیسائیوں سے جن کے دستورات کو اس نے اختیار کیا تھا وہ اسی طرح صاف الگ تھلگ رہ گیا تھا جس طرح وہ خود اپنے اُن پرانے فیتھ کے ہندو رشتہ داروں سے علیحدہ ہو گیا تھا جن کو اس نے چھوڑ دیا تھا۔ میں خیال کرتا ہوں کہ اگرچہ وہ میرے سامنے یہ بات اپنی زبان پر نہیں لایا لیکن وہ ضرور اپنے دل میں تبدیل مذہب پر افسوس کرتا ہوگا۔ اور یقیناً وہ ہندوستان کے انگریزوں کے موجودہ طریق کے ایک ایسے سخت ترین دشمنوں میں سے تھا جن سے مجھ سے ملاقات ہوئی۔ انگلستان والے اس بات پر مشکل سے اعتبار کرینگے لیکن اس موجودہ سال فضل و برکت یعنے ۱۸۹۴ء میں بھی ہندوستان میں کوئی ہوٹل والا جرات نہیں کرتا کہ ہندوستانی مہمان کو اپنے ہاں جگہ دے کچھ اسوجہ سے نہیں کہ اس کو خود کوئی ذاتی بغض ہے بلکہ اس خیال سے کہ انگریز نہ بھڑک جائیں اور اس کے کاروبار میں خلل نہ پڑ جائے۔ موسم سرما میں جب میں بمبئی میں تھا تو ہندوستانی آبادی کے مختلف ممبروں نے نہایت مہربانی اور توجہ سے میرے ساتھ برتاؤ کیا اور سب سے زیادہ محمد علی روغی نے جو شہر کے مسلمان سربر آوردہ ہیں۔ انہوں نے یورپ میں سفر کیا ہے یورپین لباس میں ہیں اور یہانتک ہمارے طور طریق کو اختیار کیا ہے کہ تمام خیرات خانوں میں چندہ دیا ہے اور خود جوڑی ہانکتے ہیں۔ تاہم ایکدن جو میں نے ان سے کہا کہ اسی ہوٹل میں میرے ساتھ کھانا کھائے گا تو مجھ سے بیان کیا گیا کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ کم سے کم پبلک روم یعنے عام کمرہ میں ایسا نہیں ہو سکتا۔ مبادا انگریز لوگ جو مقیم ہیں ناخوش ہو جائیں اور ہوٹل سے چلے جائیں بنگال اور شمالی ہندوستان میں تو اور بھی بُرا حال ہے میری دانست میں اس کہنے میں کچھ

مانع ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جو آدمی نہ آپ کے ساتھ کھائے نہ آپ کے ساتھ پیئے نہ اپنی
بی بی کے ساتھ مجالست میں آپ کو شریک کرے وہ کسی طرح آپ کے گھر میں واقعی
بے تکلف نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن مجھ کو تو اس دلیل کا کچھ زور نہیں معلوم ہوتا۔ میں نے
تو خوب تاؤ کیا ہے۔ میں نے تو قوم اور ذات کے تعصب کو کچھ بھی مانع نہیں پایا۔
اور بہت سے ہندوستانی جنٹلمینوں۔ اونچی ذات کے برہمنوں۔ مسلمانوں۔ پارسیوں
اور ہندوستانی عیسائیوں سے نہایت ہی گرم اور دلچسپ تعلقات پیدا کیے۔ مجھ کو
ایک بھی ایسا نہ ملا جو میرے ساتھ ہمسرانہ اور دوستانہ برتاؤ کرنے پر رضامند
نہ معلوم ہوتا۔ میں نے اپنے اور ان کے خیالات میں کوئی ناقابل علاج فرق
نہیں پایا۔ یقیناً اس سے زیادہ فرق نہیں پایا جو اس صورت میں ہوتا کہ وہ
لوگ اہل سپین یا اہل اٹلی ہوتے۔ یہ بات کہ میرے ساتھ بیٹھ کر روٹی نہیں توڑتے
یقیناً کسی طرح مانع اس بات کی نہیں ہے کہ ہمارے ان کے مہربانی اور محبت
کے تعلقات ہوں۔ اور یہ امر تو صریح ظاہر ہے کہ کم سے کم ہندوستانی عیسائیوں
کے باب میں تو یہ امر مطلق نہیں کہا جا سکتا۔ ان لوگوں کو ذات پات کی بنا پر کوئی
چھوت اور تعصب نہیں ہے لیکن با ایں ہمہ وہ لوگ بھی انگلش سوسائٹی سے
اسی قدر خارج ہیں جس قدر اور لوگ۔ مجھے یاد ہے کہ مدراس پریزیڈنسی میں مجھ سے
ایک ذی رتبہ اور بڑے دولتمند جنٹلمین سے ملاقات ہوئی وہ باوجود اس کے کہ
ابھی نوجوان تھا ہر انگلش چیز کا فریفتہ و دلدادہ تھا۔ از روئے پیدائش کے وہ ایک
بڑے پکے برہمن خاندان کا لڑکا تھا۔ لیکن بیس سال کی عمر میں بغرض تکمیل تعلیم
اس نے سفر یورپ پر اصرار کیا تو اپنی قومی اور ذاتی قواعد کو بالکل شکست کر دیا۔ وہ اس قدر
بڑھ گیا کہ اپنے خاص مذہب و ملت کو بھی ترک کر دیا اور چرچ آف انگلینڈ یعنی انگلستان
کے گرجا سے منسلک ہو گیا اور جب اس نے ہندوستان کو مراجعت کی تو ایک
عیسائی لیڈی سے شادی کر لی اور اب اپنی اس لیڈی کے ساتھ ایک انگریزی
مکان میں انگریزوں کی طرح انگریزی وضع کے مطابق رہتا تھا۔ بلاشبہ اس وجہ سے
کہ اس نے اپنے موروثوں کے عقائد اور دستورات کو شکست کر دیا اس کو [illegible]
سہنا پڑا اور اپنی قوم کے ساتھ اس کی حالت ایک [illegible] آمیز [illegible]

ایسا رعب اور با ادب مجمع رئیسان شہر کا تھا جیسا کہ ہو سکتا ہے نہ مزاحمت تھی نہ شور و غل تھا نہ بھیڑ تھی
تھی۔ لیکن پلیٹ فارم پر ہندوستانیوں کی موجودگی کمرہ متصلہ کے ایک انگریز مسافر کے خلاف مذاق ہوگئی
اس نے اپنا سر کھڑکی سے باہر نکال کر ان لوگوں کو دشنام دہی شروع کی اور کہا کہ چلے جاؤ اور جب
وہ لوگ نہ ہٹے تو ان پر چھڑی چلائی اور بلاشک معزز نواب صاحب اگر اس کی حد دسترس میں ہوتے تو
ان کو اس چھڑی سے خطرہ ہوتا میں کبھی اس حیرت کو نہ بھولوں گا جو اس انگریز کو اس وقت ہوئی جبکہ
میں نے مداخلت کی اور نہ اس کی غضبناکی کو بھولوں گا جبکہ میں نے اس سے اس
حرکت کا جواب طلب کیا۔ یہ تو اس کا معاملہ تھا میرا معاملہ نہ تھا! میں کون تھا کہ ایک
انگریز اور اس کے نیچرل حق میں دخل دیتا؟ بڑی مشکلوں سے جب پولیس کو میں نے
اپنی مدد کے لئے بلایا اس وقت بہت دیر کے بعد شاید اس کو یہ خیال آیا کہ اسی کا
قصور ہے مطلب یہ ہے کہ وہ تو پہلے اپنے ہی تئیں مستحق استغاثہ سمجھتا تھا۔ اب میں
بالیقین کہتا ہوں کہ اس انگریز کو اس طرز عمل کے لئے مطلق کوئی وجہ نہ تھی۔ وہ
انگریز ایک متوسط العمر اور معزز صورت شکل کا تھا اور بالآخر یہ بات دریافت ہوگئی کہ پنجاب
کے کسی ضلع میں ہر جن بیچ تھا وہ اپنی میم کے ساتھ سفر میں تھا اور صبح کا وقت تھا
جبکہ خیالات ٹھیک اور ساکن ہوتے ہیں اور علاوہ بریں اور وجوہ سے بھی وہ یہ عذر نہیں
کر سکتا تھا کہ اس کی طبیعت کو کچھ ہیجان تھا۔ پس اس کا فعل یقینی اور صریحی قومی
تعصب کا ایک فعل تھا کہ جو اور کسی ملک مشرقی میں جہاں جہاں کا میں نے سفر کیا ہے
اب تک میری نظر سے نہیں گذرا۔ مجھ پر یہ بات کھل گئی کہ یہ واقعہ کوئی غیر معمولی واقعہ
نہ تھا۔ افسران ریل اور پولیس نے اس معاملہ کو ایک خفیف معاملہ تصور کیا۔ جہاں تک
ان سے ہو سکا انہوں نے مجرم کو بچانے کی کوشش کی۔ انہوں نے کہا کہ ہم لوگ
بجز اس کے اور کچھ اختیار نہیں رکھتے کہ آپ کی شکایت کو مندرج رجسٹر کر لیں۔ نواب
صاحب اور ان کے دوستوں نے شرم اور ندامت کے ساتھ اقرار کیا کہ اگرچہ ہماری
توہین ہوئی لیکن ہمکو اس پر کچھ تعجب نہیں ہوا۔ انہوں نے کہا کہ ہم میں سے ہر ایک
کو ایسے معاملات اس قدر متواتر پیش آ چکے ہیں کہ ہمکو تو کسی قسم کا غصہ بھی نہیں ہے
ایک شخص نے دو تین روز کے بعد مجھکو لکھا کہ وہ بیشک ہم لوگوں کی توہین ہوئی جسکی
تکلیف دل پر ہے لیکن ہم لوگ بے اختیار ہیں اور اس واقعہ پر کیا کر سکتے ہیں

مبالغہ نہیں ہے کہ کوئی ہندوستانی جنٹلمین خواہ وہ کسی رتبہ یا عمر یا طور یا طریق کا ہو کسی
عام مقام اجتماع انگریزان میں بغیر اس یقینی خطرہ کے نہیں جا سکتا کہ اس کی توہین ہو
اور اس کے ساتھ درشت برتاؤ ہو خصوصاً جبکہ وہ ہندوستانی لباس میں ہو۔ اس باب میں
ریلوے سفر کا خطرناک ہونا تو طشت از بام ہے اور قریب میرے تمام ہندوستانی
ملاقاتی اپنی اپنی ذلتوں کا افسانہ کہنے کو تیار رہتے تھے جو ان کو اپنے ہم سفر انگریزوں سے حاصل
ہوئے تھے۔ اور یہ کہ گارڈوں نے انگریزوں کے آرام کے لئے اُن بیچاروں کو ان کی
جگہ سے خارج کر دیا تھا اور کبھی کبھی ذلتی تحقیر و توہین اور دھکم دھکے کی نوبت پہونچا دی تھی
لہٰذا ایسے لوگ جو عالی رتبہ ہیں یا جن کو اپنی آپ عزت کرنے کا خیال ہے یہ مجبوری یا تو اپنے
لئے پورا درجہ لیتے ہیں یا تیسرے درجہ میں سفر کرتے ہیں دوسرے درجہ سے تو بالخصوص
وہ ڈرتے ہیں۔ اگر اس بات میں مجھے ناقابل شبہ و اعتراض وسائل سے اطلاع حاصل
نہ ہوئی ہوتی تو میں اس کا ذکر نہ کرتا۔ لیکن اس بات کی سچائی پر مجھکو منجملہ اوروں کے
دو ممبران سوپریم لیجسلیٹو کونسل کلکتہ کی وجہ سے یقین ہوا جنہوں نے جدا جدا اپنی
سرگذشت مجھ سے بیان کی۔ بلا دپریزیڈنسی کے بعض سربر آوردہ ہندوستانیوں
نے جو یورپین ڈریس[1] اختیار کیا ہے میں جانتا ہوں کہ منجملہ اور اصلی وجوہ کے یہ بھی
ایک ہے۔ کہ وقت اور بے برتاؤ کے اتفاقی خطروں سے محفوظ رہیں۔ ایسے ہی
کا ایک افسوسناک معاملہ موسم سرمائے گذشتہ میں خود میرے سامنے وقوع میں آیا
اور چونکہ شہادت چشم دید ہمیشہ بہترین شہادت ہے۔ لہٰذا میں اس واقعہ کو بیان کرتا
ہوں۔ میں شہر پٹنہ میں وہاں کے مسلمان رئیس اعظم نواب ولایت علی خان کے
ہاں فروکش تھا۔ نواب صاحب ممدوح کیسقدر مسن شخص ہیں اور نیکنامی کے ساتھ مشہور
و ممتاز ہیں۔ نہ صرف رئیسان شہر میں بلکہ خود ہماری گورنمنٹ میں کہ جس نے
بسبب ان کی خدمات کے ان کو رفیق ستارہ ہند بنا دیا ہے۔ جنوری گذشتہ
کو صبح کی ریل میں جب میں وہاں سے چلنے لگا۔ تو نواب صاحب ممدوح اور تین
اور معزز اور سربر آوردہ مسلمانان شہر میرے ساتھ اسٹیشن ریل پر آئے اور جب میں
گاڑی میں بیٹھ لیا تو وہ لوگ پلیٹ فارم پر کھڑے تھے اور اسوقت وہ ایک

---

[1] لباس

خاندانوں سے بھرتی کیا جاتا تھا جنکو بوجہ ملازمت کے پہلے ہی سے کچھ تعلق ہندوستان کے ساتھ ہوتا تھا۔ اور ان لوگوں کے دلوں میں بعض پرانے خیالات متعلق بہ حکومت وغیرہ جمے ہوئے تھے اگرچہ وہ خیالات ذرا بھی لبرل نہ ہوتے تھے لیکن تاہم بحیثیت مجموعی معزز خیالات ہوتے اور ہندوستانیوں کے ساتھ ہمدردی کے خلاف کبھی کوئی بات نہ ہوتی تھی۔ کمپنی کا افسر اپنے تئیں بمقابلہ جملہ نوواردوں کے ہندوستان کا حامی سمجھتا تھا خواہ وہ اسی کے ملک کے ہوں یا اجنبی ہوں اور عموماً یہ بات پائی جاتی تھی کہ جب کبھی یورپین جماعت اور ہندوستانی عرض میں مخالفانہ مٹ بھیڑ ہو جاتی تھی تو کلکٹر یا مجسٹریٹ کی جانب داری اُن فیصلوں میں جو اس کے سامنے آتے تھے بہ نسبت یورپین کے زیادہ تر ہندوستانی کیساتھ ہوتی تھی۔ یہ قاعدہ کی بات تھی کہ وہ کلکٹر یا مجسٹریٹ اس غیر ملازم مجسٹریٹ کی بہ نسبت زیادہ شریف اور معزز ہوتا تھا اور یہ امتیاز ایک وجود حقیقی رکھتا تھا۔ یقیناً اکثر ایسا ہوتا تھا کہ باعتبار تربیت اور طور طریق کے ایک ملازم کمپنی اور ایک عالی خاندان مسلمان یا ہندو میں بہ نسبت اس ہمدردی کے زیادہ ہمدردی ہوتی تھی جو اُس ملازم کمپنی کے اور ایک تعصباتی سیاح انگریز یا اضلاع مفصل کے نیل والے انگریز کے درمیان میں ہوتی تھی۔ لیکن جب سے مقابلہ کا امتحان سول سروس موضوع ہوا تو افسروں کا ایک اور گروہ ہند میں وجود پذیر ہوا کہ جو صریحاً ایک ادنےٰ طبقہ سوسائٹی کے لوگ ہیں اور اسوجہ سے ان کا رعب واثر ان کے تجارت پیشہ ہمعصروں پر کم پڑتا ہے اور ہندوستانی یہ کہتے ہیں کہ ہم پر وہ کم توجہ رکھتے ہیں اور کم مہربانی کرتے ہیں۔ فرض کرو کہ ایک نوجوان شخص مثلاً ایک السٹر[1] کے دہقانی کا بیٹا بہ سبب کامیابی امتحان کے بنگال میں ایک بڑی حکومت پا گیا۔ اب جس سوشیل حالت کا اس کو برتاؤ کرنا ہے اس کی بہ نسبت عالی نسبی یا عمدہ تربیت کی بنا پر تو کچھ خیالات اس کے دل میں جا گزین بھی نہیں ہیں پس نہایت ہی قرین قیاس ہے کہ وہ بہ نسبت اس کے کہ مراسم خوش خوش اخلاقی کے برتاؤ کا خوگر ہو جس کی سخت ضرورت مشرقی ملاقاتوں میں ہے زیادہ تر جبھی کریگا کہ اسے اپنے ضلع کے تاجر پیشہ انگریزوں کے ساتھ بھیا و بھوتی کا برتاؤ کرے

[1] آئرلینڈ کے ایک صوبہ کا نام ہے

ہم سے تو قریب قریب ہر اینگلو انڈین ایسا ہی برتاؤ کرتا ہے "۔ دوسرے شخص نے یہ لکھا کہ "اس انگریز کے ایسے برتاؤ کی وجہ میرے خیال میں یہ آتی ہے کہ وہ ہم ہندوستانیوں کو وحشی اور جنگلی جانوروں سے کم نہیں سمجھتا "۔ تیسرے شخص نے لکھا کہ "اس واقعہ سے آپ دیکھینگے کہ ہماری فرمانروا قوم ہم سے کس حقارت اور توہین کے ساتھ پیش آتی ہے اگر ہمارا انگریزی لباس ہوتا تو شاید ہم سے ایسی نفرت نہ کی جاتی "۔ ایک چوتھے شخص نے لکھا کہ " میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ واقعہ کوئی نیا نہیں ہے بلکہ اب ایسا برتاؤ عام ہوتا جاتا ہے ۔ میں بیان نہیں کر سکتا کہ اینگلو انڈین (ہندوستان کے انگریز) کس خوف اور ہیبت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں ۔ افسوس صد افسوس ہم سے نفرت کی بجز اس کے اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہمارا رنگ سفید نہیں ہے ۔ ہم اپنا قومی لباس پہنتے ہیں اور ہم ایک مفتوحہ قوم ہیں ۔ آپ مجھے اس بات کے کہنے کی اجازت دیجئے کہ اگر ایسے خیالات کی ترقی کی روک نہ کیگئی تو انگلستان کو ہندوستان پر بہت دن تک قبضہ رکھنا مشکل ہوگا "۔ چنانچہ اسی قسم کی چٹھیوں کا میرے پاس ایک انبار ہے لیکن مجھکو امید ہے کہ گورنمنٹ جس کے سامنے میں نے یہ مقدمہ پیش کر دیا ہے اُس میں کچھ کارروائی کر رہی ہے ۔ نواب صاحب نے ایک باضابطہ درخواست صاحب مجسٹریٹ کے سامنے بھی پیش کر دی ہے اور لارڈ رپن نے وعدہ کر لیا ہے کہ اس کا خارج ہو جانا گوارا نہ کیا جائیگا ۔ مجھکو صرف یہ اندیشہ ہے کہ ہندوستان میں ایسی درخواستوں کی نسبت حکام ماتحت لیت و لعل اور ٹال مٹول کی جو کارروائی کرتے ہیں اس کی وجہ سے اس معذرت میں جس کا تعلق اُن بھلے آدمیوں کو ہے جنکو رنج پہونچایا گیا ہے اتنی دیر نہ ہو کہ اس کا اثر بہت کچھ زائل ہو جائے "۔

دوسری وجہ ان بُرے تعلقات کی جو زمانہ حال میں ہندیوں اور ان کے انگریز آقاؤں کے درمیان میں ہو گئی ہیں مجھ سے یہ بیان کی گئی ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہدہ‌دار افسروں کا گروہ جو کہ ایک جماعت تجارت متفقہ کے نوکر ہوتے تھے زیادہ تر اُن خاص

۱؎ مسٹر بلنٹ نے اس معاملہ میں ایک طول طویل اور پُر زور اور اپنے مذاق کے مطابق تخویف کی چٹھی مقام الہ آباد سے وائسرائے کے پاس بھیجی تھی۔ چنانچہ کارروائی شروع ہوئی اور بالآخر اس انگریز کو معذرت کرنی اور معافی مانگنی پڑی اور انگریزی اخبارات نے اس پر افسوس کیا تھا۔ — مترجم

مرتب کرنا یہ دوسروں کا کام تھا اور بلاشبہ اس کام نے مایوسی پیدا کی۔ مثلاً لوکل سلف گورنمنٹ
بل اگرچہ بلحاظ اس امر کے قابل تعریف ہے کہ ہندوستانیوں کو منتظم بنانے کی طرف
پہلا قدم ہے لیکن حقیقت میں وہ کچھ بھی نہیں ہے اور خود لارڈ رپن صاحب کے بڑے
سچے اور ولی مداحوں کا بھی یہی خیال ہے۔ جو اختیارات دئیے گئے ہیں وہ نہایت ہی ہیچ ہیں
جو دائرہ کارروائی ہے وہ نہایت ہی چھوٹا ہے اور جو قیود اور نگرانیاں لگادی گئی ہیں وہ
نہایت ہی تاکیدی ہیں پس ہندوستانیوں میں اس بل سے کوئی بڑی گرمجوشی پیدا نہیں
ہوسکتی۔ کسی انگلش مین کے لئے مشکل ہے کہ شرائط مندرجہ بل مذکور کو پڑھکر اس بات
پر متعجب نہ ہو کہ کیا یہ بل کسی ایسے نام سے موسوم ہوسکتا ہے کہ گویا وہ کسی بڑے
رفارم کی تدبیر ہے۔ لوکل سلف گورنمنٹ ہے کیا! تھوڑے سے لفظوں میں یہی
ہندوستانی لوگوں کو اجازت ہے کہ اپنی سڑکوں کی آپ مرمت کرلیں۔ اپنا محصول
آپ خود وصول کریں۔ اپنی صفائی کی آپ خود تدبیر کریں لیکن قید اور شرط یہ ہے کہ صاحب
کمشنر بہادر ضلع ان کو ایسا کرنے کے ناقابل نہ قرار دیں۔ سو برس تک انگریزی
بادشاہت کے بعد پہلے پہل جو کچھ ہوا بھی ہے وہ یہہ ہے!!! اس بل کی
نسبت ہندوستانیوں کو جو خیال ہے اور ان کی امیدوں کو اس بل نے جس
کمی کے ساتھ پورا کیا ہے میں خوب جانتا ہوں۔ لیکن لارڈ رپن کی ہردلعزیزی
کا معاوضہ اس سے زیادہ نہیں ہوسکتا تھا کہ ہندوستانی لوگ خلوص کے ساتھ
اس بل کے لیئے ان کے احسان مند ہوئے۔ یہی حال البرٹ بل کا بھی ہے
جس کا ہم لوگوں میں اسقدر شور و غوغا تھا بجائے خود وہ ایک ادنے ترین اور نہایت
ہی حقیر تدبیر ہندوستانی ناقابلیتوں کے رفع کرنے کی تھی۔ اس میں یہ حکم تھا کہ
ہندوستانی جج پابندی خاص شرائط کے اضلاع مفصل میں انگریزوں پر اختیار سماعت
جرائم رکھیں گے۔ حالانکہ یہ اختیار دیسی باشندگان سیلون کو ایک مدت پہلے پورے
طور پر عطا ہوچکا ہے اور اس کے کچھ بڑے نتائج نہیں پیدا ہوئے اور ہندوستانیوں
کو بلاد پریزیڈنسی میں بھی یہ اختیار دیا جاچکا ہے۔ وہ صوبہ جس پر اس بل کا کچھ زیادہ
اثر پہونچا جہاں تک مجھ کو دریافت ہوا ہے صرف بنگال کا صوبہ تھا اور وہاں کے
یورپین پلینٹرز کا شتکاروں (یعنی) دہقانوں نے جو اپنے مزدوروں کو جس اچھی یا بری طرح چاہتے

اور سب سے زیادہ یہ بات ہے کہ ایک واقعی بنیاد مذہبی یقین کی ہو۔ ہندوستانیوں
کو لارڈ رپن میں ان تمام صفتوں کی موجودگی کا اعتراف ابتدا سے ہی تھا۔ اگر محض
تیزی اور ذہانت ہوتی تو گو وہ کتنی ہی ہوتی لارڈ رپن کی جگہ ہندوستان کے دلمیں
اتنی نہ کر سکتی جتنی کہ آج موجود ہے بلکہ شاید مجھکو یہ کہنا چاہیئے کہ جتنی جگہہ اسوقت
تک موجود تھی جب تک کہ ہوم گورنمنٹ کے الگ ہوجانے اور ساتھ چھوڑ دینے
نے ان کو اس بات پر مجبور کر دیا تھا کہ وہ اپنے طریق اختیار کردہ یعنے حمایت خلائق
سے علیحدہ ہوگئے ہیں خوش ہوں کہ اس واقعہ کی نسبت شہادت دے سکتا ہوں
کہ دہم سرمائے گذشتہ کے ابتدائی حصہ میں لارڈ رپن جس قدر ہر دلعزیز اور عام
پسند تھے اور وہ ہر دل عزیزی اور عام پسندی شاید سوائے لارڈ کیننگ کے اور
کسی وائسرائے کو کبھی نصیب نہیں ہوئی۔ ہندوستان ایسی تھی جہاں کہیں گیا میں نے
وہی ایک افسانہ سنا۔ دکن کے غریب مزارعہ سے جس نے پہلی ہی مرتبہ شخصی نام
اپنے فرمانروا کا سنا تھا۔ مدراس اور بمبئی کے عالی نسب برہمنوں سے کلکتہ
کے طالب علموں سے۔ لکھنو کے مفتیان اسلام سے۔ دہلی اور حیدرآباد کے
امراء سے۔ الغرض ہر جگہہ ہر منہ سے ان کی تعریف نکلتی تھی اور لوگوں کے دل پر
حیرت اور احسان مندی طاری تھی۔ لوگ کہتے تھے کہ وہ ایک ایسا نڈر آدمی ہے
اور خدا ترس شخص ہے اور اسی یقین کی وجہ سے لوگ اس بات پر آمادہ معلوم
ہوتے تھے کہ ایک مرتبہ اپنی طبائع میں پھر صبر و سکون کو جگہہ دیں۔ یہ کہنا کہ لارڈ
رپن کو ہندوستان میں خود اپنے ہی قصور سے ناکامیابی ہوئی ایک امر واقعہ کو جو
تمام ہندوستانی دنیا پر کھلا ہوا ہے الٹ دینا ہے۔ وہ ہندوستان میں سب
سے زیادہ کامیاب گورنر ہوئے کیونکہ سب سے زیادہ ان کے ساتھ لوگوں کو
محبت ہوئی۔ اگر ان کی خطا یا ناکامیابی کسی پیرایہ میں بیان کی جا سکتی ہے تو وہ
صرف یہ ہے کہ انہوں نے انگریزوں کے اس طبقہ کی دلجوئی نہیں کی جو ہندوستان
پر حکومت کر رہا ہے اور یہ کہ گورنمنٹ انگلستان پر وہ اپنی مرضی کا زور نہیں ڈال سکے
لیکن ان کی بعض لیف (قانونی) کارروائیوں کا تذکرہ میں کسی قدر کم گرماگرمی سے
کرونگا۔ جو منشا بلوں کے پیش کرنیکا تھا وہ خاص لارڈ رپن کا تھا لیکن بلوں کا مسودہ

بر بھی اپنا پیدا ہوتی ہے وہ لفظوں سے آگے نہ بڑھے یعنے زبانی ہی بر بھی تاکہ
خاتمہ ہوگا یا طول کھینچیگا۔ لیکن لارڈ رپن کی ہر دلعزیزی سے سب بات سنبھل
گئی اور اعتدال قائم رہا۔ سخت ترین مزاج والوں نے بھی تسلیم کر لیا کہ وائسرائے کا
قصور نہیں ہے بلکہ گورنمنٹ انگلستان کی بزدلی اور کم ہمتی کا قصور ہے۔ اور
لوگوں نے یہ بھی سمجھا کہ اگر عام بر بھی اس وقت لارڈ رپن پر زخم کریگی تو پھر
کبھی کوئی وائسرائے لوگوں کی دوستانہ حمایت کی جرات نہ کریگا۔ اس وجہ سے وہ
صلح۔۔ ایسے اچھے تیوروں سے جو ممکن تھے منظور کر لیا گیا یعنے وعدہ چھپا دیا گیا اور
بر بھی کا ودن ملتوی کر دیا گیا۔ میں خیال کرتا ہوں کہ ہندوستانی رائے نے اس موقع
پر جو یہ طرز اختیار کیا اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ ان لوگوں کے پولٹیکل منشا عمدہ تھے
لیکن یہ بات بہت خطرناک ہوگی کہ اسی پر اعتبار و بھروسہ کر کے پھر ایسا موقع پیدا
کیا جائے جو برا لی کی گئی ہے یقیناً وہ پھر عود کریگی اور لارڈ رپن سے جانشینوں
کو اس کے نتائج بھگتنے پڑینگے۔ سال گذشتہ تک باشندگان ہند اگرچہ ضوابط و
تحریرات سررشتہ کے اثر اور اپنے حکام متعہد کی نیک نہادی کی نسبت ان کا عقیدہ
بالکل جاتا رہا تھا لیکن ہوم گورنمنٹ سے یعنے گورنمنٹ انگلستان کو وہ ایک آخری عدالت
اپیل سمجھتے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ وہ عدالت ہماری حمایت کرنے کے لائق
ہے۔ گو ہمیشہ حمایت پر بطیب خاطر آمادہ نہ ہو جائے۔ لیکن اس البرٹ بل کے
معاملہ میں ہندوستانیوں پر ایک بالکل ناواجب اور خلاف احتیاط حملہ کے
روکنے میں جلسہ وزرا کی کمزوری ظاہر ہوگئی اور مجھ کو نہایت شبہ ہے کہ
ہندوستانی لوگ وزرا کے وعدوں پر پھر کبھی اعتبار اور بھروسہ نہ کریں
گورنمنٹ اس بل کے پاس کرنے میں تمامتر مصروف تھی تاہم عوام کے
بے وقعت گروہ کے غل غپاڑے سے جس کی اعانت ان لوگوں
کی تھی جو ہندوستان میں ہر ایک رفارم (اصلاح) کی دشمنی پر قسم کھا چکے
یعنے اینگلو انڈین حکام گورنمنٹ موصوف دب گئی اور کچھ نہ کر سکی۔ یہ
اچھی نہیں ہوئی اور میں جانتا ہوں کہ ہندوستانیوں نے اس معاملہ پر نہ
بلحاظ اس کی روئداد کے نظر کی ہے۔ اور سمجھ لیا ہے اور اگر میں بالکل

رکھتے تھے۔ اس بل کو اپنی مطلق العنانی کی ایک روک تصور کیا۔ جب میں ہندوستان
کو جاتا تھا تو جہاز پر چند آسام کے پلینٹرز سے اس کی نسبت میں نے بہت سی باتیں
کہیں۔ ان لوگوں نے کہا کہ جناب یہ خیال کرنا بالکل واہیات ہے کہ ان کالوں نے
بغیر کبھی کبھی دھینگا مشتی کئے ہوئے کام چل سکتا ہے اور ہمارے مجسٹریٹ لوگ
اس بات کو سمجھتے ہیں۔ لیکن اگر ہندوستانی مجسٹریٹ ہوں تو حملہ کی عوض ہمیشہ ہم گڑبڑ
میں پھنسا کریں۔

لیکن دیگر اضلاع میں جہاں ملائم طریقے جاری ہیں جیسے سخت برتاؤ نہیں ہوتا وہاں
اس بل کی کوئی ہیبت نہیں معلوم ہوئی۔ رہا یہ امر کہ شاید ہندوستانی جج انگریزی عورتوں
کی نسبت اپنی حیثیت کا کچھ بیجا استعمال کریں سو مجھکو یہ امر متحقق ہوگیا کہ یہ خیال بالکل
بے اصل اور ہندسی اور بناوٹ سے ظاہر کیا گیا تھا۔ لیکن اس بل کی مخالفت اس سبب سے
خطرناک ہوگئی کہ اینگلو انڈین افسر یعنے ہندوستان کے انگریزی حکام برابر اس مخالفت
کی اعانت کرتے رہے اور انہوں نے اس بل کے موقعہ کو ایک رزمگاہ تجویز
کرلیا تا کہ لارڈ رپن کی عام لبرل پالسی یعنے فیاضانہ حکمت عملی کے مقابلہ میں جنگ
کریں۔ لوکل سلف گورنمنٹ بل کو انہوں نے اپنے رعائتی اختیارات پر ایک پہلا حملہ
سمجھا تھا اور اس بات پر مستقل ہوگئے تھے کہ آئندہ کوئی ایسی ضرب نہ پڑنے دینگے۔
انگریزی قانونی پیشہ لوگوں نے بھی اُن کی مدد کی کیونکہ وہ سمجھے کہ اس بل سے ہمارے
پیشہ کی ترقی پر بھی ایک دھمکی ہے۔ اور پلینٹرز نے ان کی مدد انہی وجوہ سے کی
جن کو میں بیان کرچکا ہوں۔ چنانچہ بہ تقلید اخبار ٹیمز انگلستان کے سارے مطابع
اس غل مچانے میں شریک ہوگئے۔ ہندوستانیوں نے بھی ابتدا سے انتہا تک
بلحاظ اصول کے جنگ کی لیکن بہ نسبت اپنے حملہ آوروں کے کہیں زیادہ حدِ
اعتدال میں رہے۔

میں اُسدن کلکتہ میں موجود تھا جب سر اکلینڈ کالون صاحب کا طے کیا ہوا صلحنامہ عوام
پر ظاہر کیا گیا اور ہندوستانی مدبروں کی طبایع پر اس سے جو کچھ اثر پڑا وہ مجھکو
معلوم ہوگیا۔ ہر جگہ وہ تر ہیم بطور شکست اور تسلیم کے سمجھی گئی اور ایسی تسلیم جو
بیجوڑتی کے ساتھ کی جائے۔ ایک باعث ایسی بھی آگئی تھی کہ یہ امر مشتبہ تھا کہ جو عام

مساویانہ برتاؤ ہوتا ہے اور تمدن و معاشرت کے تمام حقوق سے متمتع ہوتے
ہیں۔ برٹش رعایا پر فخر و ناز کرتے ہوئے وہ لوگ واپس آتے ہیں۔
لیکن یہاں اُن کے پاس کچھ باقی نہیں رہ جاتا بجز اس کے کہ اُس جزیرہ سلطانی
کی یاد کے مزے لیا کریں۔ ہندوستانیوں کی یہ خواہش نہیں ہے کہ اُس جزیرہ
کی گورنمنٹ سے علیحدہ ہو جائیں اور وہ بہ مقابلہ ہر دوسرے کے اس کے تاج
کے خیر خواہ ہیں۔ لیکن خود اُن کی سرزمین میں اُن کے ماتحت زندگی کی حالت
اُن کو نہایت دُکھ دیتی ہے اور انہوں نے یہ بات پکے طور پر ٹھیرا لی ہے
کہ رفارم (اصلاح) کرینگے۔ اُن کا مقولہ رفارم ہے ریولیوشن (انقلاب
و شورش) نہیں ہے لیکن رفارم کی نسبت تو ان کا منصوبہ پختہ ہو گیا ہے۔
اس امر کی نسبت کہ جو تبدیلی و اصلاح ہو اس کا کیا طریقہ ہو وہ یوں بحث کرتے ہیں
خالص انگریزی انتظام انگریزوں کے ذریعہ سے ہندوستان میں جو ہونا تھا ہو چکا
اس کا دن گذر گیا اب اُس کو غیر نافذ ہونا چاہیئے اس انتظام سے زمانہ گذشتہ
میں بہت عمدگی پیدا ہوئی نظم و نسق نے وجود پایا آئین و قواعد مقرر ہوئے
پبلک سوریلٹی کا درجہ اونچا کیا گیا پبلک انٹرسٹ (عام اغراض و فوائد) کا
میدان وسیع ہوا بلحاظ ان امور کے وہ انتظام مستحق شکر گذاری ہے۔
ایسی شکر گذاری جو ایک مریض کی جانب سے اس کے تیمار دار کی۔ ایک
نابالغ کی جانب سے اس کے ولی کی اور ایک لڑکے کی طرف سے اس کے
ناصح کی ادا ہونی چاہیئے۔ لیکن انڈیا اعتراف احسان مندی میں اس سے
زیادہ آگے نہیں بڑھ سکتی وہ اپنے حکام کے روز افزوں عیوب کیطرف سے
اندھی نہیں بن سکتی اور نہ وہ یہ کر سکتی ہے کہ دوام کے لیئے اپنی عود کرتی
ہوئی قوت اور آتے ہوئے بلوغ کے نفاذ سے دست بردار ہو جائے
انیگلو انڈین صاحب (ہندوستان کے انگریزی افسر) اب اُس کے
حق میں ایک سخت ماسٹر ہو گیا ہے۔ وہ اپنی ملازمانہ حیثیت کو بھول گیا
اُس نے اُس امانت کو بھلا دیا ہے جو اُس کے سپرد ہوئی تھی۔ اُس نے

لہ عوام کی اخلاقی حالت

غلط نہیں ہوں تو ان لوگوں نے یہہ نتیجہ بھی نکال لیا ہے کہ پولٹیکل امور میں
کسی بات کا معقول اور مطابق انصاف ہونا اس بات کی برتری اور کامیابی
کے لئے کافی نہیں ہے۔ اور یہہ کہ آئیندہ فیروزمندی کا طریقہ صرف بذریعہ
جوش و خروش کے نکل سکتا ہے۔ پس اگر یہ صورت ہے تو آئیندہ اُس
قسم کے امن و اطمینان کی امید کم ہے جو سلطنتوں کو مرغوب و مطبوع ہوتا ہے
میں یہ بات پسند نہیں کرتا کہ برائیوں کی شکائت کروں اور اُس کے ساتھ
ہی اس کے علاج و اصلاح کی تدبیریں نہ پیش کروں لیکن جن برائیوں کا میں نے
نقشہ کھینچا ہے ان کا کوئی فوری علاج پیدا کرنا مشکل ہے۔ ہندوستان کے
انگریزوں اور ہندوستانیوں میں جو ناصفائی اور کشاکشی موجود ہے اس کی گہری
جڑ اس طرز انتظام کی تہ میں ہے جس کو ہم نے قائم کیا ہے اور تا وقتیکہ
اُس نوعیت انتظام میں تبدیلی نہ کیجائے واقعی فائدہ بہت کم ہو سکتا ہے۔
لیکن میں یہ بات بتلائے دیتا ہوں کہ اب تک انگریزوں اور ہندوستانیوں میں
اصلی قومی مخالفت اور واقعی نسلی نفرت نہیں ہے بلکہ زیادہ تر بلحاظ گروہ
اور طبقہ (کلاس) کی مخالفت ہے اور ہنوز یہ بات انگلستان میں ہمارے
اختیار میں ہے کہ اس بلائے معلق کو مبدل بہ برکت کردیں۔ ہندوستان کا جھگڑا
اُس وقت تک صرف اینگلو انڈین (ہندوستان کے انگریزوں) سے ہے
انگریزوں کی قوم سے نہیں ہے اور اگرچہ حال کی مایوسیوں نے گورنمنٹ
انگلستان کی نسبت ہندوستانیوں کے عقیدہ کو متزلزل کرنا شروع کردیا ہے۔
تاہم اُن لوگوں کو اُس سرزمین سے ہمدردی کا بھروسہ قطعاً نہیں جاتا رہا جہاں
آزادی نے جنم لیا تھا۔ ان دو گروہوں میں یعنے ہندوستان کے انگریزوں میں
اور انگلستان کے انگریزوں میں ہندوستانی لوگ اب تک ایک فرق بیّن
نکالتے ہیں اور خط فاصل کھینچتے ہیں اور قومی مخالفت و تنفر اپنے اصلی و صحیح معنوں
میں اس وقت تک پیدا نہیں ہوگا کہ وہ خط فاصل محو ہو جائے۔ ہندوستانی
لوگ کہتے ہیں اور سچ کہتے ہیں کہ ان میں سے جو لوگ انگلستان جاتے ہیں
وہاں انصاف پاتے ہیں بلکہ انصاف سے زیادہ پاتے ہیں۔ اُن کے ساتھ

کونسلوں میں بہ طریقہ الکشن (انتخاب) بذریعہ ووٹ قائم کیا جائے اور بعد ازاں کچھ زیادتی
کی جائے جس پر پارلیمنٹ کے طریقہ کا اصول زیادہ تر صادق آدے۔ اعلیٰ گورنمنٹ
سلطانی کو سب قائم رکھنا چاہتے ہیں کیونکہ ہندوستانیوں سے زیادہ کوئی اس بات
سے خبردار نہیں ہے کہ وہ لوگ ہنوز ایک نیشن (قوم) نہیں ہیں بلکہ ایک مجموعہ ذخیرہ
اقوام ہیں جو آپس میں اس طرح خلط ملط ہیں اور پھر بسبب اختلاف السنہ اور مذاہب
کے اس طرح منقسم ہیں کہ بطور خود قائم نہیں رہ سکتے۔ ایک سلطانی گورنمنٹ اور ایک
سلطانی فوج ہندوستان کے لئے ضروری چیز باقی رہیگی۔ لیکن ان کو اس بات کی
کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ عاملانہ انتظام تمام صوبوں کے معاملات کا بہت تھوڑے
ہی برسوں میں کیوں نہ ان کو تفویض کر دیا جائے۔ موجودہ طریقہ انتظام خزانہ اور
انگریزوں کے فائدہ کے لئے ہندوستان کو جولانگاہ بنانا۔ یقیناً چھوڑ دینا پڑیگا
لیکن ہندوستان کا اس سے کچھ نقصان نہیں ہے۔ ہندوستان کی نسبت آخری مسودہ
سلف گورنمنٹ مرتب کرنے سے اس وقت میں باز رہتا ہوں لیکن ہندوستانیوں
سے میں اس باب میں بحث کر چکا ہوں اور موقع آئندہ پر میں اس پورے منصوبہ
کو چھاپ دونگا۔ اب اس قدر کہنا کافی ہے کہ اگر بدترین آفات سے پرحذر رہنا ہے
تو کسی نہ کسی قسم کی تبدیلی کی یا اس تبدیلی کی یقینی امید قائم کرا دینے کی فوراً ضرورت
ہے۔ جس خطرہ کی میں پیش بینی کرتا ہوں وہ یہ ہے۔ کہ یہ حالت ایک ایسی بیشمار
زراعتانہ اور دہقانی آبادی کی جو مدتوں سے بھوکے مر رہے ہیں اور ایسی شہری
آبادی کی جو روز بروز زیادہ روشنضمیر و تربیت یافتہ اور اپنی غلامانہ حالت پر غضبناک
ہوتی جاتی ہے۔ بہت توقف اور انتظار اس بات کا نہ کرنا چاہیے کہ آہستہ آہستہ
انگلستان میں تبدیلی مجوزہ کی نسبت رائیں نشوونما پائیں۔ مجھکو یقین ہے کہ اگر
اس وقت ہندوستانی فوج میں کوئی اہم اور عظیم ناراضامندی مثل واقعہ ۱۸۵۷ء کے
پیدا ہو تو وہ صرف منجر بہ غدر نہ ہوگی بلکہ برخلاف ۱۸۵۷ء کے اس میں تمام خلقت
شامل و شریک ہو جائیگی۔ غریب مزارع اپنی افلاس اور مصیبت کی وجہ سے اس میں شامل
ہو جائینگے۔ شہری لوگ علی الرغم اخود بوجہ مخالفت باہمی اینگلو انڈین کی ملجائینگے
اور ملازمان سرکار بہ سبب اس روک کے جو ان کی ترقی پر لگی ہوئی ہے اس میں

ملک کی دولت کو اپنے ذاتی برق برق میں دبا دیا ہے۔ مثل اور بہت سے
نوکروں کے اُس نے اس سرزمین کو اب اپنی زمین خیال کرنا شروع کیا ہے۔
اور اُس میں ہر چیز کی حکومت و انتظام میں اپنا ہی فائدہ ملحوظ رکھتا ہے۔ الغرض
اُس نے اپنے تئیں اُن لوگوں کے ساتھ ہمدردی کے ناقابل ثابت
کیا ہے جن کی قسمتوں کی کتربیونت وہ کرتا ہے اس کو نہ ہندوستان سے
محبت ہے نہ خود لائق ہے کہ ہندوستانیوں کے دل میں اپنی محبت
پیدا کرے اور بہ سبب ناقابلیت اپنی نوعیت اور اصلیت کے اب وہ
اُس جگہ بہی فساد انگیز ہوتا جاتا ہے جہاں اُس کی بڑی خواہش ہے کہ دم جہاسا
دے اور تسکین پیدا کرے۔ پس ہندوستان کے حکام انگریزی کی تو یہ
کیفیت ہے۔ اُدہر وہ مریض صحیح ہوتا جاتا ہے۔ بچہ بڑہ رہا ہے۔ نابالغ اپنی
بلوغ پر پہونچا جاتا ہے۔ اس کے معلم اس کو جو کچھ سکہانے کو تہے اس میں
سے بہت کچھ اُس نے سیکہہ لیا ہے اور اب اُس کی آنکہیں اپنے اولیا
کے نیک اور بد۔ عقلمندی اور بے عقلی۔ قوت اور کمزوری پر کہل گئی ہیں۔ وہ
چاہتا ہے کہ اپنے خاص معاملات کے انتظام میں خود شریک ہو اور حکومت
کی ذمہ واری میں ایک حصہ دار بنے۔ یعنے صاف اور عملی طور پر یہ کہا جاتا ہے
کہ ہندوستان کی سول سروس اس طور پر نئے سانچے میں ڈہالی جائے۔
کہ باستثنائے اعلے ترین مناصب کے بتدریج انگریزوں کی جگہ ہندوستانیوں
کو مل جانا یقینی اور قطعی ہو جائے میری رائے میں ہندوستانیوں کا کوئی فرقہ
اپنے موجودہ دعاوی کو اس سے زیادہ آگے نہیں بڑہایا چاہتا۔ لیکن جیسا کہ
سب پولٹیکل رفارمروں کو ایک امر مدنظر ہوتا ہے جس کو وہ اپنی کوششوں کی
حد انتہائی سمجہتے ہیں اسی طرح ہندوستان میں بڑہے ہوئے خیالات
کے لوگوں کا منتہائے مقصود یہ ہے کہ مختلف صوبوں میں کامل انتظام
آزادی مثل نو آبادی ہائے آسٹریلیا کے مل جائے۔ اُن کا خیال ہے کہ
درجہ بدرجہ لیجس لیشن اور ایڈمنسٹریشن یعنے قانون بنانا اور عاملانہ انتظام کرنا یہ
دونو باتیں ہندوستانیوں کے اختیار میں دیدی جائیں۔ ابتدا یوں ہو کہ موجودہ

شریک ہوجائینگے۔ اسوقت منطق اور دلائل کی آواز جو اس وقت تعلیم یافتہ طبقوں میں علمائے بحثوں میں غالب ہے اس ہنگامہ عام میں غرق ہوجائیگی اور صرف غصہ اور انتقام کا حس طبائع میں باقی رہجائیگا۔ میں جانتا ہوں کہ بہت سے نہایت روشنضمیر ہندوستانی ایسے ہنگامہ سے پناہ مانگتے ہیں اور انکی عمدہ ترین امید یہ ہے کہ ان کی واقعی شکایات جو رنج وغصہ کی واجبی بنیادیں ہیں انگریز لوگ بمرور ایام آخر سماعت کرینگے۔ وہ لوگ اب تک انگریزوں پر بھروسہ کرتے ہیں بشرطیکہ وہ انکی سنیں۔ لیکن اس باب میں اب وہ مشتبہ ہو چلے ہیں کہ آیا ان کی توجہ کا سیلان ہندوستانیوں کی حالت کی طرف ممکن ہے یا نہیں اور قریب قریب وہ مایوس ہوگئے ہیں۔ ممکن ہے کہ عنقریب وہ دنیا میں اور کسی کو بھروسہ کے لائق نہ پاویں اور صرف اپنے اوپر بھروسہ کریں آج ان کا مقولہ رفارم (اصلاح) ہے۔ ہمکو نہ چاہیئے کہ ان کو اس مقولہ پر مجبوراً کھینچ لائیں کہ رولیوشن (ہنگامہ وغدر) ضروری ہے

تتمہ۔ درحالیکہ میں نے یہ مضمون لکھا ہندوستان کی نسبت ایسی کارروائی کیگئی ہے جسکے آثار اچھے نہیں ہیں یعنے لارڈ رپن قبل از وقت واپس بلائے گئے۔ اور ان کے قائمقام جو مقرر ہوئے ہیں انکی توجہی پردہ تمام لوگ جنکی غرض حالات موجودہ سے متعلق ہے اظہار مسرت کرتے ہیں یعنے وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ کارروائی گویا اظہار اس امر کا ہے کہ گورنمنٹ نے اپنی تمام تدبیرات رفارم کو ترک کردیا ممکن ہے کہ ایسا ہو اور میں امید کرتا ہوں کہ ایسا نہیں ہے۔ لیکن ناممکن ہے کہ زمانہ مستقبل پر روزافزوں خوف کے ساتھ نظر نہ کیجائے۔ لارڈ ڈفرن کا کام ہوگا کہ تالیف قلوب کریں۔ اور اگر انسان کامیاب ہوسکتا ہے تو وہ کامیاب ہونگے۔ لیکن ان کو بھی یہ امر ممکن نہ معلوم ہوگا۔ کہ ہندوستان کے دوماسٹروں کی خدمت کریں اور دو دعویداروں کو راضی رکھیں یعنے ہندوستانی اور اینگلو انڈین۔ بجز اس کے کہ لارڈ ڈفرن ہندوستانیوں کے بڑھتے ہوئے حقوق کی حمایت وحفاظت کے لئے اینگلو انڈین میں اپنی ہردلعزیزی کو کسی قدر کھو دینے پر تیار نہ ہوجائیں۔ وہ دقتوں کے ظہور کو نہ روک سکینگے اس کام کے لئے ان کو اپنی ساری دلیری صرف کرنی ہوگی۔ پوری دانشمندی خرچ کرنی پڑیگی اور ایک مضبوط اور مستقل ارادہ ضرور ہوگا